एकं सत्

विप्रा बहुधा वदन्ति

مجموعۂ نظم

یعنی

کلام مہر

از تصنیفات

منشی سورج نراین مہر دہلوی

سابق اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس حلقۂ دہلی و راولپنڈی

حال رپورٹر آن ٹکس سررشتۂ تعلیم پنجاب لاہور

प्रज्ञानमानन्द ब्रह्म

तत्त्वमसि

نذر

سُرمۂ مفتِ نظر ہوں مری قیمت یہ ہے

کہ رہے چشمِ خریدار پہ احساں اپنا

یہ محقّر تحفۂ نظم صدق عقیدت و محبّت کے ساتھ ناظرین رسالۂ

سادھو

کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے جن کا شوق حوصلہ افزائی نہ کرتا تو راقم کو اس کے طبع کرانے کا خیال شاید برسوں تک نہ آتا

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

فہرست مضامین

انگریزی نظموں کے ترجمے

اوم تت ست

دیباچہ

فقیر مہر کا کلام اردو کے رسالوں اور اخباروں میں ناظرین باتمکین کی نظر سے گزرتا رہا ہے۔ پہلے میرے محترم دوست لالہ دیوی دیال جین کا سلسلۂ کتب نباتاتی عرصۂ دراز سے مروّج اور مقبول عام ہو چکا ہے رسالہ کا ضمیمہ متر میں شائع کیا کرتے تھے۔ پانچ سال سے اخلاقی اور حقّانی نظمیں رسالۂ زمانہ کانپور میں شائع ہوتی رہی ہیں۔ سال حال میں رسالۂ سادھو لاہور میں ہر مہینے تین چار نظمیں ہدیۂ ناظرین ہوتی رہیں +

رسالوں میں نظموں کا شائع ہونا ایک معمولی بات ہے۔ ہاں یہ امر باعث حوصلہ افزائی ہوا ہے۔ کہ ادھر بعض نظمیں کسی رسالے میں نکلی ہیں۔ اور اُدھر شمالی ہندوستان کے بہت سے ہندو مسلمان اخباروں نے کلاً یا جزاً اپنے کالموں میں اُن کی نقل چھاپی ہے۔ سائیں کی صدا۔ باران رحمت۔ کنج تنہائی کے مزے۔ خواب زندگی وغیرہ کو میں نے خود کئی اخباروں میں پڑھا ہے۔ اور کمشنری دہلی و راولپنڈی کے اضلاع میں بحیثیت اسسٹنٹ انسپکٹری دورہ کرنے کا اتفاق ہوا ہے۔ تو مدرسوں میں بچوں نے میری نظمیں گا کر سنائی ہیں۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ انہیں کسی ایسے اخبار میں ملی ہیں جسے میں نے کبھی نہیں بھیجیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علمی دنیا میں میرے مختصر کلام کو ارباب ذوق کسی قدر شوق سے پڑھتے ہیں +

مجھ سے میرے احباب نے یہ بھی کہا ہے۔ کہ آپکے کلام کا رنگ خاص ہے۔ یعنی

ایک طرف تو مترجمہ کلامِ اُردو سے جدا ہے اور دوسری طرف انگریزی کے اُن ترجموں اور تقلید سے جدا ہے۔ جو رسالوں اور اخباروں میں نظر سے گزرتے رہتے ہیں۔ پس اگر مجتمع کر کے چھپوا دیا جائے۔ تو یقین و ثوق ہے۔ کہ اربابِ مذاق پسند کرینگے۔ لیکن اب تک میں احباب کی اِن باتوں کو صرف اُن کا حسنِ ظن اور اپنے لئے باعث حوصلہ افزائی سمجھتا رہا۔ دنیا میں ایسا کون سا مصنّف ہے۔ جس کے کلام کی داد اس کے دوست نہ دیں اور بار بار یہ تقاضا نہ کریں کہ اسے طبع کرادو۔ بس احباب جب تقاضا کرتے تو میں یہی جواب دیا کرتا تھا۔ کہ اُردو میں مجموعۂ غزلیات کا نام دیوان ہے۔ مَیں شاذونادر ہی غزل کہتا ہوں۔ اس وجہ سے غزلیات کا سرمایہ تھوڑا ہے۔ کچھ ہو جائے تو انطباع دیوان کا اہتمام کروں۔

تقاضائے احباب سال رواں میں اور بھی زیادہ رہا ہے۔ کیونکہ رسالۂ سادھو میں جو نظمیں چھپتی رہی ہیں۔ انہیں ناظرین رسالہ نے نگاہ تلطف سے دیکھا ہے۔ میرے محترم دوست بابو شو برت لال ایم۔ اے نے جو فلسفہ و اخلاق کا یہ رسالہ لاہور سے نکالتے ہیں۔ مجھے لوگوں کے خطوط دکھائے جن سے میری ہمّت اور بھی بڑھی۔ ان میں جہاں شائع شدہ نظموں کی داد فراخ دلی کے ساتھ دی گئی ہے۔ وہیں تازہ نظموں کی فرمائشیں بھی کی گئی ہیں۔ خود بابو صاحب ممدوح بھی فرمائش کر کے خاص مضامین پر مجھ سے نظمیں لکھواتے رہے ہیں۔ اسی مہینے یعنی نومبر ۱۹۰۸ء کے وسط میں ایک روز جو آپ نے غریب خانے پر کرم فرمایا تو کہنے لگے کہ ناظرین رسالہ آپکی نظموں کو ایسے شوق سے پڑھتے ہیں۔ کہ ہمارا ارادہ ہے۔ جنوری ۱۹۰۹ء کے سادھو میں صرف آپ کا نظم کلام درج ہو۔ اس شوق ہمّت افزا پر کونسا شاعر ہے۔ جو فوراً اپنا کلام طبع کرانے پر آمادہ نہ ہو جائے۔ مَیں نے اپنے دوست کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ نئے سال کے نئے نمبر میں یہ فقیر ناظرین رسالہ کو آپ کے اچھوتے خیالات اور اچھوتی تحریر سے محروم نہیں کیا چاہتا۔ آپ رسالہ بدستور

نکالیں۔ انطباع دیوان کا میں خود اہتمام کرتا ہوں۔ چنانچہ اِدھر آپ دولتخانے تشریف لے گئے۔ اُدھر میں نے اپنے اوراقِ پریشان جمع کئے اور ان کی تدوین شروع کی +

اوّل دقّت جو روبکار ہوئی وہ غزلیات کی کمی تھی۔ ہمارے ہاں دیوان شاعر کی خوبی یہ سمجھی جاتی ہے۔ کہ ہر ایک ردیف میں متعدد غزلیات ہوں۔ یہاں ردیفیں کی ردیفیں یکقلم ندارد۔ لیکن کیا جائے۔ تو کیا کیا جائے۔ اس فقیر کا کلام زیادہ تر مسلسل ہے۔ غزل کبھی شاذونادر ہی لکھنے میں آتی ہے۔ کچھ غزلیات ۱۸۹۲ء سے پہلے کی ملیں۔ جن ایّام میں میں گورنمنٹ کالج لاہور میں پڑھتا تھا اور دہلی و لاہور کے مشاعروں میں شریک ہؤا کرتا تھا۔ کچھ نئی تھیں جن پر گزشتہ پانچ سات سال میں گاہے ماہے طبع آزمائی ہوئی تھی۔ بمشکل تمام کوئی پچاس غزلیں بہم پہنچی ہیں۔ اس بارے میں ناظرین سے معافی کا خواستگار ہوں۔ لیکن چونکہ رنگ غزل بھی باقی کلام کا ہمرنگ ہے۔ مجھے یقین ہے۔ کہ یہ کمی زیادہ محسوس نہ ہوگی +

یہاں یہ عرض کر دینا بھی مناسب ہے۔ کہ کلام طبع کرانے کا خیال یکدم طبیعت میں پیدا ہؤا ہے۔ اور فوراً ہی انطباع کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اس وجہ سے کیا پرانی اور کیا نئی کسی نظم پر کما حقّہٗ نظرِ ثانی نہیں ہو سکی ہے۔ اگر فرصت میں بیٹھ کر شاعر نظرِ تعمّق سے اپنا کلام دیکھے اور بار بار بنائے تو بہت سے نقص رفع ہو جاتے ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ یوں سرِ دست یعنی مہینے ڈیڑھ مہینے میں دیوان چھپوا لینے میں میرے کلام کے نقص جوں کے توں باقی رہینگے۔ کمیِ غزلیات کی طرح اس بارے میں بھی میں ناظرین سے معافی کا خواستگار ہوں۔ اور نظر اندازیِ خطا کا امیدوار +

ہوش گر بہ خطائے رسی وطعنہ مزن   کہ ہیچ نفس بشر خالی از خطا نہ بود

اس مجموعے میں ناظرین یہ چاہیں کہ جو شعر ہو وہ ایسا ہو کہ سنتے ہی مشاعرے کا مشاعرہ پھڑک جائے اور ہر طرف سے مرحبا اور جزاک اللہ کی صدائیں آنے لگیں۔ تو وہ غلطی پر ہیں۔ فقیر کا کلام زیادہ تر مسلسل ہے۔ اس قسم کے کلام میں چونکہ اشعار باہم مربوط ہوتے ہیں۔ اور ایک شعر کا دوسرے کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔ اس باعث سے ناممکن محض ہے کہ ہر ایک شعر مرصّع اور پھڑکا دینے والا ہو۔ ہاں غزل کا ہر ایک شعر بذات خود ایک مکمّل نظم ہے۔ اور رباعی کے چار مصرعوں کا بھی یہی حال ہے۔ چنانچہ پھڑکا دینے والے اشعار زیادہ تر انہیں دونو اصناف کلام میں ملا کرتے ہیں یہ مسلسل نظموں میں کہیں کہیں بے شک موزون ہو جاتے ہیں۔ لیکن ہر ایک شعر کا پھڑکا دینے والا اور مرصّع ہونا احاطۂ امکان سے باہر ہے +

نظم کا موازنہ مرصّع اشعار اور مصرعات سے کرنا بڑی بھاری غلطی ہے جن باتوں میں معیار موازنہ کا درجہ ایسا اسفل ہو جاتا ہے۔ اُن میں اصلی شاعری مفقود ہو کر محض لفّاظی رہجاتی ہے۔ کیونکہ شعر میں پھڑکا دینے والا عنصر زبان ہے۔ چستئ بندش اور طمطراق وشوکت الفاظ ایسی چیزیں ہیں۔ کہ سُن کر زبان سے بے اختیار آفریں نکلتی ہے۔ مضامین کی جدّت وندرت اور معانی کی سنجیدگی ومتانت طبیعت میں ضرور اثر پیدا کرتی ہے۔ لیکن یہ اثر پھڑکا دینے والا نہیں۔ اُلٹا خاموشی اور حیرت پیدا کر دینے والا ہے۔ پھڑکا دینے والے اشعار آدمی ایک کان سے سُنتا ہے۔ اور دوسرے سے نکال دیتا ہے۔ ان کا حال بعینہ لطائف وظرائف کا سا ہے کہ آدمی سنتا ہے اور پھڑک جاتا ہے۔ لیکن طبع سامع پر نہ گہرا اثر ہوتا ہے نہ دیرپا۔ برعکس اس کے

اگر شاعر کے مرقعے میں مکمّل تصاویر ہیں تو ان کی تاثیر دیکھنے سے متعلق ہے۔ جو صورتیں یہاں نظر سے گزرتی ہیں۔ وہ آنکھوں کے سامنے پھرا کرتی ہیں۔ اور جو صدائیں یہاں سننے میں آتی ہیں۔ وہ برسوں تک کان میں گونجا کرتی ہیں +

شعرائے اُردو شروع سے شعرائے فارسی کے پاؤں پر پاؤں رکھتے آئے ہیں۔ اس پر طُرّہ یہ ہے کہ فارسی شاعری کا جو زمانۂ زوال ہے وہ اُردو شاعری کا زمانۂ پیدائش ہے۔ فارسی میں اصلی اور سچّے شاعروں کی کمی نہیں۔ فردوسی۔ نظامی۔ سعدی۔ حافظ۔ خسرو۔ ایسے اعلےٰ پائے کے شاعر ہیں کہ شاعری کو ان کے نام سے زینت ہے۔ لیکن کہاں ان پُرانے شاعروں کی جیتی جاگتی تصویریں اور کہاں نظیری۔ ظہوری۔ صائب اور ناصر علی کی نازک خیالی۔ معنی آفرینی۔ تکلفات اور تصنّع۔ ہاں زمانۂ حال کا مذاق سخن کچھ ایسا ہے۔ کہ پڑھنے والوں کو متاخرین کے تکلّفات میں جو لطف آتا ہے۔ وہ متقدمین کی بے تکلف مگر سچّی تصویروں میں نہیں آتا۔ بعینہٖ یہی کیفیّت اُردو کی ہے۔ اس زبان میں جو شعرا متقدمین میں شمار ہوتے ہیں۔ گو وہ صائب علی حزیں اور ناصر علی سے پہلے کے نہیں۔ لیکن ان کے اشعار میں جدّت فکر اور ندرت خیال پائی جاتی ہے۔ وہ تصویریں کھینچتے ہیں۔ اور بعینہٖ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ تصویریں ان کی نظر کے سامنے ہیں۔ وہ جذبہائے دل کی کیفیتیں بیان کرتے ہیں۔ لیکن اس طرح گویا خود محسوس کر رہے ہیں۔ برعکس اس کے شعرائے متاخرین اُردو نازک خیالی اور معنی آفرینی کے دلدادہ ہیں۔ کہاں میر تقی اور میر حسن کی پرسوز یا میٹھی باتیں اور جیتی جاگتی تصویریں۔ کہاں غالب کی صدائے پر صولت کا غلغلہ اور مومن کی نازک خیالی و باریک بینی +

انگریزی تعلیم نے جہاں ملک میں اور انقلابات عظیمہ پیدا کیئے ہیں۔ وہاں مذاق سخن میں بھی بڑی بھاری تبدیلی کر دی ہے۔ اب ارباب مذاق صرف غزل کے ہی دلدادہ نہیں ہیں۔ بلکہ نیچر کی تصویریں بھی کھینچنے لگے ہیں۔ جو رسالے آج کل اردو میں شائع ہوتے ہیں۔ انہیں اُٹھا کر دیکھئے تو ایک طرف تو مذاق قدیم کی بھڑکا دینے والی غزلیات ملتی ہیں۔ اور دوسری طرف نیچرل نظمیں۔ جس میں بھڑکا دینے والا عنصر تو کم ہے۔ اور طبیعت پر گہرا اثر کرنے والا حصّہ زیادہ۔ اگر ہمارے شعرا کچھ اور پہلے سے تقلید فارسی کی بجائے تقلید سنسکرت یا انگریزی کرتے تو آج ہندی بنگالی اور مرہٹی زبانوں کی طرح زبان اردو میں بھی سچی شاعری دستہ دستہ دستیاب ہوتی خیر دیر آید درست آید۔ ابتدا ہو گئی ہے۔ آیندہ ترقّی کا رستہ کُھلا پڑا ہے +

راقم آثم کے مطالع میں چونکہ سنسکرت اور انگریزی کتب زیادہ رہی ہیں۔ اس باعث سے نظم میں بھی انہیں زبانوں کا مذاق طبیعت پر حاوی و مستولی ہے میں شاعری کے معنی یہ سمجھا ہوں۔ کہ دنیائے خارجی میں جو نظّارے نظر سے گزرتے ہیں۔ اور دنیائے داخلی میں جو کیفیات دل محسوس کرتا ہے۔ انہیں اس طرح الفاظ موزوں کے کپڑے پہنائے جائیں۔ کہ جو اثر خود شاعر کے دل پر ہوُا ہے۔ وہی پڑھنے والے کی طبیعت پر ہو۔ شاعری۔ نقّاشی بُت تراشی۔ موسیقی وغیرہ سب ایک قسم کے فنون ہیں۔ یعنی فنون لطیفہ۔ ان میں ماہرفن جتنا اس باب میں کامیاب ہوتا ہے۔ کہ جو کیفیّت اس نے خود محسوس کی ہے۔ وہی دوسروں کو کرا دے۔ اتنا ہی اس کا کمال ہے۔ ہاں یہ امر مسلم ہے۔ کہ شاعر کا اپنا احساس اور اس احساس کا اظہار ایک طرف تو احساس و اظہار عامہ سے ممیز و ممتاز ہونا چاہیئے۔ اور دوسری طرف اور شعرا

کے احساس و اظہار سے۔ بہرحال شاعری اشیائے خارجی و داخلی کی تصویرکشی ہے۔ شعرائے سنسکرت میں یہ کمال بدرجہ غایت پایا جاتا ہے۔ یہ لوگ اس بلا کے مصوّر ہیں۔ کہ ہزاروں برس پہلے جو تصاویر کھینچ گئے ہیں۔ وہ آج جیتی جاگتی نظر آتی ہیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے۔ گویا اب باتیں کیا چاہتی ہیں +

اس مختصر مجموعے میں بھی ناظرین کو ہر قسم کی تصویریں ملینگی۔ دنیائے خارجی کے جو جو نظّارہائے حیرت خیز چشم بینا نے دیکھے ہیں۔ اور دنیائے داخلی کی جو جو کیفیّات عبرت انگیز دل دانا نے محسوس کی ہیں۔ زبان نے الفاظ میں اُن کا عکس اتارنے کی کوشش کی ہے۔ نظّارہائے قدرت میں صبح شام رات دن۔ گرمی برسات بہار۔ بحر صحرا پہاڑ۔ آندھی مینہ طوفان صنائع انسانی میں گلزار حوض محل علوم فنون۔ مدارج عمر میں پیدائش طفلی پختہ کاری پیری بیماری نزع اور موت۔ کیفیات نفسانی میں رنج و راحت بیم و رجا۔ یاس و ندامت۔ سرور و تسکین۔ اخلاق میں شیریں کلامی۔ خودداری۔ حوصلہ و ہمّت خیرات نیک عملی حظوظ لطیفہ میں حظ موسیقی کمال صورت و سیرت زن و مرد مشاہدۂ قدرت فلسفہ عقلی میں ماہیت دنیا تناسخ روح خدا وحدت کثرت۔ مدارج عرفان میں بیراگ اعمال ریاضت اخلاص عشق معرفت۔ وصال اور طرح طرح کے مضامین کثیر ناظرین باتمکین کی نظر سے گزرینگے۔ یہ نظموں کے عنوان نہیں ہیں۔ بلکہ ایسی تصاویر ہیں کہ موقع موقع پر نظمہائے مختلفہ میں کھینچی گئی ہیں +

میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ کس درجے کی تصاویر ہیں۔ اس کا موازنہ ناظرین کے ہاتھ ہے۔ میری گزارش صرف اتنی ہے۔ کہ میں اس قسم کی تصویرکشی کو

اپنے ذہن میں شاعری سمجھے ہوئے ہوں۔ میری نظر میں شاعری کوئی کھیل یا شوق کی چیز نہیں ہے۔ بلکہ ایک نہایت باوقعت اور سنجیدہ جذبۂ انسانی ہے۔ سات مختلف زبانوں میں مَیں نے فلسفہ و شاعری کی کتب پڑھی ہیں۔ اور جتنا زیادہ پڑھا ہے۔ شاعری کی نسبت یہ خیال طبیعت میں زیادہ مستحکم اور استوار ہوتا گیا ہے۔ نظم میں میری نظر تصویر کے مختلف پہلوؤں کی طرف ہے۔ نہ کہ شوکت الفاظ۔ تجنیس لفظی و معنوی۔ تراش و خراش تراکیب اور ضلع جگت کی طرف زبان کے بارے میں مَیں اپنے اکثر ہم وطن دلّی والوں کی طرح شستہ روزمرے اور سلاست و روانی کو تکلف اور تصنّع پر ہمیشہ ترجیح دیتا رہا ہوں۔ ہاں غزلیات اور رباعیات اس مجموعے میں بھی ہیں۔ ناظرین انہیں پڑھیں۔ اگر انہیں اپنے مذاق کے مطابق اشعار ملجائیں تو میں اپنی خوش نصیبی سمجھونگا۔ اگر نہ ملیں تو میں پہلے ہی معذرت کر آیا ہوں۔ معاف فرمائیں +

میری زبان پر سنسکرت کی تشبیہات استعارات اور تمثیلات بھی چڑھی ہوئی ہیں۔ کیونکہ برسوں ویدانت کی کتب نظم و نثر اسی زبان میں پڑھتا رہا ہوں۔ ناممکن تھا۔ کہ نظموں میں یہ اپنا رنگ نہ دکھائیں۔ چونکہ ان میں سے بعض مخصوص محض سنسکرت ہیں۔ ارباب اردو کو شاید اجنبی سی معلوم ہوں۔ اسی طرح سے ان نظموں میں بعض بعض موقعوں پر اپنشدوں کی شُرتیاں یعنی فقرات کا مضمون اور شریمد بھگوت گیتا کے معانی بھی آجاتے ہیں۔ بعض جگہ آیتوں اور حدیثوں کی طرف اشارہ ہے یا بجنسہٖ اُن کے الفاظ منظوم ہیں۔ پہلے ارادہ ہُوا تھا۔ کہ تحت صفحہ میں سنسکرت اور عربی فقرات نوٹ کے طور پر تحریر کردوں۔ لیکن چونکہ وقت کم تھا یہ ارادہ چھوڑ دیا +

اس مجموعے میں چار قسم کی نظمیں ناظرین کی نگاہ سے گزرینگی۔ حقّانی۔ اخلاقی

ونیچرل۔ بچّوں کی نظمیں اور انگریزی نظموں کے ترجمے۔ چونکہ حقّانی نظموں پر نسبتاً کچھ زیادہ عرض کرنا ہے۔ اس واسطے باقی تین قسموں پر پہلے مختصراً نظر ڈالتا ہوں +

اخلاقی اور نیچرل نظموں کی نسبت گزارش ہے۔ کہ ناظرین انہیں معمولی اردو نظموں سے کسی قدر مختلف پائینگے۔ مذاق سنسکرت و انگریزی نے ان پر اپنا رنگ چڑھا ہے۔ اور تھوڑی بہت تصوّف کی چاشنی بھی ہے۔ اسی وجہ سے ان کو حقّانی نظموں سے علیحدہ نہیں کیا گیا +

بچّوں کی نظموں کا ہمارے ہاں رواج نہیں ہے۔ نہ سنسکرت اور ہندی میں ملتی ہیں اور نہ فارسی اردو میں۔ میرے دوست! گلستاں بوستاں۔ ہتوپدیش پنچ تنتر وغیرہ بچّوں کے پڑھنے کی کتابیں نہیں ہیں۔ بلکہ پیران سفید ریش کے واسطے ہیں۔ ہاں انگریزی میں اس قسم کی کتابیں بکثرت ہیں۔ سنہ ۱۹۰۸ء میں گورنمنٹ عالیہ ہند نے صوبجات مختلفہ میں کمیٹیاں مقرر کی تھیں۔ کہ طرز جدید کی کتب درسیہ تیار کریں۔ چنانچہ صوبہ پنجاب میں بھی یہ کمیٹی قائم ہوئی۔ اور اس فقیر کو بھی اس کی ممبری کا شرف حاصل ہوا۔ ریڈروں کی نثر جب مرتب ہو چکی تو نظموں کی تلاش ہوئی۔ لیکن جس طرح کی نظمیں کمیٹی چاہتی تھی دستیاب نہ ہو سکیں۔ آخر خاکسار نے کمر ہمّت باندھی اور انگریزی ریڈروں کی تقلید میں نظمیں لکھیں۔ جو ٹکسٹ بک کمیٹی پنجاب کی اجازت سے اس مجموعے میں شامل کر دی گئی ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ اور اسی قسم کی نظمیں بھی فرمائش احباب سے لکھی ہیں۔ ان سب میں صرف یہی رعایت نہیں ہے کہ خاص جماعتوں کی سمجھ کے مطابق ہیں۔ بلکہ اکثر کے اوزان بھی ایسے شگفتہ ہیں۔ کہ بہت سے دلپسند راگ اور راگنیوں میں گائی جا سکتی ہیں۔ بچّوں کے لٹریچر کی اردو اور ہندی میں سخت ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اور ارباب قلم بھی قلم اٹھائینگے اور بچّوں کے لئے کتب نظم و نثر تحریر فرمائینگے +

انگریزی نظموں کے ترجمے خاکسار نے ۱۸۹۲ء میں کئے تھے۔ جناب کرنیل ہالرائڈ سابق ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم پنجاب جو کہ اسان اردو کے ماہر اور بڑے بھاری قدردان تھے۔ اِن کو پڑھکر نہایت خوش ہوئے اور بڑی قدر سے فرمایا کہ یہ کام اچھا اٹھایا ہے۔ محنت سے اِس کو انجام پر پہنچاؤ۔ چنانچہ میں نے کچھ اور ترجمے کئے لیکن احباب کو سنائے تو نظم انگریزی کا رنگ انہیں اردو سے ایسا جدا اور عجیب محسوس ہوا کہ سب نے یہی رائے دی کہ یہ نظمیں اردو داں کبھی شوق سے نہیں پڑھینگے۔ راقم نے ترجمے سے قلم اٹھالیا اور پھر اس میدان میں قدم نہیں بڑھایا۔ تدوینِ کلام کے وقت یہ اوراق کہنہ بھی نکلے۔ طبیعت کو گوارا نہ ہوا کہ جن ترجموں کو اس شوق سے شروع کیا تھا وہ بیکار جائیں۔ چنانچہ انہیں بھی شامل کلام کرلیا ہے۔ اگر چاہتا تو اِن میں بیان اور مذاق اردو کے پیمانہ پر زیادہ دلکش بنا لیتا۔ مگر اِس صورت میں یہ ترجمے نہ رہتے اور جس غرض سے کئے گئے تھے وہی فوت ہو جاتا۔ لہٰذا ان کی سادگی تشبیہ و استعارہ۔ طرزِ اظہار۔ یہانتک کہ بعض نظموں کی ردیف قافیہ بھی جوں کا توں رہنے دیا ہے۔ ناظرین کو یاد رہے کہ یہ نظمیں انگریزی نظموں کے قریباً لفظی ترجمے ہیں۔ ان میں میرا کچھ نہیں ہے۔ کہیں کہیں ضرورتِ وزن یا محاورۂ زبان کے لحاظ سے کوئی چھوٹی موٹی تبدیلی بے شک عمل میں آئی ہے۔ ورنہ یوں سمجھئے کہ یہ اردو میں انگریزی نظمیں ہیں۔ ان میں ہر قسم کے مذاق کے نمونے شامل ہیں۔ مزاح۔ سوز۔ تصوّر۔ بیان۔ اخلاق۔ فلسفہ وغیرہ۔ کئی عشقیہ کہانیاں بھی ہیں لیکن یہ عشق زبان اردو کے عشق سے کچھ علیحدہ ہی چیز ہے +

کلام کا زیادہ تر حصہ حقّانی یعنی ویدانت اور تصوّف کی شاعری ہے۔ میرے دوستو دنیا میں آدمی کے واسطے سوچنے کی تین باتیں ہیں۔ یہ دنیا کیا ہے۔ میں خود کیا ہوں اور خدا کیا ہے۔ بعض مذاہب فلسفہ و ملّتیں ان تینوں کو قائم بالذّات مانتی ہیں۔ یعنی یہ تینوں اپنی ہستی میں ایک دوسرے کے محتاج نہیں۔ اور نہ اِن کی ابتدا ہے نہ انتہا۔ خدا خالق نہیں بلکہ صانع ہے اور ارواح طاعت اعمال یا اُسکی رحمت سے بہشت و دوزخ میں جاتی یا تناسخ سے باربار

دنیا میں آتی ہیں۔ بعض خدا کو قائم بالذات اور مادّے اور ارواح کو اس کی مخلوق مانتے ہیں۔ یعنی خدا قایم بالذات ہے اور وہ مادّے اور ارواح کو عدم سے وجود میں لاتا ہے۔ جب تک ارواح اس دنیا میں ہیں انہیں خدا کی بندگی اور عبادت سزاوار ہے تاکہ وہ اپنی رحمت سے انہیں نجات بخشے اور بہشت کے مدارج اعلےٰ میں جگہ دے۔ فلسفۂ ویدانت یا تصوّف وحدت وجود کی تعلیم کرتا ہے۔ یعنی ایک ہستیٔ مطلق عین نور و عین سرور ہے۔ باقی ہر ایک شے کی ہستی محض اضافی یعنی نمودی ہے واقعی نہیں۔ اگر دہریوں سے قطع نظر کی جائے تو دنیا کے تمام مذاہب فلسفہ اور ملتیں انہیں تینوں اقسام میں سے کسی نہ کسی میں شامل ہیں ✢

راقم آثم وحدتِ وجود کے ماننے والوں میں سے ہے۔ ویدانتی یا صوفی کہتا ہے۔ کہ جو کچھ ہے ایک ادّوِتیہ برہم یا ذات احد ہے۔ جس طرح ناظر خواب عالم رویا کی تمام صورتوں کا خلّاق ہے۔ اور اور اجسام وہمیہ کی طرح ایک جسم اپنا بھی فرض کر کے راحت و رنج سے لذّت آشنا ہوتا ہے۔ بعینہٖ یہی حال عالم بیداری کا بھی ہے۔ جس طرح ناظر خواب واقع میں دنیائے خواب کے تمام ملوّثات سے پاک اور عالم رویا کے لحاظ سے مستغنیٔ مطلق ہے۔ اسی طرح یعنی بالکل خواب کی طرح اس نے عالم بیداری بھی خلق کر رکھا ہے اور تماشے دیکھتا ہے۔ واقع میں وہ عالم بیداری کی تمام لوث سے پاک ہے لیکن چونکہ اس نے اپنے تئیں محدود و مقیّد مان رکھا ہے اس واسطے ہر قسم کے رنج سے رنجیدہ اور ہر قسم کی تکلیف سے تکلیف مند معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ اسی طرح کی کیفیت ہے جس طرح شاہنشاہ ذوی الاقتدار خواب میں اپنے تئیں مفلس مان کر طرح طرح کی صعوبتیں اٹھائے۔ لیکن جب خواب کا پردۂ غفلت اُٹھ جائے۔ تو پھر وہی شاہنشاہ کا شاہنشاہ ہے۔ اسی طرح جب پردۂ پندار اُٹھ جاتا ہے۔ تو انسان بھی محسوس کرتا ہے کہ میں ذات غیر محدود و بے حد ہوں۔ پس جتنی سعی ہے وہ اس حجاب کے دُور کرنے اور آئینۂ قلب کی صفائی میں ہے اور یہ صفائی تحصیل علم۔ اعمال نیک

ریاضت۔عبادت۔عشق الہٰی یا عرفان سے حاصل ہوتی ہے۔یہ راہیں بادی النظر میں جدا جدا معلوم ہوتی ہیں۔لیکن سب ایک منزل پر پہنچانے والی ہیں۔اس مضمون کو ناظرین میری نظم "بیراگ" میں ملاحظہ فرمائیں +

وحدت وجود کوئی مانی ہوئی بات نہیں ہے۔بلکہ انتہائے فلسفہ ہے۔جس شخص کو اور کسی ملت یا مذہب فلسفہ سے تسکین قلب رونما نہ ہو وہ اس فلسفے کو تحصیل کرے یہاں اُس کے ہر ایک اعتراض عقلی کا جواب ملیگا۔بلکہ جو اعتراضات خود اُسکے وہم و گمان میں بھی نہیں گذرے ہیں شارح انہیں خود اٹھاتا اور حل کرتا نظر آئیگا۔ اور آخر کار وہ استدلال عقلی سے اس نتیجے پر پہنچیگا۔کہ حقیقت میں ایک ذات احد ہی بسیط اور محیط کائنات ہے۔اسے اصطلاح تصوّف میں علم الیقین کہتے ہیں۔ اور ویدانت میں شروَن۔اسکے آگے عین الیقین اور حق الیقین کے مدارج ہیں۔جو ہمارے ہاں منن اور ندِدھیاسن کہلاتے ہیں +

جن براہین و دلائل سے ہندوستان کے رشی اور ایران کے صوفی اس معراج فلسفہ و حکمت پر پہنچے ہیں۔ان کی بحث طویل ہے۔اور اس مختصر میں اُسکی گنجائش نہیں۔ہاں اس مجموعے کے قصیدہ اول یعنی توحید واجب الوجود میں اشارۃً کچھ مدارج تحریر ہوئے ہیں۔شائقین تصوّف کے لئے اُردو و فارسی اور شائقین ویدانت کیلئے سنسکرت اور ہندی میں متعدد کتابیں موجود ہیں۔لیکن اُردو میں ویدانت کی کتابیں اور خاصکر ایسی کہ مدلّل اور مسلسل ہوں ذرا کم ملتی ہیں۔سب سے بہتر کتاب جو میری نظر سے گزری ہے۔میرے محترم دوست پنڈت رام پرشاد صاحب وکیل میرٹھ کی تشریح شریمد بھگوت گیتا ہے۔انگریزی میں ویدانت کی سینکڑوں کتابیں ہیں لیکن کیا مبتدی اور کیا منتہی دونو کے لیے میں سوامی ویویکانند کے لکچر پڑھنے کی سفارش کرتا ہوں۔یہ بڑی لیاقت کی کتابیں ہیں۔اردو دانوں کے واسطے میرے دوست بابو شوبرت لال

ورمانے سوامی کی کچھ کتابیں ترجمہ کی ہیں۔ اور کچھ میں نے کی ہیں۔ جو جنوری ۱۹۰۹ء سے رسالہ ارشاد ھو میں سلسلہ وار نکلنی شروع ہونگی +۔

مسئلۂ وحدت وجود ایک عالمگیر فلسفی مذہب ہے جو ابد الآباد سے تمام ممالک میں سوچنے والی طبیعتوں کا مسلک رہا ہے۔ ہر مذہب کی ہمیشہ دو صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک خارجی جسمیں زیادہ تر زور اعمال اور رسوم پر دیا جاتا ہے۔ یہ عوام کے واسطے ہے۔ دوسری داخلی جس میں مذہب کا دقیق فلسفہ شامل ہے۔ یہ خواص کے واسطے ہے۔ یعنی سوچنے والوں کے لئے مسئلہ وحدت وجود مذہب کی داخلی صورت ہے۔ یہ ہندوستان میں ہندو مذہب اور اُسکی فروعات مختلفہ کی صورت میں ملتا ہے۔ تبت چین۔ جاپان۔ جزیرہ نمائے ہند چینی اور لنکا میں بُدھ مذہب کی صورت میں پایا جاتا ہے۔ فارس میں اس نے پارسی مذہب اور ممالک اسلامیہ میں تصوّف کی صورت اختیار کی ہے قدیم اسیریا۔ فنشیا۔ ایران۔ یونان مصر۔ کارتھیج۔ روما میں جو مذاہب مروّج تھے۔ اور موسوی اور عیسوی مذاہب کا اصل اصول بھی یہی ہے۔ جو اصحاب شرح و بسط سے اس نتیجہ خیز مضمون کا مطالعہ کرنا چاہیں وہ میڈم بلیواٹسکی کی ضخیم مجلدات اور آینی بیسنٹ کی اینشنٹ وزڈم کا دیباجہ دیکھیں اور بغور دیکھیں +

تصوّف اور ویدانت میں در اصل کچھ فرق نہیں ہے۔ صرف اتنی بات ہے کہ ویدانتی اپنی ذات کو سچدانند برہم سمجھ کر سارے سنسار کو آتم روپ مانتا ہے۔ یا سارے سنسار کو ایشور روپ سمجھکر اپنی ذات کو بھی اسی نظر سے دیکھتا ہے۔ صوفی اسی وجود واجب کو شاہد اصلی قرار دیتا ہے اور اپنی ذات کو عاشقِ زار۔ عاشقِ طالب دیدار و وصال ہے لیکن شاہد سر پردہ نشین ہے۔ حجاب کے باعث رخِ روشن نہیں دکھاتا۔ یہ پردہ صرف پردۂ پندار ہے جو مانع جلوۂ ذات ہے کہ عالم جدائی عالم تمثال ہے جس میں شاہد غیر کی طرف متوجہ ہے اور عاشق سے مجتنب۔ عاشق عذاب ہجراں سے بے قرار ہو کر شاہد کو ظالم ستمگر۔

بے وفا، تغافل شعار کہتا ہے اور جان پر جو مصیبت گزرتی ہے اسکی شکایت کرتا ہے۔ دوست اسے سمجھاتے ہیں کہ تو نے کیا مذاق دل لے لیا لیکن جنون عشق اسکے سر پر سوار ہے کسی کی کب سنتا ہے وہ میکدے میں پیر مغاں یعنی مجاز میں مرشد کامل کے پاس جاتا ہے۔ جو اُسے ساغرِ دل میں بھر کر شرابِ حقیقت پلاتا ہے۔ جس سے وہ بےخود رند بن جاتا ہے یعنی شریعت و طریقت کی پابندیوں سے نکل جاتا ہے۔ جو عام انسان اور کم درجے کے آدمیوں کے واسطے ہیں حالتِ رندی میں وہ شیخ پاکدامن یعنی اہل شریعت پر جو اسکے درجے کے آدمی نہیں ہیں طعن کرتا ہے اور شیخ جی اسے بیدین ملحد کہتے ہیں۔ اسی عالم میں وہ شاہد سے ایسی راز و نیاز کی باتیں کیا کرتا ہے۔ جیسے کوئی دیوانہ یا مجذوب۔ وہ دیوانہ وار صحرا نوردی کرتا ہے۔ کیونکہ وہ زمان و مکان کی قیود سے بری ہے۔ انتہائی درجہ یہ ہے کہ وہ جیتے جی جان سے گزر جاتا ہے۔ یہ وہ کیفیت نفس ہے کہ انسان کو جسم کی قید سے جو ہمہ انانیت ہے وہ اُٹھ جاتا ہے اور جسم کا کیا سانسوں کا بھی ہوش نہیں رہتا یہاں تک کہ بار گزرنا جیتے جی مرنا یا مر جانا ہے۔ اسکے آگے بیدار یار یا وصالِ دلدار ہے جو بقائے جاودانی ہے۔ یہی مستی و نور و سرورِ مطلق یعنی ستچدانند برہم ہے۔

میری نظموں میں بھی خاصکر غزلیات و رباعیات میں یہ اصطلاحات اکثر ملینگی۔ آجکل بعض اصحاب کا یہ عقیدہ ہے کہ جہاں انہوں نے نظم میں شاہد۔ ہجر۔ وصل۔ شراب وغیرہ کا لفظ پڑھا اور بے ساختہ کہہ دیا کہ یہ نظم معیار اخلاق سے گری ہوئی ہے۔ میرے دوستو! جو شخص سعدی۔ حافظ۔ خسرو۔ جامی۔ بیدل۔ درد یا کبیر۔ نانک۔ تلسی داس سور داس جیسے بزرگوں کے کلام کو جادۂ اخلاق سے منحرف بتلائے میں تو اس سے یہی کہونگا۔ کہ حضرت ابھی آپ کچھ اور پڑھیں پھر رائے لگائیں۔ عشق الٰہی سے پاک تر اور کونسا جذبۂ انسانی ہے۔ اور عاشقوں کے کلام سے پاکتر اور کونسا کلام ہے۔ ہاں جو شعرا کہ عشق حقیقی سے نابلد ہیں اور جنہوں نے عشق سے متبرک جذبے کو امردوں رنڈیوں اور بھڑووں کا کھیل بنا دیا ہے اُن کا کلام بیشک قابل اعتراض ہے۔

ایک اور بھی گزارش ہے کہ میری بعض نظمیں بادی النظر میں باہم متضاد نظر آئینگی

مثلاً ایک جگہ یہ کہا ہے کہ راہ عرفان میں ہم بغیر گرو کے بغیر چارہ نہیں اور دوسری جگہ یہ کہ سالک کا شوق ہی ہم کامل ہے۔ ایک جگہ ریاضت و عبادت کی تاکید ہے اور حضور خدا میں خضوع و خشوع کیساتھ دعا اور عفو و رحمت کی استدعا ہے دوسری جگہ عبد و معبود کا فرق ہی اُٹھا دیا ہے۔ بیشک یہ باتیں باہم متضاد نظر آتی ہیں لیکن بادی النظر میں نہ کہ حقیقت میں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ مدارج انسانی مختلف ہیں اور یہ مختلف درجے کے آدمیوں سے کلام ہے۔ یا یوں سمجھو کہ ایک ہی شخص اوقات مختلفہ میں مدارج مختلفہ سے گزرتا ہے یہ اسکی کیفیات نفس کا فوٹو ہیں۔ اس اختلاف کو سنسکرت میں ''ادھکاری بھید'' کہتے ہیں۔

آدمی طرح طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ ہیں جو ہمہ تن لذائذ دنیوی میں مصروف و مشغول ہیں اور انہیں کبھی فکر عقبےٰ ہوتا ہی نہیں۔ ایسے اشخاص کی تعداد کثیر ہے اور ہر جگہ جوق جوق نظر آتے ہیں۔ دوسرے وہ ہیں جنہیں فکر دنیا کے ساتھ کچھ کچھ فکر عقبےٰ بھی ہے یہ اس طرح پیدا ہوتا ہے کہ آدمی جب دنیا میں کوئی بڑی ٹھوکر کھاتا ہے۔ مثلاً اسکا کوئی جان و دل سے عزیز رشتہ دار مر جائے یا اثاث البیت غارت ہو جائے تو اسے رہ رہ کر خیال آتا ہے کہ دنیا گزشتنی و گزاشتنی ہے۔ اسمیں لبستگی اچھی نہیں کچھ اور فکر کرنا چاہئے بہت سے آدمیوں کے دل میں تو یہ خیال اٹھ کر ہی رہ جاتا ہے اور وہ بعد چندے پھر اسی طرح کاروبار دنیا میں مصروف ہو جاتے ہیں لیکن بعض کی طبیعت میں یہ خیال جڑ پکڑ جاتا ہے اور وہ فکر اصلاح زندگی کرنے لگتے ہیں۔ اسے سنسکرت میں بیراگ و رفارسی میں نفرت از دنیا کہتے ہیں۔ یہ گیان یعنی معرفت کا پہلا زینہ ہے اسی سے ترقی کرکے آدمی مدارج اعلےٰ پر پہنچتا ہے۔ چونکہ یہ درجہ اولیہ ہے۔ اور ہر شخص کو اسکی سخت ضرورت ہے۔ اسلئے بے ثباتی دنیا کی تصویر مختلف رنگوں اور مختلف جدولوں میں اس فقیر نے بار بار ناظرین کے سامنے پیش کی ہے۔

بیراگ سے ترقی کرکے آدمی اعمال نیک کی طرف توجہ کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اپنے ہم جنسوں کو فیض پہچانے سے بہتر اور کوئی کام نہیں ہے۔ یہ پراویکار یا فیض رسانی

خلائق ہے۔ جس کا نام آج کل امن و دوشور کے ساتھ سنا جاتا ہے۔ اس سے ترقی کر کے عبادت الٰہی کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ یعنی مندر یا مسجد میں جاتا ہے۔ پاٹھ یا اوراد شروع کرتا ہے۔ بخشوع و خشوع دعا میں مانگتا ہے یا یوگ ابھیاس یعنی ریاضت میں مشغول ہوتا ہے۔ جسکی مختلف گھرانوں یا خاندانوں میں مختلف صورتیں ہیں۔ اس سے بھی اعلےٰ تر درجہ بھگتی یعنی عشق الٰہی کا ہے۔ جس میں انسان اپنی ذات کو ہیچ سمجھ کر اپنے سب کام رضائے الٰہی پر چھوڑتا ہے۔ ہر ایک چیز کو خدا کی حکمت اور رحمت جانتا ہے اور اسکے دل میں دریائے محبت اس طرح جوش زن ہوتا ہے۔ کہ جو ذرا ذرا سی باتیں عمولی آدمیوں کو محض معمولی معلوم ہوتی ہیں۔ انہیں سے اسکی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں دل بیتاب ہوجاتا ہے اور بعض اوقات حالت وجد طاری ہوجاتی ہے۔ گیان یا معرفت انتہائی درجہ ہے۔ جسمیں حجاب دوئی اٹھ جاتا ہے اور عبد خود اپنے تئیں ذات معبود محسوس کرتا ہے۔ جیسے رشی وام دیو اور شری کرشن بھگوان یا منصور حلاج اور شمس تبریز نے کیا اور پکار پکار کر کہا ہے۔ یہ وہ عالم نور و سرور ہے جسے سچدانند کہتے ہیں۔ اسی بام پر پہنچنے کے لئے تمام مدارج سابقہ زینے ہیں۔ یہاں جا کر آدمی کو بازگشت نہیں ہے +

پس میری نظمہائے مختلف کا اختلاف ادھکاری بھید یعنی مختلف درجے کے آدمیوں کیواسطے ہے نیز خود ان مراحل میں سے بعض میں گزر چکا ہے اور بعض میں گزر رہا ہے۔ ناظرین کو بعض نظمیں ایسی بھی ملینگی کہ جس درجے کی کیفیت نفس پر طاری ہے اسی کیفیت میں زبان قلم سے نکلی ہیں۔ مجموعۂ رباعیات پڑھنے والوں کی خاص توجہ کے لائق ہے۔ اس میں ہر ایک شخص کو اپنے مطلب کی باتیں ملینگی +

لو ناظرین رخصت۔ فقیر اپنی صدا سناتا ہے۔ نہ کسی سے شکایت ہے نہ کوئی سوال ہے۔ نہ کسی سے درم و دام کا سوال ہے۔ ہاں چشم بینا نے جو کچھ دیکھا ہے۔ اور دل دانا نے جو کچھ محسوس کیا ہے۔ وہ زبان نے الفاظ کے پیرائے میں ادا کر دیا ہے۔ کوئی سنے یا نہ سنے اس سے سروکار نہیں ہے +

لاہور - ۲۰ - نومبر ۱۹۰۸ء

خاکسار سورج نرائن مہر

قصائد

توحید واجب الوجود

اے کہ تیرے نور سے پُر نور ہے ارض و سما
پر توہ تیرا ہے شاہنشاہ خاور کی ضیا

عالم امکاں میں واجب ہے تو بس تیرا وجود
اور باقی کالعدم ہیں سب نقوش ماسوا

اہل باطن کی نظر میں ماسوا ہے وہم محض
لیک ہے یاں فہم قاصر وہم خود ہے چیز کیا

صدق وہ ہرگز نہیں جس کا نمودی ہے وجود
عالم رویا کی ماہیت سے یہ عقدہ کھلا

خواب کی سی صورتیں ہیں ماسوا کی صورتیں
استحالہ ہے زبانِ حال سے یہ کہہ رہا

چشم بینا کی نظر میں ہے فقط اُن کا وجود
پھر کہاں صورت نہ دیکھے جبکہ صورت آشنا

اس تماشا گاہ میں چشم تماشا بیں ہے تو
دیکھتا ہے تو تو ہے وحدت میں کثرت رونما

ہستی مطلق ہے تو اس کی اضافی ہے حیات
ماسوا کی منحصر ہے ذات پہ تیری بقا

تو نہیں تو وہ نہیں تو ہے تو اس کا ہے وجود
یہ نمودِ ظاہری باطن میں ہے کیا حق نما

اب عدم کہئے اسے یا اس کو کہئے عین ذات
دونوں حالوں میں غرض کوئی نہیں ہے دوسرا

ماسوا ہے ذات مطلق ماسوا ہے عین ذات
کب خدا سے وہ جُدا ہے کب خدا اُس سے جُدا

شور ہے کون و مکاں میں قل ہو اللہ احد
کون ہے یاں کون ہو سکتا ہے یاں تیرے سوا

خود تماشا گر ہے تو خود ہی تماشا دوست ہے
خود تماشا ہے تماشا اور یہ سب ہے دُنیا

جس طرح سے عالم رویا میں کوئی آدمی
اپنی واحد ذات میں ہے سیر کثرت دیکھتا

کوہ صحرا باغ جنگل شہر بازار و مکاں
آدمی ہر وضع کا اور جانور ہر قسم کا

مختلف افعال اور اُن کے نتائج مختلف
مختلف اعمال اور اُن کی جزا اُن کی سزا

ذات بینا ہے یہاں خود عالم و معلوم و علم
ذات واحد میں ہے کثرت کا تماشا ہو رہا

خالق و مخلوق دونو ایک اس عالم میں ہیں
بلکہ کثرت آپ ہے آئینۂ وحدت نما

عالم اسباب میں بھی مثل خواب و خواب ہیں
خالق و مخلوق دونو ایک کا ہیں پرتوا

غیر سے پرخاش کس کو وہ تو زیب حسن ہے
زینت محفل مرے محفل نشیں تو کب تھا

جس طرح شاہی محل میں کانچ عالیشان ہو
اُس میں ہو آئینہ خانہ روح پرور دل فزا

سقف پر اور سطح پر دیوار و در پر ہر طرف
را[illegible] و چپ پائین و بالا ہو نرا شیشہ جڑا

واں ہو مصروف خود آرائی کوئی زیبا نگار
جس طرف دیکھے نہ دیکھے دوسرا اپنے سوا

آئینہ خانہ ہے عالم تو ہے وہ زیبا نگار
تو ہی تو ہے ہر طرف کوئی نہیں ہے دوسرا

یا کہ جیسے برف خانے کا ہو میدان وسیع
صحنکیں اُس میں رکھی ہوں اُن میں ہو پانی بھرا

پرتوِ مہر منور جلوہ افگن ہو وہاں
ایک سورج کی جگہ ہوں لاکھ سورج رونما

تو ہے وہ مہر منور اور یہ عالم ہے آب
ہر طرف جلوہ ترا ہے ہر طرف جلوہ ترا

یا کہ جوگی ہو کوئی اہل ریاضت اہل کشف
اُس کو منظور نظـرا اعمال کا ہو خاتما

اپنی طاقت سے کرے وہ خلق اجسام کثیر
مور و مار و مرغ و ماہی انس و جاں ارض و سما

اُس کی نظروں میں ہو اُس کی طبع کو محسوس ہو
اس تماشا گاہ عالم کی طرح عالم نیا

اپنے اپنے کام کرتی ہو یہ مخلوق کثیر
ذات واحد میں ہو پر احساس اُن اعمال کا

تو ہے وہ جوگی تری مخلوق یہ مخلوق ہے
عالم اسباب ہے وہ عالم ذہنی ترا

خالق و مخلوق دو مظہر ہیں تیری ذات کے
عالم و معلوم دو جلوے ہیں تیرے ایک جا

گرچہ تو سب میں ہے سب سے اور سب پر ہے محیط
پر مبرّا سب سے ہے سب سے الگ سب سے جُدا

جس طرح سے گرچہ جنبش میں ہوں امواج سراب
لیکن اُن سے ریگ صحرا تر نہیں ہوتی ذرا

جُھٹ پٹے میں جس طرح رسّی نظر آتی ہے سانپ
اصل میں لیکن رسن مارِ رسن سے ہے جُدا

جس طرح سے خواب کی کیفیّتِ امید و بیم
بن نہیں جاتی ہے حصّہ خواب بیں کی ذات کا

جس طرح سے برگ نیلوفر نہیں ہوتا ہے تر
سب طرف سے گرچہ وہ پانی میں ہو ڈوبا کھڑا

تو بھی ہے اس طرح ہر شے میں مگر سب سے الگ
تو بھی ہے اس طرح ہر شے میں مگر سب سے جُدا

پاک ہے آکاش جیسے ہر طرح کی لوث سے
کوئی شے اُس کو ملوث کر نہیں سکتی ذرا

پر اُسی آکاش میں جب ابر ہوتا ہے محیط
اک اندھیرا سا نظر آتا ہے بس چھایا ہُوا

دمبدم بجلی چمکتی ہے گرجتا رعد ہے
زور سے اور شور سے چلتی ہے طوفانی ہوا

مینہ برستا ہے چھما چھم اور اک دریائے آب
چشم بینا دیکھتی ہے موجزن اُمڈا ہُوا

کون کہہ سکتا ہے اس حالت کو دم بھر دیکھ کر
یہ وہی آکاش ہے جس میں کہ پہلے کچھ نہ تھا

لیک جو طوفاں سے پہلے تھا وہی طوفاں کے بعد
اور طوفاں میں بھی ہے آکاش جوں کا توں کھڑا

ابر و باد و برق و رعد و بارش و باران و آب
ایک سے بھی وہ ملوث ہے نہ ہو گا اور نہ تھا

یوں ہی تجھ میں کائناتیں اُٹھکے لے تو رسیط
اور کچھ دم ٹھیر کر ہو جاتی ہیں آخر فنا

کیوں اُٹھیں وہ اور پھر کیوں اُٹھکے آخر مٹ گئیں
اعتراف عجز کرتی ہے یہاں طبعِ رسا

فہم قاصر ہے یہاں ادراک قاصر ہے یہاں
یہ طلسماتِ صور کیوں جلوہ گر تجھ میں ہُوا

گرچہ ہے بے بو ولیکن پھر بھی رکھتا ہے نمود
چشمِ بینا دیکھ تو۔ ہے کیا تماشا ہو رہا

کارخانے تیری قدرت کے سمجھتا کون ہے
اے تماشا دوست بس تو ہی ہے اُن کو جانتا

قادرِ مطلق ہے تو ہر چند اور کُل پر قدیر
صانعِ بے منتِ اسباب ہے بے چون و چرا

ایک شمہ تیری قدرت کا ہے ساری کائنات
اک کرشمہ تیری صنعت کا ہے یہ ارض و سما

ہے مکاں تجھ میں مقیم افلاک سے لے تا بہ خاک
ہے زماں پر تو محیط از ابتدا تا انتہا

تیرے ایوانِ شہی کا کارکن ہیں چاکر قدر
تیرے دیوانِ حسی کا کارکن ادنیٰ قضا

تابعِ فرماں ہیں تیرے سب جواہر اور عقول
ہیں مطیعِ حکم تیرے سب عناصر اور قوےٰ

خوف سے تیرے تپاں ہے مہر روشن ماہ ہے
خوف سے تیرے رواں ہے آب چلتی ہے ہوا

اپنی قدرت سے تجھے خواہش نہیں اسباب کی
اپنی صنعت میں نہیں محتاج تو آلات کا

یہ بھی کہنا اک تعین ہے کہ تو خلاق ہے
تو ہے ذاتِ لاتعین بے چگون و بے چرا

خالق و مخلوق ہو سکتا ہے کب تو ہے بسیط
لم یلد کے اور لم یولد کے ہے لب پر صلا

جو ہے تو وہ ہے مگر کیا ہے یہ کہہ سکتے نہیں
ما عرفنا ہے ازل سے قولِ مردانِ صفا

دعوئے باطل نہیں دعوئے اربابِ کشف
ذات جس کی علم ہے معلوم وہ کب ہو سکا

سرِ عرفانِ الٰہی ہے مگر گونگے کا گڑ
آدمی کھاتا ہے لیکن کہہ نہیں سکتا مزا

ہے نتائج خیز یہ مضمونِ عشق و معرفت
طبعِ موزوں اور لکھ موزوں سا مطلع دوسرا

مطلعِ ثانی

گر سمجھنے ہیں تجھے اے بہرِ معنئ انا
جا کے کر شاگردئ منصور اے مردِ خدا

قالبِ خاکی انانیت کا مرجع ہی نہیں
اس میں اے ناداں نہیں ہم خودی تیرا بجا

یہ ہے اک اوزار جس سے کام کا ہو انصرام
آلۂ حرفت ہو ذاتِ اہلِ حرفت کب بھلا

یا کہ یہ مٹی کا گھر ہے تیرے رہنے کا مکاں
سوچ تو انسا مکاں ذاتِ مکیں کب ہو سکا

گھر میں اور اوزار میں ہم خودی اُس طرح
واہ کیا خلاق ہے اللہ اکبر واہمہ

خاک ہی میں گر انانیت تجھے مقصود ہے
کو و برہان میں ہیں انبار غلاظت جا بجا

فرق ان میں اور تیرے جسم میں مطلق نہیں
جسم کو کہتا ہے جیسے کہ انہیں بھی توانا

تو نہ بچہ تھا جواں ہے اور نہ پیر ناتواں
یہ عوارض ہو نہیں سکتے ہیں حصہ ذات کا

تو نہ لاغر ہے نہ فربہ تو نہ بیمار و مریض
یہ خواص مادی ہیں تجھ کو ان سے بحث کیا

موت سے خائف ہے تو امراض سے ترساں ہے تو
جسم فانی کو مگر ممکن نہیں ہرگز بقا

خاک سے ہے ابتدا جس کی وہ آخر خاک ہے
اس تنِ خاکی کو ہے اول فنا آخر فنا

استواری کے لئے ساری ہیں تدبیریں عبث
کھوکھلی ہے خانۂ خاکی کی اندر سے بنا

ہو کنے سے کب کا ہے تھامنے سے کب تھا
کل گریگا آج یہ مٹی کا گھر گر بچ گیا

ہو چکے پہلے خدا معلوم تیرے کتنے جسم
اور ہو جائینگے آگے گر یہی عالم رہا

جسم فانی میں خودی کا وہم باطل دور کر
ورنہ اے غافل تناسخ سے نہیں ہوگا رہا

کھینچ لاتی ہے تجھے دنیا میں تیری ہی ہوس
پھر کہاں تو نیا تعلق اس سے جس دم اٹھ گیا

ایک خاکی پیرہن اور اُس پہ یہ فکرِ کثیر
خواب میں ہر شب بدلتا ہے ترا چولا نیا

جس طرح وہ آنی جانی شے ہے تیرے ہم میں
یہ تنِ خاکی بھی اک پُتلا ہے تیرے وہم کا

وہم کا پُتلا بنانا اور ڈرنا اُس سے خود
واہ وا اطفال کو بھی مات تو نے کر دیا

ترک کر دی بھی انانیت اگر اس جسم سے
مرکزِ وہم خودی تیرے لئے ہیں پھر تو یے

میں توانا تھا کبھی اب ہو گیا ہوں ناتواں
میں ہی دم لیتا ہوں میں ہی ہضم کرتا ہوں غذا

تو نہ نفس ہے نہ تو ہے قوتِ ہضمِ طعام
یہ تو نے کے ہیں عمل تو تو نہیں مردِ خدا

تو تو ہوں اور جسم سے چھوڑا ابھی گر وہمِ خودی
تو نے پھر جا کر حواسوں میں ہے اُس کو کر لیا

میں ہوں اندھا میں ہوں بہرا میں ہوں گونگا بالیقیں
یا اگر اب تک ہوں سلامت پھر کبھی ہو جاؤنگا

ہیں عوارض جوہرِ ذاتی میں یہ پانچوں حواس
عالمِ رویا میں جیسے صورتیں ہوں رُو نما

آنے جانے والی چیزیں ہیں حواسِ ظاہری
ان میں اے غافل تو وہمِ ذات کا دھوکا نہ کھا

ترک کر کے پھر خیالِ قوت و جسم و حواس
دامِ نفس شعبدہ گر میں ہے تو جا کر پھنسا

میں ہوں دانا میں ہوں جاہل میں ہوں مسرور و ملول
میں غبی ہوں میں ذکی میں نہ ہوں میں پارسا

سامری فن ہے یہ ساحر اپنے فن میں ہوشیار
وہ نہ نکلا جا کے جو اس کے طلسموں میں پھنسا

کھینچ کر لاتا ہے دنیا میں یہی تو بار بار
یہ ہے منشئِ قدرت یہ کار پردازِ تصرف

اس کا لشکر ہے ہوس اس کے سپاہی خواہشیں
ان سے کل عالم کا ہے اس نے احاطہ کر رکھا

اس احاطے سے نکلنا گرچہ ہے کارِ عظیم
پر نکلنا ہی پڑیگا تجھ کو اے مردِ خدا

ورنہ یہ دنیا نہیں چھوٹیگی ہرگز یاد رکھ
پھر یہاں آئیگا اب تک جس طرح آتا رہا

تو نہ بندِ نفس کا بن بلکہ اُلٹا یوں سمجھ
سامنے تیرے یہ ہے بازیگر تماشہ کر رہا

یہ تماشا گر بدلتا دمبدم ہے صورتیں
لیک تو وہمِ انانیت کے دھوکے میں نہ آ

مادّی ہے جسم جیسے مادّی جیسے حواس
مادّی ہیں قوتیں یہ نفس بھی ہے مادّہ

جو کرے تبدیل ہیئت مادّہ ہے اُسکا نام
جس کی ہو تبدیل صورت اس کو لازم ہے فنا

دمبدم حالت بدلتی رہتی ہے اس نفس کی
رنگ کرتا رہتا ہے تبدیل یہ گرگٹ نیا

نفس کی تبدیلیوں کا شاہد و بینا ہے تو
تجھ میں تبدیلی نہیں ہے تو ہے یکساں دائما

عالم جبروت میں گرچہ نہیں وہم خودی　　بے ثباتی سے مگر حصّہ نہیں ہے ذات کا
وہ ہے بیہوشی کا عالم تو سراپا علم ہے　　خواب غفلت ہو سکا ہے علم کا کب خاصّہ
جس طرح سے نور میں ظلمت کا امکاں تک نہیں　　علم میں غفلت بھلا ممکن ہے کب تو ہی بتا

دیکھ لی تو نے حقیقت عالم پندار کی　　آنے جانے والی یہ چیزیں نہیں ہیں دیر پا
ہو رہا ہے تجھکو جس جس چیز میں وہم خودی　　بے ثباتی اُس کی کہتی ہے نہ اس میں دل لگا
ایک تو بالذّات قائم اس تماشاگاہ میں　　دیکھتا ہے سب تماشے جوں کا توں بیٹھا ہوا
صورتیں بدلی ہوئی آتی ہیں تیرے سامنے　　ہے تماشا گاہ عالم میں تماشا ہو رہا
تو ہے ناظر تجھ میں تبدیلی نہیں ہے مطلقاً　　دیکھنے والے کو منظر سے زیان و سود کیا
جوہر ذاتی سے اپنے اِن عوارض کو نکال　　ذات تیری بے عوارض ٹھیرتی ہے بابقا
اس طرح سے ذات پر اپنی پہنچ تفتیش سے　　سینک کو جس طرح کر لے موچھ سے کوئی جُدا
لاتعیّن نطق ہے وہ بے تقیید علم ہے　　راحت بے مثل وبے اندازہ ؤلا انتہا
ہے نہ اُس میں کچھ تعین ہے نہ اسمیں کچھ خودی　　ایک بحر نور ہے وہ بے کدورت پُر صفا
ایک بحر نور ہے مبسوط عالم پہ محیط　　ایک بحر نور میں ہے جا گزیں ہر دوسرا
شور ہے کون و مکاں میں قل ہو اللہ احد　　کیا فقط تجھکو ہی بس ہنا خدا سے ہے جُدا

جو ہے عاقل اس کو کافی ہے اشارہ بالیقیں
پھر بس خاموش جو کہنا تھا وہ تو کہہ چکا

سائیں کی صدا

یہ دنیا جانے گزشتنی ہے سائیں کی ہے یہ صدا بابا
یاں جو ہے رو برفتنی ہے تو اس میں دل نہ لگا بابا

گیانی نہ رہے دھیانی نہ رہے جو جو تھے لاثانی نہ رہے
تھے آخر کو فانی نہ رہے فانی کو کہاں بقا بابا
تھے کیسے کیسے شاہ زمیں تھے کیسے کیسے محل نگیں
ہیں آج کہاں وہ مکان مکیں نہ نشاں رہا نہ پتا بابا
نہ وہ سور رہے نہ وہ بیر رہے نہ وہ شاہ رہے نہ وزیر رہے
نہ امیر رہے نہ فقیر رہے مولا کا نام رہا بابا

اے ہم سفران طریق عدم نہیں چھوڑے تم نے نشان قدم
گم گشتہ راہ فنا ہیں ہم کہو کوئی تو کیا ہے بقا بابا
جو چیز یہاں ہے فانی ہے جو شے ہے آنی جانی ہے
دنیا وہ رام کہانی ہے کچھ حال ہمیں نہ کھلا بابا
گزری یہ جہان گزراں ہے اور جنس عمل کی ارزاں ہے
پر نفع بھی یاں کا نقصاں ہے کچھ دیکھ کے کر سودا بابا
مال اعمال کو لاتے ہیں پھل ساتھ اپنے لے جاتے ہیں
جو دیتے ہیں سو پاتے ہیں ہے یوں ہی تار لگا بابا
آنے جانے کا ہے تار لگا دنیا ہے اک بازار لگا
دل اس میں نہ تو زنہار لگا کب نکلا وہ جو پھنسا بابا
یاں مرد وہی کہلاتے ہیں جو جا کر پھر نہیں آتے ہیں
جو آتے ہیں اور جاتے ہیں۔ وہ مرد نہیں اصلا بابا
کیوں عمر عبث تو نے کھوئی کچھ کرلے اب بھی خدا جوئی
میں کہتا ہوں تجھ سے یہاں کوئی نہ رہا نہ رہا نہ رہا بابا

تہ کرتہ کر بستر اپنا باندھ اُٹھ کر رخت سفر اپنا
دنیا کی سرا کو گھر اپنا تو نے ہے غلط سمجھا بابا
کیا گھوڑے بیچ کے سویا ہے کیا وقت رائگاں کھویا ہے
جو سویا ہے وہ رویا ہے کہتے ہیں مرد خدا بابا
وہ پیک اجل کا آتا ہے اور تجھے ساتھ لے جاتا ہے
سب جیتے جی کا ناتا ہے پھر کون یہاں تیرا بابا
جتنا یہ مال خزانہ ہے اور تو نے اپنا مانا ہے
سب چھوڑ کے یاں سے جانا ہے کرتا ہے اکٹھا کیا بابا

کیوں دل دولت میں لگایا ہے سچ کہتا ہوں جھوٹی مایا ہے
یہ چلتی پھرتی چھایا ہے کیا اعتبار اس کا بابا
دنیا کو نہ کہہ تو میری ہے غافل دنیا کب تیری ہے
سائیں کی جیسے پھیری ہے پھرتا ہے تو اس جا بابا
یہ ملک و مال یہ جاہ و حشم یہ خویش و اقارب جو ہیں بہم
سب جیتے جی کے ہیں ہمدم پھر چلنا ہے تنہا بابا

جو نیک کمائی کرتے ہیں جو سانسوں پار گزرتے ہیں
جو جیتے جی ہی مرتے ہیں جینا ہے بس اُن کا بابا
کیوں مہر یہ عالم نسیاں کا دنیا ہے سودا نقصاں کا
ہے ذوق تجھے تو عرفاں کا تجھ کو دنیا سے کیا بابا

زن کامل

عورت کھڑی ہے کون یہ اس طرح بے نقاب — جسکی ضیائے رخ ہے نظر کے لئے حجاب
رخ تک نگاہ کرکے جسارت نہ جا سکی — دیکھو تو اس کے حسن دلارا کا رعب داب
بھولے سے گر پہنچ بھی گئی ہے تو مضطرب — واپس پھری ہے دیدۂ گستاخ میں شتاب
آجائے دیکھتے ہی چکا چوند اس کا رخ — انساں تو چیز کیا ہے اگر دیکھے آفتاب
گورا بدن ہے اور بھبھوکا سا رنگ ہے — ایسا کہ اس سے مہر کرے نور اکتساب
اعضاء ہیں اس طرح متناسب کہ کچھ نہ پوچھ — پھر اس پہ لطف یہ کہ تناسب ہے لاجواب

ہے نور بے حساب کا مخزن نہیں جبیں — چرخ بریں سے دیکھ کے حیراں ہے ماہتاب
بل کھا کے بال پہنچے ہیں سر کے کمر تلک — کہتے ہیں اس کو گیسوئے مسلسل کا پیچ و تاب
رخسار پر ہے گیسوئے پیچاں کا حال یہ — چھایا ہو جس طرح شب مہتاب میں سحاب
ابرو نہیں کمانیں ہیں دو کامدیو کی — ہے دیر دیکھنے کی کہ دل میں ہے اضطراب

آنکھوں کو دیکھئے تو ہیں ساغر شراب کے — نرگس کو آئے آنکھ ملاتے ہوئے حجاب
کہنے کو یوں ہے آنکھ بھولے ہے وہ مگر — ہے چشمکوں میں گردش دوراں کا انقلاب
شوخی کبھی عیاں ہے نہاں ہے کبھی حیا — الطاف آشکار کبھی ہے کبھی عتاب
ہے خندہ و مزاح سے دم بھر میں تازگی — دم بھر میں آلکس سے ہے آلودگی خواب
اس کی نگاہ مست کی دیکھو تو شوخیاں — صوفی بھی بادہ کش کی طرح سے ہوئے خراب

وہ مصحف رخ اس کا کہ گر اس کو دیکھ کر — کافر کرے دعا تو ہو فوراً ہی مستجاب

رخسار کی صفا و نزاکت نہ پوچھئے ۔۔۔ ڈوبا ہے دیکھ کر عرق شرم میں گلاب
بیتی ہے یوں سے لعل کہ وہ چند ہو گئی ۔۔۔ خوبی سے اسکی چہرۂ زیبا کی آب و تاب
گلہائے تر ہیں گوش نہ کہنا کبھی انہیں ۔۔۔ اس کان حسن سے ہے دُرِ گوش کا خطاب

درج دہن ہے یا کہ سمندر ہے نور کا ۔۔۔ دُر ہیں نہیں جو اس کے ہے دنداں میں آب و تاب
لب وا ہوئے جو خندۂ دنداں نما ہیں کچھ ۔۔۔ سمجھا ہر ایک لطف کی وا ہو گئی کتاب
گوہر کلام کے بھی ہیں اس میں بھرے ہوئے ۔۔۔ جھڑتے ہیں منہ سے پھول وہ کرتی ہے جب خطاب
تقریر حسن کے آتا ہے سامع کو لطف خاص ۔۔۔ پیتا ہے جس طرح کوئی انگور کی شراب
پھر اس پہ یہ نزاکت آواز واہ واہ ۔۔۔ گویا کہ بج رہا ہے خوش آہنگ سا رباب

دیکھے جو لعل لب تو نہ پھر بھول کر کرے ۔۔۔ عزم سفر میں لعل بدخشاں سے پا تراب
سیب و سفید اسکی زنخنداں کہ ٹارے ہلے ۔۔۔ پایا کہاں ہے سیب نے یہ رنگ اور یہ آب
گردن نہیں صراحی بلور صاف ہے ۔۔۔ اس میں جھلکتے پان کی سرخی کی لاجواب
سینہ نہیں ہے اس کا سفینہ ہے نور کا ۔۔۔ پانی ہو جس کو دیکھ کے ہیرے کی آب و تاب
ماہی ہیں بحر حسن کی بازو کی مچھلیاں ۔۔۔ وہ دل ہے ان کا طعمہ کہ ہے عشق میں کباب
ہے ہے وہ اس کی نرم کلائی کی ناز کی ۔۔۔ ریشم بحال رشک سے کھاتا ہے پیچ و تاب
پنجے پہ اسکے پنجۂ مرجان کا ہے گماں ۔۔۔ انگشت سرخ لعل کی جاں کے لئے عذاب
ٹانگیں ہیں کاخ حسن کے نازک سے دوستوں ۔۔۔ صنعت ہوئی ہے صرف وہ ان میں نہیں حساب
وہ پاے ناز نیں ہیں کہ صبح و مسا پئیں ۔۔۔ دھو دھو کے حور اور فرشتے پئے ثواب

صورت تمام نور کے سانچے میں ہے ڈھلی ۔۔۔ سارا بدن ہے نسخۂ خوبی کا انتخاب

تاب و مجال کس کی کہ انگشت رکھ سکے | اس انتخاب میں نہیں اک حرف ناصواب
عالم ہے اس کا عالم تصویر کا تمام | وقت نظارہ محو ہیں حیرت میں شیخ و شاب
اس حسنِ دلفریب پہ زیور بھی چاہیئے | مضموں مگر یہ مطلع ثانی کا ہے جناب

مطلع ثانی

مانا کہ بحر و کاں میں ہیں لعل و درِ خوش آب | مانا بہت جواہر و زر میں ہے آب و تاب
لیکن وہ شے ہے حسن خدا داد ہمنشیں | زیور سے جسکی خوبیٔ بے مثل ہو خراب
انصاف چاہتا ہے تقاضا ہے عقل کا | ہو حسن لاجواب کا زیور بھی لاجواب
عورت کا زیبِ حسن ہے بس زیورِ حیا | جھومر رکھا اس کا سر پہ کہ ہے زینتِ شباب
سرتاج جیسی تو ہے حسینانِ دہر میں | سرتاج زیوروں میں اسی طرح ہے حجاب
ہیں برقع و نقاب تصنّع کی صورتیں | گر آنکھ میں حیا ہے تو ہے واقعی نقاب
جھومر حیا کا سر پہ ہو اور اس میں بے شمار | ہیرے جڑے ہوں دھرم پتنی برت کے خوش آب
دیکھے جو اس کو دیکھ کے بے ساختہ کہے | زیور ترا ہے زیورِ بے مثل و لاجواب

کانوں کو زیورات مرصّع نہیں ضرور | کیا ہے بیا جو معدن و دریا کا انتخاب
زیور بڑا یہی ہے کہ ہرگز نہ تو کرے | شیریں کلام غیر سے سننے کا ارتکاب
اپنے عزیز تجھ کو اگر سخت بھی کہیں | دے گوش دل میں اس کو جگہ جان کر ثواب
جو بات تیرے کان میں آئے وہ نیک ہو | ہو گوش زد نہ بھول کے بھی حرف ناصواب

لب اور دہن پہ تیرے کر نہ ملے زر او ر دُر | دہقانیوں کی طرح کہ ہے جان کو عذاب

زیور دہن کا یہ ہے کہ موتی جھڑا کریں | چھوٹے بڑے ہوں وقت سخن ان سے فیضیاب
شیریں کلامیوں پہ تری دل سے ہوں فدا | اطفال اور پیر و جواں جن سے ہو خطاب
تیرے سخن کو سن کے بدل جائے لطف سے | کتنا ہی کیوں نہ دل میں مخاطب کے ہو عتاب
شیریں کلام لب پہ ہو اور دل میں لطف ہو | سوچو تو زیوروں میں یہی دو ہیں انتخاب

تیرے گلے میں عصمت و عفت کے ہار ہوں | ایسے کہ تو لکھے بھی نہیں رشک سے کباب
سینہ ترا سفینۂ الفت بنا رہے | اسمیں نہ بغض و کیں کی ہو آتش کو التہاب
ایسی صفائے قلب کی ہو بلکہ روشنی | کرلیں ضیا ثوابت و سیارہ اکتساب
جوشن اگر ہوں خدمت شوہر کے زیب تن | بازو میں ان سے اور بھی طاقت ہو اور تاب
زیور ہے ہاتھ کا یہ کہ کام آئیں سب کے وہ | اور کام کا حساب ہو ہو سطے الحساب
اطفال خرد سال و پیران پختہ سال | محتاج ہیں مدد کے نہ کران سے اجتناب

زیبا نہیں ہیں جھانجھنیاں تیرے پاؤں میں | اے نازنیں نہ تو ہے کبوتر نہ ہے عقاب
پازیب وہ ہے پاؤں کو دے زیب واقعی | وہ زیب یہ حصول ہو چل پھر کے کچھ ثواب
چل پھر کے کر تو بیکس و محتاج کی مدد | ہارے تھکے کے بیٹھ کے تو ہاتھ پاؤں داب

زیور ہیں یہ ترے تجھے توفیق دے خدا | ان کو پہن کہ حسن کو ہو اور آب و تاب
عورت کی ذات خیر مجسم ہے دہر میں | اس کے ہوئے حق میں ہوا کون کامیاب
مظہر ہے فیض حق کا وہ گھر یہ جہاں رہے | جس جا ہے یہ خدا کا ہے احسان بے حساب
عورت پھر اس پہ وہ کہ ہم اس کی ذات میں | صورت کی خوبیاں بھی ہوں سیرت کے ہم رکاب
یہ ہے کمال صنعت رب کریم کا | اور وہ کمال جس کی نہ حد ہے نہ کچھ حساب

اس کو بنا کے صانعِ مطلق کو ناز ہے
اور کیوں نہ ہو کہ صنع ہے بے مثل ولاجواب

شایاں ہے دیکھ دیکھ کے چومے گر اپنے ہاتھ
صناع کون یوں ہوا صنعت میں کامیاب

اے مہتاب کلام کو کر مختصر کہ ہے
طولِ امل کی طرح سے طولِ سخن خراب

مردِ کامل

دیکھنا مرد کھڑا کون ہے یہ شیر صفت
شان مردی کی جسے کہیئے مُجسّم صورت

واہ کیا رعب برستا ہے بڑا چہرے سے
واہ کیا رخ سے نمایاں ہے جلال و صولت

آنکھ سے آنکھ ملاتے ہوئے جی ڈرتا ہے
کس بلا کی مترشح ہے نظر سے ہیبت

کوئی آنکھ اس سے ملا جائے نہیں تاب و مجال
آنکھ اٹھا کر اسے دیکھے یہ ہے کس کی ہمّت

دو بدو اُس سے مقابل ہو نہیں ہو سکتا
نہ بصارت میں یہ قوت نہ نظر میں طاقت

صحن گلزار میں جیسے ہو کھڑا سرو سہی
اس جواں کا ہے اُسی طرح کشیدہ قامت

اس کے سر سے ہے عیاں سرمدی سرداری
اور یہ قدِ کشیدہ پہ ہے سر کی حالت

جیسے میداں میں کھڑا ہو کوئی مینار بلند
اور مینار پہ ہو برج بزیب و زینت

صاف اس کی ہے جبیں اور بلند اور فراخ
غور و فکر اس میں نہاں اور عیاں ہے ہمّت

بل جو پڑتے ہیں خیالاتِ درونی سے کبھی
دیکھنے والے کو آتی ہے نظر یہ صورت

جس طرح منطقۂ معتدل کا ہو بحر
اس کی ہو سطح مصفّا بہت آئینہ صفت

گر اس بحر میں ناگاہ جو طوفاں آ جائے
موجیں اُٹھ اُٹھ کے دکھائیں یکدم شدت

دو کمانیں ہیں یہ نہیں ابروے پرخم اس کی　　دیکھنا چشم پہ ان دونوں کی موزونیت
کیا ہی محراب بنائی ہے کہ اللہ اللہ　　ہوگئی ہے رخ زیبا کی دوبالا شوکت

اس کی آنکھوں کی سفیدی سیاہی پتلی　　لال ڈوروں کی پھر ان میں وہ بلا کی رنگت
دیکھتا جب ہے کسی کو تو نگاہیں اس کی　　تیر یوں جاتی ہیں ہو تیر میں جیسے سرعت
دیکھنے والے کا دل لیں نہیں جب تک ٹٹول　　آنکھ میں مڑ کے کبھی وہ نہیں کرتیں رجعت
حال دل آنکھ سے ہوتا ہے نمایاں اکثر　　آنکھ سے ہوتی ہے انسان کی ظاہر خصلت
اس کی آنکھوں کو اگر غور سے دیکھے کوئی　　نظر آتا ہے عجب لطف عجب کیفیت
شان مردی ہے عیاں مرحمت لطف نہاں　　ان میں ہے برق غضب ان میں ہے ابر رحمت
دانش و عقل و فراست ہے برستی ان سے　　اور دونوں سے ٹپکتا ہے جلال و صولت
الغرض دل میں اٹھا کرتے ہیں جو جو جذبات　　سب کا مظہر ہے وہ آنکھوں کی بدلتی حالت
دیکھتا ہے انہیں جو دیکھ کے حیراں ہے وہ　　واہ رے شان خدا واہ رے تیری قدرت

مظہر زور ارادی ہے دہن کیا لب کیا　　دو لو کہتے ہیں کہ معیوب ہے خرق عادت
بات جو ہو گئی پھرنا نہیں اس سے شایاں　　قول جب دے چکے ٹلتے نہیں اہل ہمت
بات کرنے کو کسی وقت جو کھلتا ہے دہن　　قابل دید ہے اس وقت لبوں کی حرکت
ان میں شیرینی و الطاف ہیں مضمر اس طرح　　جس طرح پھول میں ہو مضمر و مخفی نکہت
بات جو منہ سے نکلتی ہے تُلی ہوتی ہے　　اس پہ انگشت رکھے کس کی مجال و طاقت
دل نشیں ہوتا ہے اس طرح مخاطب کے کلام　　جس طرح تیر نشانے پہ لگے بے منت

کیا جوانی ہے عیاں چہرۂ نورانی سے　　دیکھنا سبزۂ رخسار کی موزونیت

بائے ماہ کا ہوتا ہے یقیں بے شک و شبہ ۔۔۔ ویتی چہرے پہ ہے وہ ریش و بعدت زینت

اس کے شانے ہیں وہ پر زور کہ بیلوں کے ہوں ۔۔۔ شیر گر دیکھے تو ہو دیکھ کے اس کو حیرت
اور پھر اس پہ فراخی یہ کہ گر بار عظیم ۔۔۔ سلطنت کا بھی رکھا جائے نہ ہو کچھ زحمت

تا بزانو ہیں رسا طول میں دونو بازو ۔۔۔ نہیں بازو وہ کہ ہیں مخزن زور و قوت
مچھلیاں پھر گئی ہیں ورزش روزانہ سے ۔۔۔ گول ایسے ہیں نظر آئے خدا کی قدرت
نیلگوں اُن میں رگیں ابھری ہوئی اور طویل ۔۔۔ خون کرتا ہے بہت زور سے جن میں حرکت
رن میں تلوار دو دستی جو پھر لئے وہ کبھی ۔۔۔ صف الٹ دے وہ ہے بازو کا بل اور وہ طاقت
یکہ بھی ہوں فوج ظفر موج میں گر ایسے جواں ۔۔۔ رو نما جائے ہزیمت ہو ہمیشہ نصرت

سینہ اس کا ہے فراخ اور کشادہ اس طرح ۔۔۔ جس طرح صوفئے صافی کے ہو دل میں وسعت
دیکھنے والے سے ہے اس کی فراخی گویا ۔۔۔ دخل باقی نہیں یاں تنگدلی اور کلفت
بلکہ میں سینہ سپر ہو کے کروں جنگ اس سے ۔۔۔ گر عدو مرد مقابل ہو بعجب و نخوت
تین بل پیٹ میں پڑتے ہیں بہت خوش آئینہ ۔۔۔ بیٹھتا جبکہ ہے مسند پہ وہ والا رتبت

دو ستوں میں متحرک نہیں رانیں اُسکی ۔۔۔ کس نے رانوں میں بھلا دیکھی ہے یہ کیفیت
مچھلیاں ران کی ورزش سے ہیں لوہا لاٹ ۔۔۔ گوشت چٹکی میں نہ آئے جو کرو بھی ہمت
پاؤں لمبے ہیں بڑے اور بڑے ہیں مضبوط ۔۔۔ کیوں نہ ہو یہ ہیں ستونِ قصرِ بلند قامت
پائے مضبوط پہ ہے اس کو بھروسا ایسا ۔۔۔ کوس چالیس چلا جائے ابھی بے کلفت

الغرض شان ہے مردی کی جواں دیہ مرد
فرد ہے اس کا کروڑوں میں بدن او صورت

اس کو بیمار نہ ہونے کبھی دیکھا ہم نے
ایسی آئی نہ نظر ہم کو کسی کی صحت

نصف انسان ہے گر صورت و صحت او جسم
نصف دیگر ہے وہ شے نام ہے جسکا سیرت

چونکہ مضمون ہے سیرت کا جدا صورت سے
پھر پڑھ مطلع ثانی بھی کوئی پر شوکت

مطلع ثانی

اے کہ جامہ تجھے انسان کا ملا او خلعت
کرتہ دل سے تو شکر اۓ رب العزّت

رحمت حق نے بھرا ہے ترے سر میں دماغ
کہ اسے کہتے ہیں سب مخزنِ علم و حکمت

یہ ہے گنجینۂ عقل و خرد و فہم و تمیز
اس میں رہتی ہے تعقل کی ہر اک کیفیّت

تجھ کو لازم ہے یہی سوچ کے ہر کام کرے
سوچتے جو نہیں ہوتی ہے انہیں کو خفّت

فکر اوروں کا بھی لازم ہے تجھے اپنا بھی
اور ایسا کر رہے تجھ پہ خدا کی برکت

سوچ تدبیر وہ جس سے کہ ہو بہبودیٔ قوم
کر وہ تجویز کہ ہو ملک کو اس سے رفعت

تیرے ہمسائے تری رائے کے ممنون رہیں
تو ہو مشکور طبیعت وہ دکھائے جودت

دے ہر اک کام میں ہر شخص کو وہ نیک صلاح
مشورہ آن کے تجھ سے کریں اہل فطنت

وقت فرصت تجھے درکار ہے اپنا بھی فکر
دین و دنیا کے ہو بہبود کی جس میں صورت

یاد رکھ لازمۂ جسم ہے یاں فکر معاش
دل کو مفلس کے نہیں ہوتی کبھی جمعیت

ہے معیشت کی طرح فرض اہم فکر معاد
کیونکہ ہے ایک دن اس دار فنا سے رحلت

آ کے دنیا میں جو بندہ ہے فقط دنیا کا
اس پہ نازل نہیں ہوتی ہے خدا کی رحمت

سوچ یہ کون ہوں میں کس لئے یاں آیا ہوں
اور اس فکر میں ایسی ہو تجھے محویّت

دل سے ہٹ جائے ترے واہمۂ کثرت سے
یعنی کثرت میں نظر آئے خدا کی وحدت

تو اگر غور کرے تو ہے یہی کار دماغ
اس سے بڑھ کر نہیں دنیا میں مودِ حکمت

کام یہ تیری جبیں کا ہے نہ بل آئے کبھی
شکن و چیں سے مکدر نہ جبیں ہرگز ہو
ہو نہ تو ناصیہ سا جا کے کسی کے در پر
بات سہ لینے کی تجھ میں ہو وہ خوشتر عادت
دل پہ طاری بھی ہو گر غیظ غضب کی حالت
سجدہ مخصوص ہے اے شخص برب العزّت

آنکھ کا کام ہے یہ دیکھئے ہنر کو ہر دم
بھول کر بھی نہ زنِ غیر پہ ہو تیری نظر
دیکھ آنکھوں سے خدائی میں خدا کے جلوے
عیب بینی سے رہے اس کو ہمیشہ نفرت
آنکھ وہ کور بھلی جس میں ہو یہ بد عادت
دیکھ آنکھوں سے ہر اک شے میں خدا کی قدرت

کان کا کام ہے یہ نیک نصیحت کو سنے
جا تو ست سنگ میں اور رام کتھا جا کے سن
جا تو مجلس میں مقالات تصوّف کو سن
یہ تو سنا تھا نہ سے کی بھی کچھ باتیں ہیں
تا ل ں پہ ہو نص اور عمل سے عادت
دھار اس طرح پڑے کان میں جیسے امرت
جنکے سننے سے اٹھے پردۂ جہل و غفلت
سن نہ بھولے سے بھی غمازی و عیب و غیبت

منہ کا ہے کام سخن ہائے عذوبت آگیں
سخن تلخ نہیں زیبِ دہانِ شیریں
تیری باتیں ہوں متین اور نہایت پُر مغز
تہمتِ تازہ نہ دھر سر پہ کسی کے اے دوست
جو کہ جتے ہیں ہنستے ہیں وہ کم یاد رہے
جن کے سننے سے ہو سامع کو علو و فرحت
دہن مارے ہے وہ جس میں رہے سمیت
پوچ و بیہودہ سخن کی نہیں قدر و قیمت
ترک کر غیبت و غمازی و عجب و نخوت
تو بھی کم گوئی کو کر اپنا شعار و عادت

کام ہے یہ تری گردن کا نہ زنہار جھکے | اور جھکے بھی تو پئے طاعت رب العزت
سامنے ہر کس و ناکس کے نہ خم کر اس کو | کبھی مت بھول [illegible]ے ہاتھ ہے تیری عزت
سر تسلیم جو خم کرتے ہیں سب کے آگے | انہیں نامرد سمجھ ان پہ خدا کی لعنت

تیرے شانوں کی فراخی کا ہے یہ کام کہ وہ | بار دنیا جو اُٹھائیں تو نہ ہو کچھ زحمت
نہ کرے بار عزیزاں کو گراں دل محسوس | نہ ہو معلوم تجھے زحمت و رنج و کلفت
اپنے ان شانوں پہ رکھ خویش و اقارب کا بوجھ | اپنے ان شانوں پہ رکھ غیر کا بار نکبت

تیرا سینہ وہ سفینہ ہو صفا کا اے دوست | کہ کرے رشک دل صوفئ صافی طینت
سینہ اچھا ہے وہ جس میں نہ ہو کینے کا نشاں | سینہ اچھا ہے وہ جس میں کہ ہو نور وحدت
تیرے سینے میں کبھی تنگدلی پائے نہ جا | بلکہ اس سے ہو خجل بحر رواں کی وسعت

تیرے بازو کی درازی کا ہے یہ کام کہ وہ | دستگیری کرے مسکیں کی جو ہو بے طاقت
ظلم ہاتھوں سے ہر اک ظالم و جبار کا روک | دفع کر جبر ستمگار بقدر وسعت
قید ظالم سے چھڑا بے بس و بیکس کو سدا | اے کہ بازو ہیں ترے بازوئے فتح و نصرت

کام ہے یہ تری ٹانگوں کا کہ تو چل پھر کر | اہل حاجت کی مدد میں کرے صرف ہمت
انہیں ٹانگوں سے چل اور صحبت نیکاں میں جا | صاف دل تجھ کو بنائیں گے وہ اور خوش نیت
پاؤں اچھا ہے وہ ست سنگ میں جائیں جس سے | اور اُٹھائیں وہاں کچھ بیٹھ کے لطف صحبت

شان مردی کی نمایاں ہے تری صورت سے | یہی مردانگی لازم ہے دکھائے سیرت

روح کا جسم سے اُس وقت ہے رشتہ اچھا
جبکہ دونوں میں ہو یکسانی و موزونیت

دیکھ کر ایسے ہی مردوں کو ہر اک کہتا ہے
یہ نہیں مردِ خدا کی ہیں مجسم قدرت

ایسے مردوں سے ہو معمورۂ دنیا آباد
حضرت مہر کی حق سے ہے دعا ہر ساعت

لطفِ موسیقی

اے راگ تجھ سے پاتی ہے تسکین جانِ زار
اے راگ تو ہے مرہمِ زخمِ دلِ فگار

تجھ کو غذائے روح بتاتے ہیں نکتہ سنج
تو ہے برائے طبعِ حزیں قوت و قرار

دستِ قضا نے سوز بھرا تجھ میں کوٹ کر
جس دل کو تجھ سے ساز ہے جلتا ہے شمع وار

شعلہ ہے دل میں آگ لگانے کے واسطے
خلقت ہے تیری آگ سے سر میں ترے شرار

ساتوں عجائبات میں تیرے ہی سات تھے
کیسی عجائبات عمارات روزگار

اعجوبۂ زمانہ ہے دنیا میں ایک تو
تخصیصِ ملک ہے نہ خصوصیتِ دیار

شیرینیاں وہ تجھ میں ہیں قربان تجھ پہ دل
رنگینیاں وہ تجھ میں ہیں ہو دل سے جاں نثار

جادو بھرا ہوا ہے صدا میں تری مگر
ہر ذرہ بحیات ہے جو ترا اس طرح نتکار

طاؤس رقص کرتا ہے تیرے سرود پر
رم بھولتا ہے سُن کے تجھے آہوئے تتار

ماہی کو کھینچتی ہے کشش تیری آب سے
تیرے سُروں کو سُن کے اُٹھاتا ہے پھن کمار

انساں کا دل ہے تجھ پہ یہاں تک فریفتہ
مصروفیت ہو کیسی ہی کیسا ہی کاروبار

بے اختیار بھاگتا ہے سب کو چھوڑ کر
جب گوش زد ہوئی تری آواز خوشگوار

دلدادہ تیری حور ہے تجھ پہ فدا ملک
کروبیاں ہیں تجھ پہ دل و جاں سے نثار

واللہ تو ہے نعمت عظمیٰ بہشت میں | واں گرچہ نعمتوں کی نہ حد ہے نہ کچھ شمار
یہ انتہا ہے گر تیری مدح و ثنا کی ہے | تجھ سے خدا بھی خوش ہے ہے اور وہ کنار
تو جزو ہے عبادت پروردگار کا | تو لازمہ ہے بہرِ حضور سرِ کہ دگار
آغاز تجھ سے کرتے ہیں انجام تجھ پہ ہے | ہے مذہبوں میں اہل عبادت کا یہ شعار

تو دلپسند مذہب مات ہے، اس لئے | ہوتا ہے دور تجھ سے طبیعت کا انتشار
دیتا ہے تیرا فیض خیالات کو علو | آتا ہے تجھ کو سن کے دلِ زار میں قرار
حمدِ خدائے پاک میں تو ڈالتا ہے روح | ہوتی ہے تیرے دم سے مناجات زوردار
حیرت ہے تیرے حال پہ اربابِ قال کو | اربابِ حال قال پہ تیرے ہیں دل فگار
سُن سُن کے تجھ کو دیکھتے ہیں سر صوفیانِ مست | سُن سُن کے تجھ کو وجد میں آتے ہیں ہوشیار
اونچی جگہ چڑھاتے ہیں بچے کو جس طرح | انگلی پکڑ کے تاکہ نہ دقت ہو دوبکار
روحِ بشر کو دیکے سہارا اسی طرح | تو بھی بلند کرتا ہے اسے راگ ایکبار
یاں تک کہ اوجِ عشقِ حقیقی پہ چڑھ کے وہ | ہوتی ہے جا کے شاہدِ اصلی سے ہم کنار
اینشر کو شرمیں دیکھتے ہیں صاحبِ نظر | سُنتے ہیں شب برہم کو جو یائے وصلِ یار

میرے بھی کان ہیں تری لذت سے آشنا | میں بھی ہزار جان سے تیرا ہوں خواستگار
محفل میں تو ہے زینتِ محفل مرے لئے | عزلت میں تو ہے میرے لئے یارِ غمگسار
ہوتا ہے جبکہ دل پہ ہجوم تفکرات | ہوتا ہے جبکہ ان سے طبیعت کو اضطرار
دنیا سے اور اس کے بکھیڑوں سے بھاگ کر | لے بیٹھتا ہوں گوشۂ عزلت میں میں ستار
جب مل گئے سُر اس کے تو گویا خدا ملا | آتی ہے کان میں وہ صدائے شگفتہ کار
معلوم مجھ کو ہوتا ہے گھر سُر سے بھر گیا | دیوار و سقف و در مترنم ہیں بار بار

اٹھا ہوا ہے راگ کا دریائے بیکراں — جس کی کہیں نہ حد ہے نہ جس کا کہیں کنار
بحرِ سرور دسور ہے ہر سمت موجزن — اٹھتی ہیں اس میں زور سے امواج بے شمار
ہوتی ہے اس طرح دلِ مضطر کو بیخودی — دنیا نہیں نظر میں کوئی چیز زینہار
اب جو نہ چھیڑئیے کہ کوئی گت بجائیے — دونوں میں لطف خاص ہے بہرِ دلِ فگار

مجھکو بھی تو بتا کہ میں قربان جاؤں میں — آواز کس کی تو نے اڑائی ہے اے ستار
باجے کو کب نصیب ہے یہ لحنِ خوش ادا — کب چھیڑنے سے یوں مترنم ہوئے ہیں تار
پردہ نشیں سرا پسِ پردہ ہے جاگزیں — پردوں سے اس کی آتی ہے آوازِ خوشگوار
سودائی جس طرح سے ہے تو نے صدائے دوست — دکھلا کبھی دے مجھے کبھی ظالم جمالِ یار
مضموں نتیجہ خیز ہے مطلع لکھ اور مہر — فکرِ رسا ہے کانِ مضامینِ آبدار

مطلعِ ثانی

کچھ کچھ سحر کا نور ہے مشرق میں آشکار — نکلا مگر نہیں ابھی خاور کا تاجدار
کیا وقت خوش ہے دل میں ہے تسکین اور سکوں — کیا دلفزا سماں ہے مسکن ہے جاں نثار
چھیڑا ہے اپنی راگنیوں کو طیور نے — مستی سے جھومتے ہیں درختانِ باردار
دیکھو جدھر ادھر نظر آتی ہے تازگی — بادِ سحر کے دم سے ہے ہر چیز مشکبار
بھیرو اور اس کی راگنیوں کا سماں ہے یہ — سن تو سہی سروں میں ہے کیا لطف کیا بہار
محسوس ہو رہا ہے دلِ دردمند کو — بن ہے اور اس میں بیٹھے ہیں مرتاض بے شمار
آپس میں کر رہے ہیں ریاضت کی بات چیت — ہے گیان اور دھیان کی تقریر خوشگوار
کانوں میں ان کی آتی ہے آوازِ دلنواز — اور وہ لطیف رس کہ ہو امرت کی جیسے دھار

مجھ کو پسند تیری ادائیں ہیں اے پرج
خوابِ گراں سے آنکھ ہے تیری ابھی کھلی
کچھ لحنِ منحنی و حزیں سے بسوز دل
ٹوڑی کے ہے سروں میں شکایت بھری ہوئی
کیا صوفیانہ رنگ ہے ان سب کا واہ واہ
منڈلی بڑی ہے جوگی و جوگن بہت ہیں یاں

جوگن ہے تو کوئی اسی منڈلی کی سوگوار
آواز اور آنکھ میں ہے نیند کا خمار
منڈلی میں آکے ہوتی ہے تو بھی لاچار
گویا کسی کے ہجر سے دل اسکا ہے فگار
سنتا ہوں اور سر کو میں دھنتا ہوں بار بار
میں بس انہیں کے ذکر پہ کرتا ہوں اختصار

یہ رنگ تھا کچھ اور ہی اب لیجے دوسرا
گلشن میں دے کے فوج خزاں کو شکست فاش
پتے نئے نکلتے ہیں پودوں میں سرخ و سبز
جس طرح پھوٹتی ہے بنوں میں بنس پتی
ایّام ہیں مسرّت و مستی و جوش کے
رکھتا ہے لطف خاص ہر اک راگ جبکہ وہ
بندھتا ہے اسکو صبح کے سماں وصل میں اس طرح
وہ کھیل وہ امنگ وہ چہلیں وہ چھیڑ چھاڑ

اے راگ تو ہے تازہ خیال و تازہ کار
کرتا ہے جبکہ اپنا عمل لشکر بہار
کپڑے نئے بدلتے ہیں اشجار کوہسار
اٹھتی ہیں اب دلوں میں امنگیں بھی
ہنڈول سن بسنت کو سن اور سن بہار
ہولی کے رنگ خاص سے ہوتا ہے رنگدار
گویا نظر کے سامنے ہے برج کی بہار
پھر اس پہ راگ کی وہ صدائے خوشگوار

موسم ہے برشگال کا اس سے بھی مست تر
آتی ہے بار بار گھٹا جھوم جھوم کے
باراں جھڑی ہے رحمت باری کی اشک ریز
قدرت میں جبکہ چار طرف ہو شگفتگی
رت ایسی دل فزا ہے کہ کرتا ہے جوش دل

بادل ہوا پہ دوڑتے ہیں مست و بے قرار
ابر سیاہ ہوتا ہے جھک جھک کے قطرہ بار
بشگفتہ اس سے ہوتے ہیں میدان و کوہسار
انسان کا دل بھی کیوں نہ شگفتہ ہو غنچہ وار
بے اختیار راگ کی صورت کو اختیار

موسم کی چیز رکھتی ہے موسم میں لطف خاص
وہ چیز مجھ سے پوچھو تو ہے میگھ اور ملار

کیا مست سُر ہیں سُن تو ذرا کان کھول کر
ہشیار جن سے مست ہوں اور مست ہوشیار

شیرینیاں ہیں وہ کہ بہت ہو پسند ہیں
رنگینیاں ہیں وہ کہ نہایت ہیں خوشگوار

سُر کی کشش کو دیکھنا جھولے کی پینگ میں
واللہ کیا چڑھاؤ ہے واللہ کیا اُتار

سورٹھ میں اور دیس میں کچھ لطف خاص ہے
میٹھی نہیں ہے ان سے کوئی چیز زینہار

غربت میں گوش زد ہوں تو کیا کیا وطن کی یاد
کرتی ہے گدگدی سی طبیعت میں بار بار

نٹ اور گونڈ میں بھی ہیں شیرینیاں بہت
اس وقت خاص کر کہ ملی ان سے ہو ملار

خالص اگر ہے راگ تو خالص ہے لطف بھی
جب دو سُر ملا تو مضاعف ہے پھر بہار

گونڈ اور ملار جب ہوں بہم شیر اور شکر
دل کی مجال کیا ہے کہ ان کا نہ ہو شکار

ہیں مست دن ڈھلے کے بھی سب راگنی
سچ پوچھئے تو ان پہ دُھنوں کو ہے افتخار

بروے کی دھن ہے یا کہ ہے پیلو کا رنگ خاص
لگتے ہیں دل میں تیر کی مانند ایک بار

چلتے ہیں جھومتی ہوئی کیا چال واہ واہ
رنگینیاں ہیں چال کی کس درجہ خوشگوار

تانوں میں ہے بلا کی نزاکت بھری ہوئی
نیرنگیاں پھر ایسی کہ ممکن نہیں شمار

آتے ہیں کس طرح سے ڈھلکتے تمام سُر
گویا کسی نگار کا ہے موتیوں کا ہار

دن ختم جب ہوا تو شروع کھاچ ہے
دل اور جان جس کی عذوبت پہ ہے نثار

بھرتا نہیں ہے چونکہ دل اس کی ٹھلس سے
راگ اور راگنی میں ملاتے ہیں بار بار

مجھ کو پسند رات کی چیزیں بھی ہیں بہت
رنگوں میں ان کے رنگ متانت ہے آشکار

ایمن ہمیر شام کدارا و کلیان
حیرت میں ہوں کہ کس کو دیا جائے افتخار

گمبھیر سُر ہیں اور حسین چال ڈھال ہے
وہ چال ڈھال جس سے طبیعت ہو استوار

ڈھرپد سُن ان میں معرفت و عشقِ یار کے
پھر دیکھ دل میں آتا ہے کس طرح سے قرار

پنچم پہ آکے ان کا وہ ٹھہراؤ ہائے ہائے
ہے ہے وہ ان کی ٹیپ کھب اور گاندھار

ہے کانھڑوں میں بھی وہ حرارت بھری ہوئی
سامع کے کان کے لئے سُر اُن کے ہیں شرار

ہے کس بلا کا جوش کہ دل کو ہلا دیا
سُن سُن کے ان کو مست بھی ہوتے ہیں ہوشیار

درباری کانھڑوں کا ہے سرتاج اس طرح
درباریوں میں جیسے شہنشاہ تاجدار

شان اس کی لاجواب ہے شوکت غضب کی ہے
زیبا ہے یہ کہ اس کو کہیں شاہ و شہریار

میں بھولتا نہیں کبھی سُر تیرے اے بہاگ
آواز میں ہے تیری بھرا نیند کا خمار

آدھی ڈھلی مگر نہیں جھپکی ہے تیری آنکھ
مجھ کو بھی تو بتا تجھے کس کا ہے انتظار

آواز دل گداز شکایت سے ہے بھری
اور اس میں سوز وہ کہ ہے سامع کا دل فگار

میری طرح تجھے بھی لگن ہے لگی ہوئی
میری طرح تجھے بھی ستاتا ہے ہجر یار

دل شاد رکھ کہ عشق کا اچھا مآل ہے
انجام میں ہے رحمت و فیضان کردگار

ڈھونڈھا ہے جس نے اس نے ہے پایا بھی بالیقیں
دیدار کا ہے اپنی ہی کوشش پہ انحصار

خالص ہو شوق تو نہیں رہبر کی احتیاج
ہے شوق آپ راہبر کوئے دوستدار

پر شرط ہے کہ آگ ہو دل میں لگی ہوئی
وہ آگ شوق کی کہ بنے اس سے دل چنار

اے راگ تو وہ آگ لگاتا جگر میں ہے
اے راگ آگ تجھ سے ہی ہوتی ہے استوار

شعلہ ہے دل میں آگ لگانے کے واسطے
بھرتا ہے تو ہی آہ شرر بار میں شرار

دستِ قضا نے سوز بھرا تجھ میں کوٹ کر
کیونکر نہ تجھ سے میری طبیعت ہو سازگار

عرفاں کا مجھ کو شوق ہے اور معرفت سے عشق
میں بھی ہزار جاں سے ہوں جویائے وصلِ یار

دلچسپ ہے بہت تری راہ خدا رسی
کرتے ہیں اس لئے تجھے عشاق اختیار

حاصل ہو تیرے فیض سے مجھ کو صفائے قلب
اس بات کا ہے تجھ سے دل مہر خواستگار

تدریج

مجھ کو اے تدریج دے توفیق ربِ ذوالجلال
تو نہ ہو تو ہو رسائی کس کی تا بامِ کمال

حضرت انساں کا ہے یہ طبعی خاصہ
ہوتی ہے سعی مسلسل جان اور دل کو وبال

کام اٹھاتا ہے بہت لمبے مگر ہوتے نہیں
صبح کو کچھ اور ہے اور شام کو کچھ اور حال

دن کی امیدیں لگا جاتی ہیں شب کو یاس سے
صبح ہو جاتے ہیں شب کے ارادے پائمال

نکتہ مضمر ہے ناکامی میں گر دیکھو یہی
طبع انسانی کو استقلال میں ہے قیل و قال

یوں اٹھانے کو اٹھاتا ہے ہر اک کارِ اہم
کام ہے مردان کاری کا موانع کی سنبھال

جس طرح سے کوئی بادل اٹھ کے سطحِ بحر سے
جائے اوج باد پر دوڑا پرندے کی مثال

اور اس کی راہ میں سدِ سکندر کی طرح
آسمان تک سر کشیدہ کوئی آجائے جبال

چوٹیوں سے ہو دوامی برف اور بیلوں کی طرح
ٹکریں مارے کریاں آئے تو تیری کیا مجال

پیش جائے کچھ نہ بادل کی تو وہ رونے لگے
اور دریا سا بہا دیں اشکہائے انفعال

یوں ہی انساں کے لئے ہے ہر رکاوٹ سدِّ راہ
دفع کرنا جسکا ہمت کی نظر میں ہے محال

کام اٹھا کر یوں اٹھاتا ہے خجالت آدمی
کام اٹھا کر یوں ہوا کرتا ہے اسکو انفعال

ناامیدی توڑتی ہے جبکہ ہمت کی کمر
تو ہے اے تدریج اس دم مومیائی کی مثال

ڈالتی ہے زور تو اس کے ارادوں میں کبھی
اور کبھی دیتی دلِ افسردہ کو ہے اشتعال

یاں تلک گر کر سنبھل جاتا ہے وہ بھی اسطرح
دوڑ میں جس طرح ٹھوکر کھا کے طفلِ خورد سال

تو ہے اے تدریج وہ زینہ ترا ہر اک قدم / ہے ترقی کا قدم بے شک ترے اوجِ کمال

کون کوٹھے پر چڑھا اک دو قلانچیں مار کر / دو چھلانگوں میں کرے میدان طے کس کی مجال

مار کر دو ہاتھ دریا سے کیا کس نے عبور / کون چوٹی پر چڑھا ہے اُڑ کے طائر کی مثال

شاق ہے سعیِ مسلسل کوشش پیہم ہے شاق / کیا کریں لیکن کہ رستہ ہے یہی اے نیک فال

جسکا جلدی نام ہے وہ کام ہے شیطان کا / اسکی جولانگاہ ہے جائے عمل خواب و خیال

دوڑ کر چلتے ہیں جو گرتے ہیں منہ کے بل وہی / وہ نہیں گرتے کبھی جن کی متین چال ڈھال

کوہ و دریا و زمین و شہر و گلزار و مکاں / ایک دن میں کب کھڑے بن کر ہوئے اے خوش خصال

ان کے بننے میں ہوئی ہیں خرچ عمریں بے حساب / ان کے بننے میں ہوئے ہیں صرف بے اندازہ سال

جب کہیں جا کر نظر آئی ہیں ان کی صورتیں / جب کہیں جا کر ہے دیکھا آنکھ نے ان کا جمال

گوشِ دل میں دے جگہ میرے سخن کو اے عزیز / آبِ زر سے لکھ رکھ اس نکتے کو اے فرخندہ فال

کام تو کہتا ہے جس کو در حقیقت ہے وہ بام / اس پہ چڑھنا ہے تو کر اک اک قدم کی دیکھ بھال

رکھ قدم پہلا جما کر دوسرے کو پھر اُٹھا / یوں ہی چڑھ جاوے تجھے توفیق ربِّ ذو الجلال

زیر و بالا دیکھنا ہرگز تجھے شایاں نہیں / فکر ماضی اور مستقبل کا دے دل سے نکال

تجھکو کیا لینا ہے ماضی اور استقبال سے / کام تجھ کو حال سے ہے کام کی ہے چیز حال

حال کا ہی فکر تیری طبع پہ حاوی رہے / حال کی رکھ دل میں آسانی و دقت کا خیال

حال استقبال کا پہلا قدم ہے یاد رکھ / حال استقبال کو لیتا ہے دم بھر میں سنبھال

میں نے مانا یہ کہ منزل ہے بہت دور و دراز / میں نے مانا یہ کہ اونچا ہے بہت بامِ کمال

تو نے اس منزل میں گر پہلا اٹھایا ہے قدم / تجھکو اس زینے پہ چڑھنے کا گر آیا ہے خیال

میں تہِ دل سے تجھے دیتا مبارکباد ہوں / تیری ہمت کو بڑھائے فیضِ ربِّ ذو الجلال

اہلِ تصنیف اہلِ فن اہلِ ہنر اور اہلِ علم | اہلِ زر اور اہلِ ایجاد اہلِ حال اور اہلِ قال
الغرض فن پر نظر کیجے کہ لیجے علم کو | دہر میں جو جو ہوئے جس جس جگہ اہلِ کمال
غور سے دیکھو تو سب کا تھا یہی پہلا قدم | جو قدم پہلا رکھا ہے تو نے اے فرخندہ فال
گو قدم تو نے بڑھایا ایک ہی سے کیا ہوا | ایک میں ہے دوسرے اور تیسرے کا اشتمال
یوں ہی ہو جاتی ہے طے منزل اگر دو روزہ | یوں ہی بڑھ جاتے ہیں اونچے گرچہ ہوں کوہ و جبال
ہاں چلا چل دے تجھے توفیق رب العالمین | ہاں چڑھے جا نے نظر کے سامنے بامِ کمال
تیری ہمت میں ترقی روز افزوں دے خدا | حوصلہ تیرا نہ دیکھے بھول کر روئے زوال
یہ نتیجہ ہوگا اس سعیِ مسلسل کا کبھی | بار لائیگا امیدوں کا تری تازہ نہال

جس طرح سے پا رہا ہے کارِ دنیا انصرام | ہے یہی راہِ خدا کا بھی اگر دیکھو تو حال
معرفت اور عشق میں جس نے رکھا پہلا قدم | ایک قدم نزدیک تر ہے اس سے ربِّ ذو الجلال
اس نے دنیا کے قدم پیچھے ہٹی اور دو بڑھا | اس طریقِ پُر خطر میں جس میں چلنا ہے محال
رفتہ رفتہ مرحلہ ہو جائیگا طے قال کا | رفتہ رفتہ رو نما ہوگا کبھی خورشیدِ حال

پھر بھی تب یا الٰہی سالکِ راہِ سلوک | اس کو دنیا اور دنیا کے بکھیڑے ہیں وبال
طالبِ دنیا نہیں وہ بلکہ تیری ذات سے | آرزو دیدار کی ہے ہے یہی اس کا سوال
جس طرح صائم ہلالِ عید کا ہو منتظر | وہ ہے تیرا طالبِ دیدار و خواہانِ وصال
مدتوں سے ہے یہی کوشش کہ اسکو تو ملے | ذکر تیرا لب پہ ہے اور دل میں تیرا ہے خیال
تیری رحمت کو کہا ہے بحرِ ناپیدا کنار | تیری رحمت کے لئے کوئی نہیں امرِ محال
اپنی رحمت سے اسے دیدار سے کر بہرہ ور | اپنے رحم و فضل سے اسکو دکھا اپنا جمال

جس نے ڈھونڈھا پھر پایا بھی ہے اس نے یقین

سعیِ تدبیر کئے جا اسکا اچھا ہے مآل

سپاس نعمت

ہمدم تجھے گر حق نے دیا مال فراواں | لازم ہے کرے تو بھی سپاس شہ شاہاں
یہ شکر نہیں ہے کہ فقط منہ سے کہے تُو | اللہ ترا شکر ہے اور منّت و احساں
سچ کہتا ہوں سچّا ہے وہی شکر کہ جس میں | دل اور زباں اور عمل تینوں ہوں یکساں

دل کا ہے یہی شکر یہ دل سے ہو خواہش | پہنچے نہ مرے ہاتھ سے حقدار کو نقصاں
اوروں کا بھی ساجھا ہے کمائی میں ہماری | ہم آپ ہی کھالیں تو بہت سخت ہے عصیاں
ہو دل سے ہر اک شخص کی امداد میں ساعی | رہ دل سے ہر اک شخص کی بہبود کا خواہاں
ہر دم ہو یہی فکر کروں فیض رسانی | جس طرح کہ مجھ پر مرے خالق کا ہے فیضاں
یہ دل کا ہے شکر اور نہ دل سے اگر ہو | مقبول ہے دربار گہ حضرت سبحاں

اب شکرِ دوم لیجے کہ ہے شکرِ زباں وہ | یہ شکر ہے وہ جس سے زباں ہو گُہر افشاں
سائل جو سوال آکے کرے تجھ سے بزاری | دے اُس کو دلاسا تری مشکل ہوئی آساں
محتاج کو کچھ دے تو زباں پر ہوں وہ الفاظ | محسوس نہ ہو اُس کو گرانباریٔ احساں
کرتے نہیں اربابِ کرم سخت کلامی | دے کر نہیں لیتے ہیں گداز دل بریاں
احسان جتانے سے نہ دینا ہے بہت خوب | یُوں اپنے کئے کو نہ مٹا سوچ تو ناداں
اس نکتۂ باریک کو بھی دل میں نگہ رکھ | بلبل ہے زباں اور کرم ہے چمنستاں
بلبل کی صدا چاہیے گلشن میں سُریلی | بلبل ہے وہی جو ہے خوش الحان و غزلخواں
زاغ و زغن و بوم نہ تُو پال دہن میں | ارباب کرم کو نہ یہ زیبا ہے نہ شایاں

محتاج سے شیریں ہو کلام اہلِ کرم کا | یہ شکر زباں کا ہے نہ الفاظ زباندان

ہاں شکرِ دل و شکرِ زباں دونو ہیں بے سود | جب تک نہ عمل میں ہو اثر ان کا نمایاں
دولت کی ہے گر شکرگزاری تو عمل سے | بات اور خیالات ہیں دونو بہت آساں
دولت وہی اچھی ہے کہ جو کام میں آئے | بیکار ہے وہ زر نہ کرے خرچ جو انساں
گر خشتِ گل خشتِ زر و سیم کی جا ہیں | صندوقِ مقفّل میں تو کیا فرق ہے ناداں
محفوظ جگہ دونوں ہیں بیکار و معطل | محفوظ جگہ دونو نگاہوں سے ہیں پنہاں
ہاں وقت جب آئیگا تو کام آئیگی دولت | رہتا ہے بُرے وقت سے دل تیرا ہراساں
اوروں کے بُرے وقت کا جب تو نہیں ساتھی | اے شخص ترا وقت پہ اللہ نگہباں
دولت وہی اچھی ہے وہی مال ہے اچھا | جس سے کہ ہو مشکل کسی محتاج کی آساں
اچھا ہے وہ زر کام میں جو آئے کسی کے | بیکار پڑے رہنے میں ہے خطرۂ نقصاں
سڑ جاتے ہیں پھل گر نہ درختوں سے اتاریں | کملاتے ہیں پھول ان کا نہ ہو گر کوئی خواہاں
جاری نہیں جو آب عفونت ہے اسی میں | کرتے ہیں گریز اس سے بہائم ہوں کہ انساں

دولت تری اے شخص ودیعت ہے خدا کی | کر غبن نہ اس میں کہ بہت سخت ہے عصیاں
جو دیتے ہیں وہ چند کے وہ ہوتے ہیں حقدار | جو دیتے ہیں دیتا ہے اُنہیں حضرت رحماں
محتاج کو دے گر تجھے توفیق خدا دے | حقدار کو حق بخش تجھے رحمت یزداں
یہ شکر ہے وہ جس کا تعلق ہے عمل سے | اس شکر کا ہے سب سے فزوں رتبہ و شاں
حقدار بہت ہیں تری امداد کے ہمدم | لیکن یہ مرے مطلع ثانی کا ہے عنواں

مطلع ثانی

زر قبلۂ حاجات ہے سمجھے اگر انساں | یہ شے ہے وہ جس سے کہ ہو مشکل ہر اک آساں
لے صاحبِ زر آ تجھے اک بات بتاؤں | زر تیرا ہے مرہم پئے زخمِ دلِ سوزاں
محتاج کے نالے بھی کبھی تو نے سنے ہیں | مفلس کا بھی دیکھا ہے کبھی سینۂ بریاں

وہ دیکھ کہ اک گھر پہ غضب ٹوٹ پڑا ہے | نو عمر ہیں بچے وہاں اور پردہ نشیں ماں
اک پیرِ کہن سال ہے اور ایک ضعیفہ | اک بیوۂ بدبخت ہے با حالِ پریشاں
جس شخص سے وابستہ تھا ان سب کا گزارا | دو دن ہوئے اس نے ملک الموت کو دی جاں
پہلے ہی گزر ہوتا تھا ان سب کا بعسرت | اندوختہ اب پاس ہے کچھ اور نہ ساماں
ہے یاس کا عالم کہ بھرے گھر پہ ہے طاری | چہروں سے عیاں ہے الم و حسرت و حرماں
تو ان کی مدد کر کہ ضرورت ہے مدد کی | موقع ہے یہ وہ جس سے کہ ہو بہرہ ور انساں
گر تو نہ کریگا تو کوئی اور کریگا | سچ کہتے ہیں مفلس کا ہے اللہ نگہباں
لیکن جو تجھے موقعۂ خیرات ملا تھا | افسوس کہ وہ ہاتھ سے جاتا رہا ناداں

ہیں پیشِ نظر اور تصاویرِ الم بھی | حسرت سے بھری ایک ہیں اور ایک ہیں ارماں
مزدور ہے اک پاتا ہے چار آنے دہاڑی | اس پیرزن و فرزند کا اور اسکا ہے گزراں
گھر میں وہ کئی روز سے بیمار پڑا ہے | محنت کرے اس حالِ زبوں میں نہیں امکاں
تھا قرض پہ اس گھر کا مدار آج و لیکن | قرضہ نہ کہیں سے بھی ملا سب ہیں پریشاں
بچے کبھی آتے ہیں کبھی جاتے ہیں باہر | چولھا ہے پڑا سرد اُسے حسرت سے ہیں نگراں
دنیا ہے کہ ماں باپ کی نظروں میں اندھیر | مرکز غم و غصے کا ہے وہ کلبۂ احزاں

یہ گھر ہے وہ نکلیں گے کبھی چور یہاں سے ۔ یہ گھر ہے وہ جس سے کہ بھرے جائینگے زنداں
دریوزہ گری آ کے سکھاتے ہیں یہی گھر ۔ اور بعد میں ہو جاتی ہے وہ عادتِ انساں
تو صاحبِ زر ہے تو ترا فرضِ اہم ہے ۔ امداد کر ان کی تجھے امداد ہے آساں

یا کوئی دکاندار ہے اور ساکھ ہے اسکی ۔ گزران ہے خوش اور ہے چلتی ہوئی دکاں
کچھ مال خریدا تھا وہ گھاٹے سے بکا ہے ۔ ہے اس کی تقاضوں سے مصیبت میں بہت جاں
آتا ہے ترے پاس کہ جب ساکھ ہے جاتی ۔ دے قرض کچھ اس کو کہ ہے یہ قرض کا خواہاں

یا طالبِ علم آتا ہے گھر پر کہ ہوا پاس ۔ بشگفتہ طبیعت ہے دل صاف ہے شاداں
لڑکا ہے ذکی ذہن و ذکاوت بہت اچھی ۔ استاد بھی ہے اسکی لیاقت کا ثنا خواں
یہ طفل بڑا ہو کے بڑے کام کریگا ۔ ہیں عظمت آئندہ کے آثار نمایاں
مفلس ہے مگر باپ پڑھائے تو کہاں سے ۔ ہے فیس کا کچھ اور کتابوں کا نہ ساماں
ملتی اگر امدادِ زر اس کو تو یہ لڑکا ۔ ایسا تھا کہ ہوتا کبھی ذی عزت و ذی شاں
اب بیس کا یا دس کا محرر وہ کہیں ہے ۔ افلاس کے پنجے میں گرفتار و پریشاں

یا کوئی شریف آتا ہے لڑکی کی ہے شادی ۔ شادی ہے کہ بیچارہ ہے اندوہ سے بیجاں
لڑکی ہے جواں ڈر اسے عزت کا بہت ہے ۔ کچھ اور وہ بیٹھی رہے ہرگز نہیں امکاں
ہے پہلے ہی مقروض ملے قرض کہاں سے ۔ امداد کر اس کی کہ نہ بھولیگا یہ احساں

یوں ہیں تری امداد کے حقدار بہت سے ۔ یوں تیری مدد کے بہت اصحاب ہیں خواہاں
اے صاحبِ زر تو نے کبھی قحط بھی دیکھا ۔ جب مہر کی ہوتی ہے حرارت شرر افشاں

تپتی ہے زمیں جب کرۂ نار کی مانند — جب خلق ترستی ہے برستا نہیں باراں
ہو جاتے ہیں تالاب ندی اور کنوئیں خشک — چارے کو ترستے ہیں مویشی کھڑے حیراں
اسباب مکاں بیچ کے سب اپنا وطن میں — غربت میں نکلتا ہے مصیبت زدہ دہقاں
وہ گود میں بچّے لئے اسباب وہ سر پر — وہ عورتیں جو ہیں مرض الجوع سے گریاں
تصویر یہ ایسی ہے بھیانک کہ نہ پوچھو — اور اس پہ ہی کیا حصر ہے دیکھے اگر انساں
گرمی میں بہت ایسے ہیں پھرتے ہیں جو بھوکے — سردی میں بہت ایسے ہیں پھرتے ہیں جو عریاں
فاقوں سے کوئی روز کے دل تنگ بہت سے — بیمارئ پیہم سے کوئی سخت پریشاں
ہیں بعض اپاہج بھی کہ کچھ کر نہیں سکتے — تُو ان کی مدد کر ترا اللہ نگہباں

یہ شکر خدا کا ہے کہ دولت تجھے بخشی — یوں مانتے ہیں اہل نظر منّت و احساں
دولت نہ رہی اور کسی کی نہ رہیگی — حق دار کو حق بخش تجھے رحمت یزداں
وہ غابن و غاصب ہے جو حق اور کا رکھّے — ہے سخت بہت ایسے گنہگار کا تاواں
آیا تھا یہاں جب تو ترے ہاتھ تھے خالی — جب جائیگا پھر ہاتھ ہیں خالی ہی ناداں
کیوں کرتا ہے صندوق مقفّل میں اسے بند — ہمراہ نہ لے جائیگا یہ مال فراواں
جب تک کہ ہے زر پاس ترے نفع کما لے — کیوں یوں عوض سود اٹھاتا ہے تو نقصاں

توفیقِ سخا تجھ کو بھی اے مہر خدا دے
کر تو بھی اسی طرح سپاسِ شہِ شاہاں

آرزوے دیدار

حجاب کیوں مجھ سے اتنا ظالم ستم ہے تیرا خیال کیا ہے
ہوا نہ عاشق جب اس کا عالم تو حسن کیا ہے جمال کیا ہے

کرے کہاں تک کوئی صبوری سہے کہانتک کوئی غیوری
کبھی ہمیں بھی تو ہو حضوری حضور ہم سے ملال کیا ہے

ترے تصور کو آفریں ہے کہ میرا ہر وقت ہم نشیں ہے
خیال یہ بھی مجھے نہیں ہے کہ روز و شب ماہ و سال کیا ہے
مجھے ترا ذکر ورد لب ہے نہ چین دن میں نہ خواب شب ہے
تجھے بھی کچھ رنج اور تعب ہے کہ میرے رشیدا کا حال کیا ہے

مری گزرتی ہے جس طرح سے نہ گزرے دشمن کی اس طرح سے
تری گزرتی ہے کس طرح سے مری جدائی میں حال کیا ہے
گیا میں تیرے لئے جہاں سے جہاں ہے کیا چیز بلکہ جاں سے
نہ تو نے پوچھا مگر زباں سے کہ تجھ سے تیرا سوال کیا ہے
کبھی نہ رخ سے نقاب اُٹھایا کبھی نہ منہ سے سخن سنایا
کرینگے کیا یاد ہم خدایا کہ دید کیا ہے مقال کیا ہے

کبھی جو تُو ہم سے ہم سخن ہو سرورِ موفور موج زن ہو
یہ نکتہ ہم پر بھی مبرہن ہو کہ قال کیا شے ہے حال کیا ہے
مکانِ دل ہے مخل سے خالی جگہ ہے دنیا سے یہ نرالی
یہاں بتائیں حضور عالی سبیلِ رفعِ ملال کیا ہے
معاشرت میں روا ہے پردہ بجا ہے پردے کی جا ہے پردہ
میں تیرا محرم ہوں کیا ہے پردہ یہ حال کیا ہے یہ چال کیا ہے

کبھی نہ خلوت میں منہ دکھایا کبھی نہ جلوت میں پاس آیا
نہ میں نے لطف سخن اٹھایا نہ میں نے جانا وصال کیا ہے

نہ تیری کوشش ہو غیر حاصل کہ عشق ہے کام سخت مشکل
سمجھ کے آغاز کیجو اے دل خبر نہیں ہے مآل کیا ہے
جلا دیا سوز عشق مجھ کو بُرا ہو ظالم تیرا بُرا ہو
کوئی میرے جان و دل سے پوچھو اس آگ میں اشتعال کیا ہے
سُنی بہت تیری لن ترانی مگر نہ موسےٰ نے ایک مانی
مبری بھی ہے وقف زندگانی تجلّیٔ بے مثال کیا ہے

طلسم نام و صور ہیں ساری اگرچہ ہے محض ذات باری
چھپا رہی ہے طلسم کاری جمال کیا ہے جلال کیا ہے
حجابِ جاناں ہے نام و صورت مگر یہ برقع ہے بے ضرورت
نہیں اگر دل میں کچھ کدورت تو دید امرِ محال کیا ہے
طلسم امکاں میں کیا دھرا ہے حجابِ دل دل کا واہمہ ہے
جہاں نظر کیجئے خدا ہے نظر میں اے دل کمال کیا ہے

دلِ حزیں! دید پر ہے مائل۔ دوئی کا پردہ مگر ہے حائل
اٹھا اسے پہلے پھر ہو سائل وگرنہ لطف سوال کیا ہے
دوئی نہیں تو ہے ذات یکتا تجھے وہی دل ہے دیکھ سکتا
کہ جس کو حیرت ہو اور سکتہ احد میں کثرت کا جال کیا ہے

ترے ہیں کون و مکاں مظہر مکان دل بھی ہو یوں منوّر
کہ بے خودی سے کھلے نہ مجھ پر جنوب کیا ہے شمال کیا ہے
نقاب رخ سے ذرا اٹھا دے تو آگ دل میں مرے لگا دے
اگر نہ پروانہ ساں جلا دے تو شمع نور جمال کیا ہے

کنار میں تو مرے رہا ہے کبھی نہ مجھ سے جدا ہوا ہے
غضب ہے اب تک نہیں کھلا ہے مجھے یہ نکتہ وصال کیا ہے
حباب دریا میں بن رہا تھا مگر یہ دریا سے کہہ رہا تھا
زوال بے شک ہیں سہ رہا تھا مگر دکھا اب کمال کیا ہے
کل ایک پروانہ میں نے دیکھا کہ شمع کے گرد پھر رہا تھا
طواف ہی میں وہ جاں سے گزرا جو اس سے پوچھا وصال کیا ہے
وصال جب جان سے گزرنا ہو اصمت کا ہے نام مرنا
پڑیگا وہ کام مہر کرنا کہ تیری تاب و مجال کیا ہے

غزلیات

زبان خامہ پر مضمون ہے توحید یزداں کا
ہمارا مطلع دیواں ہے مطلع نور عرفاں کا

خلوص طبع پیدا کر کہ یہ ہے جزو ایماں کا
نہ ایماں گبر کا حصہ نہ ورثہ ہے مسلماں کا

یہی کافی ہے قاتل خونبہا خون شہیداں کا
کہ تیرا دست آغشتہ بخوں پنجہ ہے مرجاں کا

نتیجہ غافلو یہ ہے تمہارے سہو و نسیاں کا
کہ نوری ہو کے پہنا جامۂ خاکی ہے انساں کا

کنار بحر بے پایان وحدت پوچھتا کیا ہے
ہو الاول ہو الآخر نشاں ہے اس کے پایاں کا

سوال اجرت کا جب آیا تجارت ہو گئی طاعت
جہنم سے بھی بدتر ہے مجھے گلزار رضواں کا

فلک جس طرح تر ہوتا نہیں ہے ابر و باراں سے
دل صافی پہ آ سکتا نہیں ہے داغ عصیاں کا

جسے کہتے ہیں ہم دنیا وہ کھیتی آخرت کی ہے
سبق یہ ہے بدیہی محنت سرگرم دہقاں کا

تری تنبیہ ہے غافل کہ کیا غفلت میں سویا ہے
اذان صبح ہو کر زمزمہ مرغ گلستاں کا

وجود واجب حق جب سما جاتا ہے آنکھوں میں
طلسم آباد آتا ہے نظر یہ شہر امکاں کا

تجلی طور کی حق تم کو اے انوار باطن دے
تمہارے فیض سے سینے میں عالم ہے چراغاں کا

خیال آتا تو ہے تجھ کو ہمارا اس بہانے سے
گلہ پیدا اگر کس کو ستم ہائے فراواں کا

نکلتے کیا کہ وسعت تنگنائے دہر میں کم تھی
رہا دل ہی ہمارا مقبرہ ہر دل کے ارماں کا

تصور بسکہ اے کان ملاحت تیرا ہر دم تھا
مزا لیتا رہا ہے زخم دل کیا کیا نمکداں کا

شراب بیخودی سے ایک بھی گر جام ملجائے
نہ در چھوڑے کبھی پھر تو شیخ پیر میفروشاں کا

خدا توفیق دے تو عاشقی کر یا کہ طاعت کر
نہ یہ سودا زیاں کا ہے نہ وہ سودا ہے نقصاں کا

نظر میں عارفوں کی ماسوا آئینہ خانہ ہے
یہاں ہر چیز میں جلوہ ہے عکس روئے جاناں کا

اگر ہے مخلصی قید علائق سے تو اس جا ہے
نظارہ کیا نتائج خیز ہے شہر خموشاں کا

فنا پیدا کر اول پھر بقائے جاودانی ہے
نشاں دیتے ہیں ظلمت کے کنارے آب حیواں کا

یہیں سے چھوٹ جانا جمع کیا کرتا ہے اے غافل
نتیجہ محض بے برگی ہے سارے ساز و ساماں کا

مجاز اے مہر زینہ ہے حقیقت کا جو تو سمجھے
ملا کثرت میں مجھ کو راستہ توحیدِ یزداں کا

دل تھا کہ پھر مرجعِ امید و بیم تھا
میں ورنہ ایک حال میں دائم مقیم تھا

جز ذاتِ بحتِ حق نہیں نیرنگِ ماسوا
حادث ہی کو جو غور سے دیکھا قدیم تھا

موسیٰ پہ اور طور پہ موقوف کچھ نہیں
تو ہم کلام تھا جہاں کوئی کلیم تھا

قسمت کا کیا گلہ ہے کہ رزاقِ جن و انس
اے ناسپاس روزِ ازل خود قسیم تھا

ہیں آپ کی نگاہ میں خنجر بھرے ہوئے
دیکھا جدھر ادھر دلِ بسمل دو نیم تھا

طاعت سے تھی غرض نہ تجارت سے بس کہ شیخ
سودائے خلد مجھ کو عذابِ الیم تھا

سوئے قفس نہ بوئے خوش آئی تھی عندلیب
گل ہی سوارِ جنبشِ موجِ نسیم تھا

جو عشق میں مٹے ہیں کسی پہ وہ کب کھلے
حق یہ کہ حق ہی روزِ ازل خود علیم تھا

بتخانے سے تعرض بیجا ہے شیخ کا
ہیں محو دید قدرتِ ربِ کریم تھا

رہتا ہے کون مطلعِ انوار آنکھ میں
نکلا جو اشک آب میں دُرِ یتیم تھا

رہبر بغیر کھائیں بہت ہم نے ٹھوکریں
اے عشق راستہ نہ ترا مستقیم تھا

کیا سوزِ عشق میں بھی جلا کیے ہیں گر میاں
دل تھا نہ بر میں شعلۂ نارِ جحیم تھا

کیسی دوئی کہ تیرے سوا ماسوا نہیں
تیرا عدیل روزِ ازل سے عدیم تھا

ہے کائنات ازل سے وہ حیرتکدہ کہ یاں
صوفی کی طرح مائلِ حیرت حکیم تھا

دیر و حرم میں مہر جو ڈھونڈھا نہیں ملا
پردہ نشیں وہ خانۂ دل میں مقیم تھا

طالبِ جلوہ میں اور خلوت گزیں تو کب تھا
مجھ سے روگرداں مرے پردہ نشیں تو کب تھا

مجتنب عشاق سے اے مہ جبیں تو کب تھا
کب نیاز آگیں نہ تھا میں نازنیں تو کب نہ تھا

مجھکو گردابِ توہم ہو گیا علم الیقیں
ورنہ یا رب مرجع حق الیقیں تو کب نہ تھا

جب کھلی چشمِ حقیقت پایا شہرگ سے قریب
دور میں سمجھا تھا تجھ کو پر قریں تو کب نہ تھا

منزل لاہوتیاں ہے مجھ کو نقش ماسوا
بسکہ یکتائی میں فرد اے نازنیں تو کب نہ تھا

آسماں کی سی ہیں سب باتیں جور و ظلم صرف
مہر طلعت ماہ رو زہرہ جبیں تو کب نہ تھا

ٹکٹکی باندھے نظر کرنے کی خوباں کب نہ تھی
منہ چھپاتا پھرتا اے پردہ نشیں تو کب تھا

چارہ ساز اندوہ و حرماں کا کیا کرتے علاج
میرے پہلو میں دل اندوہگیں تو کب نہ تھا

دین اور ایماں بھلا رہتا سلامت کس طرح
اے صنم غارتگرِ ایمان و دیں تو کب نہ تھا

ہیں ازل سے تا ابد دنیا میں توام حسن و عشق
کب نہ تھا میں عاشق شیدا حسیں تو کب نہ تھا

مرحبا اے عشق تجھ کو ہاں جزاک اللہ خیر
غمگسار و مونسِ جانِ حزیں تو کب نہ تھا

سات پردے آنکھ کے حائل ہیں کیونکر دیکھئے
نور افگن ورنہ اے ماہ مبیں تو کب نہ تھا

لامکاں ہے ہر مکاں میں مکاں ہے لامکاں
خود مکاں تو کب نہ تھا اور خود مکیں تو کب نہ تھا

غیر سے پرخاش کس کو وہ تو زیبِ حسن ہے
زینتِ محفل مرے محفل نشیں تو کب نہ تھا

مہر کے دل میں خلش کیونکر نہ رہتی ہر گھڑی
اے خدنگِ دردِ الفت دلنشیں تو کب نہ تھا

پہلو میں تو جو اے دل خانہ خراب تھا
سیماب کی طرح سے مجھے اضطراب تھا

پندار اپنا مانعِ دیدار ہو گیا
شاہد کو ورنہ اب ہے نہ پہلے حجاب تھا

گھر تھا ز بسکہ بیم و رجا کا دلِ حزیں
ہر روز میرے واسطے روزِ حساب تھا

تیری نگاہِ مست کی اللہ رے شوخیاں
صوفی بھی بادہ کش کی طرح سے خراب تھا

عمرِ عزیز چشم زدن میں بسر ہوئی
گویا ہماری ہستئ موہوم خواب تھا

دشمن کو بھی خدا نہ دکھائے فراقِ دوست
کیسا تمہارے ہجر میں جان پر عذاب تھا

جب تک تھی آنکھ بند جدائی بھی تھی اُسے
جس وقت چشم وا ہوئی دریا حباب تھا

کعبہ کو فراز حضرتِ دل کیوں ہو مضطرب
یہ تو کتابِ عشق کا پہلا ہی باب تھا

دیکھا جو ان کو جوشِ طرب سے بدل گیا
ان کے ستم کا جو گلہ بے حساب تھا

اس کے مزے بتائیں گے مستِ الست ہی
روزِ ازل سوال ترا لاجواب تھا

کہتے ہیں جس کو بندِ علائق وہی تو مہر
اس شوخِ بے حجاب کا بندِ نقاب تھا

کشتہ ہوں تیغِ ابروے خمدار یار کا
محراب کعبہ طاق ہے اپنے مزار کا

بس پوچھ ہمنشیں نہ مزا انتظار کا
جا بیٹھنا وہ ہائے سرِ رہگزار کا

کیفیتیں جدا ہیں وصال و فراق کی
عالم ہے اس میں نور کا اور اس میں نار کا

گر نفس مطمئن ہے تو لہو و لعب ہے یہاں
اے عشق میں نہ نام شکیب و قرار کا

طرب نوائے خاص ہجومِ نشاط ہے
ساقی صلائے عام ہے موسم بہار کا

وہ اور ایک طرزِ تغافل کہ بس نہ پوچھ
میں اور لاکھ لاکھ عذاب انتظار کا

خورشید آئینے کے مقابل نہ ہو سکے
پڑ جائے عکس گر رخِ رنگینِ یار کا

برقِ طپاں میں کب تھی یہ بیتابیاں بھلا
سایہ نہ پڑ گیا ہو مرے اضطرار کا

اے گلشنِ امید وہ باغِ جہاں ہے تو
ہے لطف جس کی شام میں صبحِ بہار کا

وہ برقِ طور جلوہ فروشِ عوام ہے
ہے زیرِ بام نور سرِ کوہسار کا

ساقی پری جمال ہو مے لعل فام ہو
پھر لطف دیکھ زندگئ مستعار کا

ہے وقف زندگی پئے دیدارِ یار مہر
شیدا ہوں اپنی ہمتِ مردانہ وار کا

میں کشتۂ نگاہ ستمگار ہو گیا
یہ تیر جس کے دل پہ لگا پار ہو گیا

عشق مجاز کاشفِ اسرار ہو گیا
میں شرک اور کفر میں دیندار ہو گیا

اُن کی گلی میں روز تجلی ہے طور کی
جب اُس طرف نکل گئے دیدار ہو گیا

ساقی سے مانگتے رہے جام و سبو حریف
میں اک نگاہِ مست سے سرشار ہو گیا

چینِ جبیں سے قتل کیا تم نے اک جہاں
جو بل پڑا جبیں پہ وہ تلوار ہو گیا

یہ حسن وہ بلا ہے کہ محشر میں دیکھنا
اللہ بھی انہیں کا طرفدار ہو گیا

ناکامیوں سے دل مرا بہلا سا دل نہیں
کیا دلفزا مکاں تھا کہ مسمار ہو گیا

اک وہ ہیں حسرتیں ہیں جنہیں عشق یار کی
اک میں کہ اس بلا میں گرفتار ہو گیا

میٹھا ہے آج درد محبت کا بوالہوس
کل دیکھیو کہ جان کا آزار ہو گیا

لوگوں نے حاشئے وہ چڑھائے کہ کچھ نہ پوچھ
افسانہ اپنے عشق کا طومار ہو گیا

اے شیخ یوں تو میں کبھی توبہ نہ توڑتا
ساقی کی منتیں تھیں کہ ناچار ہو گیا

مارا گیا ہوں جرمِ محبت پہ دیکھنا
میں بیگناہیوں میں گنہگار ہو گیا

وہ دل چرا کے لے گئے ترچھی نگاہ سے
ہم دیکھتے رہے کہ وہاں وار ہو گیا

دیکھیگا کچھ سمجھ کے جواب سوال وصل
ہم مرہی جائینگے اگر انکار ہو گیا

اس عشق میں بھی مہر ترقی بلا کی ہے
ارماں سے شوق شوق سے آزار ہو گیا

تیرے رخِ روشن سے ستمگر نہ ملیگا
ہرگز نہ ملیگا مہِ انور نہ ملیگا

اس غیرتِ خورشید کا ہمسر نہ ملیگا
بہتر تو کہاں مہر برابر نہ ملیگا

مانا کہ مجھے آپ سا دلبر نہ ملیگا
مجھ سا بھی مگر جور کا خوگر نہ ملیگا

کیا خضر سے کم ہے اثرِ جذبِ محبت
مانا کہ رہِ عشق میں رہبر نہ ملیگا

روشن سہی خورشید منور سہی مہتاب — تیری سی جبیں تیرا سا رخ پر نہ ملیگا

ساقی نگہِ نرگسِ مستانہ ادھر بھی — کیا مجھ کو تری بزم میں ساغر نہ ملیگا

تیرا ہی سہی عکس مگر عکس ہے آخر — آئینے میں ظالم ترا ہمسر نہ ملیگا

ہاتھوں سے یہ ایما ہے کہ خالی ہے صراحی — آنکھوں سے اشارہ ہے کہ ساغر نہ ملیگا

مجموعۂ خاطر وہ پریشاں ہے مرا مہر
ابتر تجھے ایسا کہیں دفتر نہ ملیگا

میرے نالوں کا ترے دل پہ اثر کیا ہوگا — وہ تو پتھر کی ہے سِل سِل پہ اثر کیا ہوگا

علم کے نور سے پر نور ہے چشمِ عرفاں — کور ہے دیدۂ جاہل پہ اثر کیا ہوگا

امتحاں کرتے ہیں آج اے کششِ دل تیرا — دیکھیں اس حورِ شمائل پہ اثر کیا ہوگا

بس کر اے شوقِ طپیدن کہ وہ نازک ہے بہت — سوچ اتنا دلِ قاتل پہ اثر کیا ہوگا

رخ پہ غازہ ملے گلزار میں وہ جاتے ہیں — ہائے دلہائے عنادل پہ اثر کیا ہوگا

کج ادائی کا اثر جبکہ بُرا ہو سب پر — سوچئے تو دلِ مائل پہ اثر کیا ہوگا

چاندنی رات میں بیٹھا ہے وہ بت بے پردہ — آج دیکھیں مہِ کامل پہ اثر کیا ہوگا

قصۂ عشق سے مانوس نہیں دل اُن کا — کہہ تو دوں حالِ مفصل پہ اثر کیا ہوگا

وار کرتے ہیں وہ مقتل میں تو انداز کے ساتھ — دیکھ کر یہ مرے بسمل پہ اثر کیا ہوگا

تم اگر جلوہ دکھا دو تو عیاں ہو جائے — دل کے اس پردۂ حائل پہ اثر کیا ہوگا

ہر نگہ پر ہے یہی چشمِ سخنگو کا خیال — اس نگہ کا دلِ مائل پہ اثر کیا ہوگا

کب چھپائے سے چھپا جوہرِ اربابِ کمال — خاک ڈالو مہِ کامل پہ اثر کیا ہوگا

یہ غزل پانچ برس بعد لکھی ہے اے مہر
نہیں معلوم کہ محفل پہ اثر کیا ہوگا

یار ہیں اغیار بیگانہ یگانہ ہو گیا | اللہ اللہ آج کل کیسا زمانہ ہو گیا
زندگی میں تھا کسی کی زلفِ پیچاں میں اسیر | بعد مرنے کے دلِ صد چاک شانہ ہو گیا
وہ جو بیٹھے ہیں تو کیسی روشنی سی گھر میں ہے | تابِ عارض سے مکان آئینہ خانہ ہو گیا
عشق جاں کے ساتھ ہے جائیگا بھی تو جاں کے ساتھ | کیا کریں ہمدم مرض اپنا پرانا ہو گیا
ہے ہمارا تو یہیں سے شیخ کعبہ کو سلام | کوے جاناں میں جو رہنے کو ٹھکانا ہو گیا
پاؤں پھیلائے ہیں وحشت نے رہائی ہو چکی | یہن صحرا مجھ کو صحن قید خانہ ہو گیا
ہم تو عشق و عاشقی اک شغل سمجھے تھے مگر | موت کو یہ شغل ہی خاصہ بہانہ ہو گیا
ہے پیامِ موت اس سفاک کا تیرِ نظر | ہائے وہ کمبخت جو اس کا نشانہ ہو گیا

دیکھئے جس وقت ہے اشکوں کا فوارہ رواں
دیدۂ تر مہر پانی کا خزانہ ہو گیا۔

ہے ہمنشیں جو آپ کی چشمِ کحیل کا | سر مرے ستم شریک ہے چرخِ بخیل کا
شہ رگ سے پاس ہو کے یہ دوری کہ الاماں | بازو ہے نصف راہ میں شل جبرئیل کا
کٹ جائے باتوں باتوں میں ہمدم شبِ فراق | افسانہ چھیڑ یار کی زلفِ طویل کا
میری نظر میں کھٹتی ہے ہر چیز حسن خاص | شیدا ہوں بسکہ ذات حسین و جمیل کا
آئینہ خانے میں انہیں لیجائیے کہ آج | مذکور چھیڑنا ہے عدیم و عدیل کا
یہ زندگی سے تنگ ہیں ظالم کہ آبِ تیغ | چشمہ ہے عاشقوں کو ترے سلسبیل کا
رکھنا قدم سنبھل کے رہِ عشق میں نہیں | اس رہ میں نام کو بھی نشاں سنگ میل کا
رخسار آتشیں ہیں نزاکت میں پھول سے | روے صنم مجھے ہے گلستاں خلیل کا
آ جنسِ حسن دیکھ ہمارے نگار کی | یوسف نہ کر غرور متاعِ قلیل کا
اللہ رے اشتیاقِ شہادت کہ ہم نے آج | نامہ کی جا لکھا انہیں مطلع قتیل کا

کھنچ آئے کیا عجب جو دلِ سنگدل کبھی
اے مہر علم سیکھئے جرِ ثقیل کا۔

باقی رہے نہ ہوش نہ خودی بھی وہ لا شراب
عرفاں کے خم سے مجھ کو پلا ساقیا شراب

کیفی کو کیفِ عشق سے کرتی ہے باخبر
ہے راہِ معرفت کے لئے رہنما شراب

ہوتا ہے پی کے ظرفِ بد و نیک منکشف
جامِ جہاں نما ہے کہ پیالا ترا شراب

کیا مست اپنے حال پہ ہیں پی کے تو سہی
ہے بے خودوں کو سایۂ بالِ ہما شراب

آئے کدے میں لے کے غمِ دنیا سے دردمند
پیرِ مغاں کے پاس ہے غم کی دوا شراب

ساقی کے ساتھ بزم میں ہے لطفِ میکشی
ہے ورنہ سم کی طرح مجھے جانگزا شراب

توفیق دے تو اتنا پلا اور پی کہ ہے
سرمایۂ مسرت لا انتہا شراب

کھلتے ہیں ایک جام میں چودہ طبق کے راز
اے شیخ پی کے دیکھ تو بہرِ خدا شراب

دنیا سے دل کا نقش بھلانے کے واسطے
اکسیر ہے سراسر ہے ہے کیمیا شراب

عالم ہے رنگ و بو کا وہ حیرت سی ہے مجھے
شیشے میں ہے پری کہ بھری ساقیا شراب

اے پیرِ میفروش ہمیں بھی وہی پلا
پیتے ازل سے آئے جو اہلِ ہدیٰ شراب

مسجد ہے نام بندِ علائق کا یاد رکھ
آ میکدے میں شیخ کہ کر دے رہا شراب

توبہ بھلی ہے توبہ ہے سود سے مجھے
جب ابرِ نو بہار ہو اور دل فزا شراب

گر وحدتِ وجود ہے مطلوب اس کو پی
کرتی ہے کالعدم صورِ ماسوا شراب

پیرِ مغاں کے فیض کو اے مہر دیکھنا
اہلِ فنا کے حق میں ہے آبِ بقا شراب

ہے سرِ داغِ جگر خورشیدِ محشر کا جواب
جس نے دیکھا ہی نہیں اپنے برابر کا جواب

ں تو اس دُنیا میں ہے بہتر سے بہتر کا جواب — تو ہے پر یکتا نہیں تیرا برابر کا جواب

ے چپ نے اُن کی لاکھوں کو ہرایا ہمنشیں — عرضِ اول کا نہ واں عرضِ مکرر کا جواب

ں کے انکار سے ٹوٹی قیامت جان پر — ہوگئی اُن کی نہیں مجھ کو مقدر کا جواب

بہار حسن سے نامِ خدا ہو گلستاں — قد تمہارا سرو ہے عارض گلِ تر کا جواب

ت ان کے لب کی شیرینی میں ہے شاخ نبات — لو مکرر ہو تو ہے قند مکرر کا جواب

جہاں بیٹھے وہاں بس چاندنی سی کھل گئی — ہے رخِ روشن تمہارا ماہِ انور کا جواب

د تغافل کیش ہیں اور ہم ہیں مستغنی مزاج — حسن کو دیتا ہے عشق اپنا برابر کا جواب

کوئی مانے یا نہ مانے جوہر کی ہے یہ صدا
آج دنیا میں نہیں اُس شوخِ کافر کا جواب

نہیں آپ کو ہم سے زیبا حجاب — کہ محرم جو ہو اس سے کیسا حجاب

ہم اور شوقِ دیدار کا تازہ تر — تم اور وہ تمہارا پرانا حجاب

گئے شوقِ دیدار میں جاں سے ہم — مگر تو نے ظالم نہ چھوڑا حجاب

نگاہ تصوّر ذرا کام کر — انہیں ہم سے ہے ہم نے مانا حجاب

ترا حسن برقِ جہاں سوز ہے — نہ ہونا تجھے تو ہمیں تھا حجاب

تجلی ہے انوار کی چھن رہی — نہیں برقعِ رخ تمہارا حجاب

ملے ہر جگہ ہم سے برقع میں وہ — رہا نام و صورت کا پردہ حجاب

حضوری ہے ہر وقت غافل تجھے — اگر ہو نہ پندار تیرا حجاب

اگر کشفِ محجوب مطلوب ہے — اٹھا پہلے اپنی نظر کا حجاب

کبھی خواب میں بھی دکھایا نہ منہ
تمہیں جوہر سے کیوں ہے اتنا حجاب

...بنا نہ کبھی بھول کے بھی نام محبت
اونچا ہے بہت بوالہوسو بام محبت

...یا پوچھتا ہے کون ہے ناکام محبت
یہ مہر ترا بندۂ بے دام محبت

...ینا نہیں سہل اے دلِ خودکام محبت
ہے زہر ہلاہل سے بھرا جام محبت

...غازِ محبت میں گزر جائے جو جاں سے
کھلتا ہے اُسی شخص پہ انجام محبت

...ھوے سے کبھی تم رخِ روشن جو دکھاؤ
ملجائے خدا کی قسم انعام محبت

...ونچا ہے بہت دسترسِ اہلِ ہوس سے
کھٹّا ہو نہ کیونکر ثمرِ خام محبّت

...ساقی سے کہو ظرفِ سبوکش کو بھی دیکھے
دے اور ہمیں بادۂ گلفام محبّت

...ر قطع کیا چاہتا ہے بندِ علائق
ہاں لے کفِ تجرید میں صمصام محبّت

...یدار کی ہے شرط اہم جاں سے گزرنا
پیغامِ اجل ہے نہیں پیغامِ محبت

...ے عشق ترے زخم کا ہے درد بھی میٹھا
میٹھی سی چھری ہے مجھے صمصام محبت

...یہ بحر ہے وہ جس کا کنارہ نہیں دیکھا
آغازِ محبت ہے نہ انجام محبت

منصور کو آتی تھی ندا دار پہ چڑھ کر
خاموش بس اے ملزمِ الزام محبت

رخ اس نے دکھایا تو پھر آیا نہ کبھی ہوش
تھی صبحِ محبت ہی ہمیں شام محبت

مظہر میں کیا شاہدِ اصلی کو نمایاں
پھندے ہیں بلا کے ترے اے دام محبت

کہتے ہیں محبت جسے جادو ہے وہی مہر
رم بھول کے وحشی بھی ہوئے رام محبّت

ہے بہت آشفتہ پہلو میں دلِ دیوانہ آج
کس کی زلفوں میں الجھی ہو رہا ہے شانہ آج

شیشۂ مے ہچکیاں لیتا ہے بے تابانہ آج
مجھ کو ساقی کیوں نہ آئے گریۂ مستانہ آج

آپ بیٹھیں بزم میں آ کر مقابل شمع کے
ہم بھی کر لیں امتحانِ الفتِ پروانہ آج

پاس ہے پیرِ مغاں کے داروئے ترکِ خودی
کل کا گر ہے فکر جا کھٹکا درِ میخانہ آج

داغِ دل کے نام سے وہ آگ ہی تو ہوگئے
تو نے گھر پھونکا ہمارا اے چراغِ خانہ آج

روے زیبا سے اٹھاؤ نام و صورت کی نقاب
ہم سے کھل جاؤ بس ایسے تم رہے پردانہ آج

دل ستانی دل ربائی دلبری دلجوئیاں
ہم بھی دیکھیں آپکے انداز معشوقانہ آج

جلوہ فرمائی اور اُس آئینہ رو کی ہائے ہائے
تابِ عارض سے چمکتا ہے پڑا کاشانہ آج

صبر کا ماتم تھا کل اور دل کا ماتم آج ہے
اُٹھ گیا دنیا سے اپنی اور اک فرزانہ آج

اُن سے کہتا ہوں کہ کیجیے وفا کا امتحاں
دور کی لیتی ہے میری ہمتِ مردانہ آج

جب قضا آتی ہے لیجاتی ہے یوں ہی کھینچ کر
اُن کے کوچے میں گیا ہے مہرِ بے تابانہ آج

کھب گئی آنکھ میں کس کافرِ ترسا کی طرح
کہ تڑپتی ہے نظر بھی دلِ شیدا کی طرح

میں ہوں شیدا انھیں ملنا اُسی شیدا کی طرح
لن ترانی کی نہ لو مجھ سے بھی موسےٰ کی طرح

چشمِ بینا ہو تو کثرت میں بھی وحدت دیکھو
آئینہ خانے میں مسیکر دلِ دانا کی طرح

ڈھونڈھ لی ہم نے وفا چار طرف دنیا میں
یہ وہ شے ہے کہیں ملتی نہیں عنقا کی طرح

تیر سی چبھتی ہیں اغیار کی باتیں دل میں
کیا انھوں نے بھی اڑائی تری ایما کی طرح

حق سلامت رکھے اس کوچے کی دیواروں کو
ان کا سایہ ہے مجھے سایۂ طوبےٰ کی طرح

مجھ کو تم سے یہ توقع نہ تھی اے حضرتِ صبر
تم تو پہلو سے نہ جاؤ دلِ شیدا کی طرح

خالِ مشکیں کا تصور نہیں جاتا دل سے
جمگیا ہے مرے دل میں یہ سویدا کی طرح

پھر نہ کہنا مرے بالیں پہ محبت ہے بری
تم تو مت دو یہ دوا مجھ کو اطبا کی طرح

لبِ جاں بخش کے اعجاز سے کچھ فیض بھی ہو
آپ مردوں کو جلایا کریں عیسےٰ کی طرح

شعرِ تر آج سنے جائیے اے حضرتِ مہر
ہے روانی پہ طبیعت مری دریا کی طرح

رکھیں ہم اُن کے تصور کو دل میں جاں کی طرح / رقیب ساتھ نہ ہو گر نگاہباں کی طرح

ہمیں ہے دردِ محبت عزیز جاں کی طرح / یہ استخواں میں رہے مغز استخواں کی طرح

جگر میں آپ کا سوفار تھا لبِ معشوق / وہاں زخم سے چوسا گئے زباں کی طرح

چھرا ابھی دینا تھا اے برق گر پھنسایا تھا / قفس بھی پھونک ہی دینا تھا آشیاں کی طرح

مزار قیب کو بھی آئے دردِ الفت کا / اڑائے تو مرے شوق جگر فشاں کی طرح

بڑھاتے مانگ کا رتبہ تمہارے سر چڑھ کر / بجا ہے آپ کو کھینچے جو کہکشاں کی طرح

وفا کی بو ہے مرے دل میں وہ کہ غیروں کو / وہ انجمن میں دکھاتے ہیں عطرداں کی طرح

جز لے جو رہے سرگشتگی خدا سے ڈرو / کہیں تمہیں بھی نہ چکر ہو آسماں کی طرح

قضا کے لاکھ بہانے ہیں یوں مقدر تھا
وگرنہ مہر کہاں کی ادا کہاں کی طرح

شراب بیخودی پی اس طرح سے تشنہ جاں ہو کر / خودی چمکے تری نور خدائے دو جہاں ہو کر

نظر آتا نہیں کیوں روئے زیبا پردہ داں ہو کر / الٰہی مٹ گیا یہ بھی مرا نام و نشاں ہو کر

نگاہیں دل بھی کرتی ہیں انداز بیاں ہو کر / تری آنکھیں ستمگر کام دیتی ہیں زباں ہو کر

مرے دل کی کدورت بھی کہ آہوں کا دھواں ہو کر / نکل کر چھا گئی روئے زمیں پر آسماں ہو کر

تجھے اے عشق صد رحمت بلا کا دام ہے تیرا / مکانِ دل میں وہ رہتے ہیں بیکس لامکاں ہو کر

ضرورت قبر بیکس کو نہیں چادر چڑھانے کی / یہاں کرتا ہے سایہ ابرِ رحمت سائباں ہو کر

حیا میں اور رنگ کی بے حجابی میں کشاکش ہے / مزا ہے گر نقاب اُٹھے تمہارا دھجیاں ہو کر

تمہارے آستاں سے جائیں تو کیا ہل نہیں سکتے / ہمارے پاؤں کو زنجیر ہو رہے بیڑیاں ہو کر

حجاب اور بے حجابی دید کے قابل ہے دیکھو تو / عیاں ہے ذرہ ذرہ سے وہ آنکھوں سے نہاں ہو کر

رخِ شاہد کھلا ہے آئینہ خانہ عالم امکاں / نہ ہو پردہ اگر پندار اپنا درمیاں ہو کر

تیری تسلیاں ناصح بھلا اتنی تو کام آئیں
کہ اُن سے فیصلہ میرا کرا دیں درمیاں ہو کر

اُلجھنا روز کا رندوں سے اے واعظ نہیں اچھا
گلے میں پیچ پگڑی کے نہ آئیں ریسماں ہو کر

کہیں اسکی طرح سرگشتگی تم کو نہ ہو اک دن
ستاتے تو ہو خلق اللہ کو تم آسماں ہو کر

نگاہوں میں لگاوٹ ہے اشاروں میں لگاوٹ ہے
یہ لسّانی اور اے چشم سخنگو بے زباں ہو کر

تمہارے طالبِ دیدار ہیں دیدار کے شائق
کبھی اُن سے کہیں ملئے نہاں ہو کر عیاں ہو کر

کسی پہ دل کا آنا تھا اور اپنی جان کا جانا
الٰہی یونہی دل آتا ہے مرگِ ناگہاں ہو کر

جلا جو عشق میں خاک اسکی معشوقوں کے کام آئی
بکا ہے طور سینا سرمۂ چشم بتاں ہو کر

گلہ نامہربانی کے بے پایاں کا مٹ جائے
جو دو باتیں بھی سن لو تم ہماری مہرباں ہو کر

یہ طرزِ گفتگو اے مہر یہ بہکی ہوئی باتیں
مگر آتے ہو حضرت میکدے سے بیگماں ہو کر

تابِ نظّارہ تجھے ہو دلِ شیدا کیونکر
دو بدو مہر سے ہو دیدۂ بینا کیونکر

بن بلائے کبھی للہ مرے گھر آ جاؤ
میں بھی تو دیکھوں پلٹتا ہے نصیبا کیونکر

ذرّہ ذرّہ ہے ترے نور سے معمور یہاں
دیکھنے تجھ کو گیا طور پہ موسےٰ کیونکر

برقعِ نام و صور میں ہی ملو جب ہر جا
دیکھیں عشّاق تمہارا رُخِ زیبا کیونکر

ایک ہی جام مئے عشق سے بیہوش ہوں ہمیں
خم کے خم پیتے ہیں مینوش خدایا کیونکر

عشق اک پردہ نشیں سے ہے جتاؤں کس طرح
میرا چارہ کریں احباب و اطبّا کیونکر

رہ گزر سے کبھی گزرو تو خدارا دیکھو
دیکھتے تشنۂ دیدار ہیں رستا کیونکر

شوقِ نظّارہ یہاں اور وہ بت پردہ نشیں
میں ہوں حیران کہ حل ہوگا یہ عقدہ کیونکر

بیقراری ہے مجھے اُن کا تغافل ہے شعار
ہم نشیں دیکھئے واں جمتا ہے نقشہ کیونکر

حسن کا خاصہ ہے جلوہ فروشی اے مہر
پھر پسند آیا ہے اس شوخ کو پردہ کیونکر

وہ مشتعل ہے مری آہِ شعلہ بار میں آگ | کہ داغِ رشک سے کھاتی رہے چنار میں آگ
لگائی اور سُنا کر دلِ فگار میں آگ | بھری ہوئی تھی مگر نالۂ ہزار میں آگ
تمہارے نور کو پرتو فگن جہاں دیکھا | نہ مہر و ماہ ہیں واں چیز کس شمار میں آگ
کسی کے پائے حنائی کی تھی غضب ٹھوکر | کہ غل ہے زیرِ زمیں لگ گئی مزار میں آگ
بہار آئی تجلی ہے آتشِ گُل کی | چہار سمت فروزاں ہے لالہ زار میں آگ
مزے ہیں عشق میں سب گرم و سرد عالم کے | نفس ہیں سرد اور افغانِ شعلہ بار میں آگ
بجھی بجھی تھی مگر زہر میں نگاہ تری | کہ دیکھتے ہی لگا دی دلِ فگار میں آگ
یہی ہے گر مرے یوسف کی گرمیِ بازار | لگے گی مصر میں کیا بلکہ ہر دیار میں آگ
ذرا جو چھیڑئے تو زہر ہم اُگلتے ہیں | دبی ہوئی ہے کبھی کی دلِ فگار میں آگ
فروغِ حسن کی تاثیر عظمتہ للہ | جدھر گئے وہ لگا دی ہے گلزار میں آگ
کسی کی دل کی لگی کو بجھاؤ تو جانیں | لگانے والے بہت ہیں یوں تو جانِ زار میں آگ
مری سرشت میں یوں سوزِ عشق مخفی تھا | کہ جیسے خلق ہوئی فطرتِ چنار میں آگ
اڑا رہے ہیں وہ دیپک کا کوئی راگ اس طرح | کہ مشتعل ہے ہر اک پردۂ ستار میں آگ

ضرور مہر بجھاؤ گے سرد مہروں سے
جو مشتعل ہے یہی دل کے اضطرار میں آگ

خود جل اُٹھے حرارتِ سوزِ جگر سے ہم | باز آئے اے اثر ترے اُلٹے اثر سے ہم
بے اقتضائے شوق کہ آگے ہوں سو قدم | مُڑ مُڑ کے راہ پوچھتے ہیں راہبر سے ہم

دزدیدہ ہے نگاہِ عجب دار بو الہوس
دل کھو چکے ہیں پہلے اسی طرح بر سے ہم

وہ قبلہ گاہِ ناز نہ یہ سجدۂ نیاز
لکھا مٹا رہے ہیں ترے سنگِ در سے ہم

کیا کیا سوال لب پہ ہیں شوقِ جواب میں
سنتے نہیں جواب بھی پیغامبر سے ہم

خونِ جگر سے دعوتِ پیکانِ یار ہے
حاضر ہیں میہماں کے لئے ماحضر سے ہم

یہ مانگنی نہیں ہے دعا ترکِ عشق کی
لڑتے ہیں سرنوشتِ قضا و قدر سے ہم

اے نفسِ مطمئن ترے ملنے کی کیا اُمید
دنیائے دوں میں دِق ہیں بہت خیر و شر سے ہم

اے مہرِ برہمی کا کسی کی خیال ہے
بیزار ہے فغاں سے اثر اور اثر سے ہم

ساقیا اور بھی دے بادۂ گلفام ہمیں
کہ ستاتی ہے بہت گردشِ ایام ہمیں

نظر آتا ہے محبت کا یہ انجام ہمیں
تو کہیں کا نہ رکھے گا دلِ ناکام ہمیں

کر دے اسطرح سے بیخود کہ دُوئی مٹ جائے
مئے وحدت سے ملے پیرِ مُغاں جام ہمیں

مُنہ بھی اس پردہ نشیں نے نہ دکھایا حیف صد
تو نے اے عشق کیا مفت میں بدنام ہمیں

دیکھنا تھا کہ گئے جان سے اک آن میں ہم
ہو گئی اُن کی نظر موت کا پیغام ہمیں

گھر سے اُٹھ کر ترے کُوچے کا لگانا پھیرا
کوئی ہے کام تو یہ ہے سحر و شام ہمیں

ساقیا تو نگہِ مست سے دیکھے جو ذرا
کہے زاہد بھی کہ للہ کوئی جام ہمیں

کب تک اس طرح پھرائیگی پریشاں دردر
چین بھی لینے دے اے گردشِ ایام ہمیں

سالکِ مسلکِ تسلیم و رضا ہیں ہم تو
زاہد و جنت و دوزخ سے نہیں کام ہمیں

عشق میں اُسکے کبھی دل کو نہ آرام ملا
واہ قسمت سے ملا خوب دلآرام ہمیں

ہم نہیں جائینگے اس در کے سوا اور کہیں
آپ سمجھیں بخُدا بندۂ بے دام ہمیں

ناصحو توبہ ہے آسان یہ مشکل ہے بجا
چھوٹتے ہی نہیں رندانِ مے آشام ہمیں

گر سمجھتے کہ نہیں اس کو بھی دنیا میں دوام
یوں نہ کھینچے لئے پھرتی ہوس نام ہمیں
تو نے منصور کو سولی پہ چڑھایا اے عشق
دیکھنے ہم بھی ہیں کیا ملتا ہے انعام ہمیں

درد اللہ اگر دے تو غم الفت کا
اس کی تکلیف بھی اے مہر ہے آرام ہمیں

ہمارے حال کی جا کر انہیں خبر تو کریں
وہ کیوں نہ آئینگے تدبیر چارہ گر تو کریں
کرینگے عرض بھی کچھ چین لے ذرا اے دل
وہ انجمن میں ہماری طرف نظر تو کریں
امید مہر و وفا کی تو ہمدمو جب ہو
کہ پہلے جور و جفا سے وہ درگزر تو کریں
بہت سے تشنۂ دیدار روز جا بیٹھیں
مگر کبھی وہ سر رہگزر گزر تو کریں
جلائے شمع کی مانند تو مجھے اے عشق
کہ اور لوگ ذرا تجھ سے الحذر تو کریں
ہم ان سے ذکر نہیں کرتے بزم اعدا کا
کہ ذکر وہ ہے یہ منظور ہو جو شر تو کریں

نہ تجھ سے جذبۂ دل یہ بھی ہو سکا افسوس
کہ قبر مہر پہ وہ ایک دن گزر تو کریں

سحر وہ کیا جو تری چشم فسونگر میں نہیں
وہ کرامات ہی کیا جو تری ٹھوکر میں نہیں
جسم نازک ہے یہ نرمی دل کافر میں نہیں
واں عرض میں جو نفاست ہے وہ جوہر میں نہیں
چین دم بھر بھی ہمیں فرقت دلبر میں نہیں
ہم نشیں چین ہو کیا خاک کہ دل بر میں نہیں
در پہ آواز جو دیجے تو کس انداز کے ساتھ
کتنے آواز بدل کر یہیں کہ وہ گھر میں نہیں
لطف وعدے کا ہے یہ کیجے تو پورا کیجے
یہ بھی کچھ بات ہے بدی کر دی جو دم بھر میں نہیں
فکر فردا ہوا کرتا ہے تنگ ظرفوں کو
یاں بجز نام خدا شیشہ و ساغر میں نہیں
ہاں سنے جائیے یہ پرسش پیہم کب تک
چارہ گر جان نہ کھا درد مرے سر میں نہیں

کر دیا کوچۂ جاناں کی ہوا نے مدہوش
ہوش اب راہبری کا سرِ رہبر میں نہیں

ہم نشیں طعن یہ کیا ہے کہ سنبھالو دل کو
دل ہی پہلو میں نہیں دل ہی کسی بس میں نہیں

موم ہو جاتا ہے اک وقت تو وہ بھی کمبخت
آپکے دل میں ہے جو بات وہ پتھر میں نہیں

تیرے چہرے کی ضیا صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ
مہرِ روشن میں نہیں ماہِ منور میں نہیں

حیف اس طرح پلٹ جائیں عدو کے حق میں
وہ مرادیں جو مرے مہر مقدر میں نہیں

درِ جاناں سے نہ لیجائے خدا اور کہیں
ہم نہیں جائینگے اس در کے سوا اور کہیں

کر دیا اُن کی جدائی نے عزیزوں سے جدا
میں کہیں اور رہوں اور دل ہے مرا اور کہیں

آپکے کوچے میں اغیار کہاں آتے ہیں
میں نے ہی دیکھے ہیں نقشِ کفِ پا اور کہیں

کچھ اِدھر بھی کہ پیاسے ہیں بہت اے ساقی
جا پکارینگے وگرنہ فقرا اور کہیں

گھر سے نکلے تو تھے کعبے کا ارادہ کر کے
شوق کمبخت مگر لے ہی گیا اور کہیں

بے ٹھکانوں کا ٹھکانا ہے ترے کوچے میں
نہ گئے اور نہ جائیں یہ گدا اور کہیں

جب سے عاشق ہوئے ہم دیکھ لیا گھر اُس نے
نہیں نازل ہوئی مدت سے بلا اور کہیں

کوچۂ جاناں سے جو گزرے تو قضا چلائی
بندہ پرور نہیں تربت نے پایا اور کہیں

قیس و فرہاد نے آباد کئے دشت و جبل
جا مرے رہنے کو اے عشق بتا اور کہیں

ابتدا میں تھے غمِ عشق کے ارماں کیا کیا
آج ٹالی نہیں ٹلتی یہ بلا اور کہیں

حضرت مہر کسی دھن میں چلے آتے ہیں
آنکھ پڑتی ہے کہیں اور تو پا اور کہیں

وصل کا عہد استوار نہیں
اُن کے وعدوں کا اعتبار نہیں

ہم تصور میں اس تک پہنچتے ہیں — قدسیوں کا جہاں گزار نہیں
کس صفائی کے ہیں جنوں کے ہاتھ — جیب و داماں میں ایک تار نہیں
دل کے خلوت کدے میں آئیں آپ — اس مکاں میں کسی کو بار نہیں
ہوتے جاتے ہیں ہجر کے خوگر — اب وہ پہلا سا اضطرار نہیں
دل افسردہ نے مجھے مارا — کوئی موسم یہاں بہار نہیں
عشق میں سب ہیں جان سے بیزار — کچھ مجھی پر ہی انحصار نہیں
میں تمہاری گلی میں کیوں جاؤں — کیا کروں دل پہ اختیار نہیں

مئے الفت وہ مے ہے جس میں مہر
کیف ہی کیف ہے خمار نہیں

لوث عصیاں سے نہ دامن کو جو تر کرتے ہیں — زندگی بھی ہی دنیا میں بسر کرتے ہیں
ان کو ارباب وفا سے یہاں تک پرہیز — دامن افشاں مرے مرقد سے گزر کرتے ہیں
رخصت ناز نہیں شیوۂ انداز نہیں — بزم میں میری طرف کب وہ نظر کرتے ہیں
یا وہ دشمن سے ملیں یا ہو محبت ہم سے — تا کجا آج ادھر یا کہ ادھر کرتے ہیں
کس کی آمد ہے گلستاں میں کہ مرغان چمن — زمزمہ آج بالحان دگر کرتے ہیں
رخصت اے ہوش و خرد صبر و تحمل رخصت — وہ نگاہ غلط انداز ادھر کرتے ہیں
ہمیں آ جائیں لگاوٹ کی وہ باتیں اے کاش — غیر لیں جن سے تری آنکھوں میں گھر کرتے ہیں
کیسے کترا کے نکل جاتے ہیں ہم سے یار — وہ گزر بھی جو سر راہگزر کرتے ہیں

ہو تو ہو کیونکہ تسلی دل بیتاب کو مہر
شرط ایفا نہیں وہ وعدہ بھی گر کرتے ہیں

پھر درد ہے جراحتِ جسمِ فگار میں
آتی ہے بوے مشکِ نسیمِ بہار میں

یوں محو ہوں تصوّرِ روئے نگار میں
کچھ فرق ہی نہیں مرے لیل و نہار میں

اے کشتگانِ عشق وہ محشر خرام ہے
آسودگی نصیب نہ ہوگی مزار میں

قدغن وہاں کہ عرضِ تمنّا نہ کیجئے
یاں شوق کا ہجوم دلِ بیقرار میں

جو داغہائے کہنہ کہ افسردہ ہو گئے
اب پھول بنکے کھلتے ہیں فصلِ بہار میں

ایسا نہ ہو کہ تیری نزاکت پہ حرف آئے
ظالم شکستِ عہد و شکستِ قرار میں

پہلو میں مہر حضرتِ دل کا کہاں پتا
ڈھونڈو کسی گلی میں کسی رہگزار میں

دل آگ میں ہے اور جگر التہاب میں
اے عشق جل گیا میں تفِ سینہ تاب میں

یوں چاہیں آپ لاکھ چھپالیں نقاب میں
پاسِ حیا کہاں نگہِ بے حجاب میں

طغیانِ اشک یوں مری چشمِ پُرآب میں
دریا میں ہے حباب کہ دریا حباب میں

وقتِ نظارہ ہوش کہاں شیخ و شاب میں
جادو ہے آپ کی نگہِ نیم خواب میں

ہاں مژدہ اشتیاقِ شہادت کہ آج پھر
ہے مشورہ عدو سے مرے سر کے باب میں

ظالم ترے بگاڑ میں بھی کچھ لگاؤ ہے
پوشیدہ زیرِ لب ہے تبسّم عتاب میں

ہم اور کوئے غیر پئے جستجوئے دوست
غیرت کا بھی خیال نہیں اضطراب میں

ہاں شوق مقتضی کہ کہے جاؤ حالِ دل
واں تمکنت کہ بات نہ کیجئے جواب میں

عشقِ مجاز حسنِ حقیقی کو چھوڑ کر
ڈوبے بھی آپ مہر تو موجِ سراب میں

بیوجہ رنجشوں سے یہاں جا نہیں جاں نہیں
کہتے ہو اس پہ مجھ کو سرِ امتحاں نہیں

پہنچے ہیں انتہائے محبت کو یاس سے
اب ہم وہاں ہیں دخل ہوس کو جہاں نہیں

واں ایک ایک بات میں سو سو لگاؤ ہیں
ہمدم سہی رقیب مگر رازداں نہیں

گر تر نہیں دماغ تو پھر زہدِ خشک ہے
وہ پیر کب ہوا جو مریدِ مغاں نہیں

آنکھیں یہ کہہ رہی ہیں لگاوٹ ضرور ہے
ظالم عدو سے غمزۂ پنہاں نہاں نہیں

دزدیدہ تھی نگاہِ کرم اس پہ یہ ستم
پہلو میں دل نہیں دلِ مضطر میں جاں نہیں

دیکھو تو سادگی مری امیدِ وصل ہے
حالانکہ اُن سے رسم و رہِ رمغاں نہیں

سُن سُن کے مجھ سے شکوۂ بیداد برملا
کیا چُپ ہوئے ہیں آپ کہ مُنہ میں زباں نہیں

تمکین نے پھر خاک میں ہم کو ملا دیا
ایفائے عہد واں نہیں ابرام یاں نہیں

دیکھا اگر نہ آپ نے ہو لالہ زار کو
دیکھو کسی کے جا کے دلِ داغدار کو

رحمت خدا کی دیدۂ خونابہ بار کو
پانی کیا ہے شرم سے ابرِ بہار کو

تدبیر نا مساعد و تقدیر واژگوں
کیا کوسئے زمانۂ ناسازگار کو

دامانِ ناز اُن سے جھٹکوا کے اے صبا
شرمندہ کیوں کیا مری مشتِ غبار کو

اے عشق تجھ سے جب سے سروکار ہو گیا
ہم چھوڑ بیٹھے اور ہر اک کاروبار کو

علم الیقین سے عازمِ حق الیقین ہیں آ
کر جبر دل پہ چاہے اگر اختیار کو

بہرِ دوا بتائے گلرنگ چارہ گر
بیمارِ رازِ نرگسِ میگونِ یار کو

اے نفسِ مطمئن پئے تسکینِ اضطرار
تیری تلاش ہے دلِ پر اضطرار کو

افسردہ دل ہوں وہ کہ میّز نہ کر سکا
فصلِ خزاں سے میں کبھی فصلِ بہار کو

کر لیجے وعدہ وصل کا ایفا نہیں سہی
تسکین تو ہو مرے دلِ امیدوار کو

آغاز پھر ہے سلسلہ جنبانئے جنوں
پھر ذوقِ دشت ہے دلِ شوریدہ ار کو

ماناکہ صبر ہی سے برآئے گا کام دل — لیکن کہاں قرار دلِ بے قرار کو
کیا سادگی ہے واہ دمِ نزع بار بار — کرتا ہوں یاد اُن سے تغافل شعار کو
ماتم تھا کل قرار کا ہے آج صبر کا — رہتا ہے سوگ روز دلِ سوگوار کو

طولِ امل کی طرح ہے طولِ سخن خراب
اے مہرؔ اختیار کرو اختصار کو

لطف آ جائے محبت کا مری جاں مجھ کو — ہو وہی درد تجھے جو ہے ستمراں مجھ کو
تم اگر جلوہ نما ہو تو ہو وحدت کثرت — آئینہ خانہ نظر آئے پرستاں مجھ کو
چوستے ہیں دہنِ زخم مزے لے لیکر — لبِ معشوق ہے اس تیر کا پیکاں مجھ کو
دلِ افسردہ نے افسوس کہیں کا نہ رکھا — صحن گلزار سے اچھا ہے بیاباں مجھ کو
ہائے شورافگنیٔ حسنِ ملیح قاتل — ہر جراحت کی صدا آئے کہ نمکداں مجھ کو
کب اُٹھاتا ہے نقابِ رخِ زیبا وہ شوخ — بس پریشاں نہ کرائے خوابِ پریشاں مجھ کو
فکر تھی روزِ ازل دیں غمِ الفت کس کو — ہاتھ پھیلا کے پکارا دلِ انساں مجھ کو
گھر میں بیٹھا نہ گیا راہ میں ٹھیرا نہ گیا — لے گیا شوق نہ جانا تھا جہاں اُں مجھ کو
یا سکھانی نہ تھی اس شوخ کو یہ طرزِ جفا — یا نہ دینا تھا الٰہی دلِ نالاں مجھ کو
ایک ہی دور میں گر کے نہ سنبھلا ساقی — گردشِ جام ہوئی گردشِ دوراں مجھ کو

بات میں لوٹ گیا مہرؔ ملا تھا شاید
دل بھی ہو کر کسی بدعہد کا پیماں مجھ کو

دل ہے اچھا وہی جو دل کا کبھی بار نہ ہو — ایسی تحریر یہ ہو دنیا سے سروکار نہ ہو
درد ہو داغ ہو سب کچھ ہو دلِ زار نہ ہو — یہ جو پہلو میں نہ ہو جان کو آزار نہ ہو

تو تصور میں اگر اے مژۂ یار نہ ہو
دل میں یہ آٹھ پہر کی خلشِ خار نہ ہو

کچھ ادھر بھی کہ سرِ رہگزر بیٹھے ہیں
اے نگاہِ غلط انداز اگر عار نہ ہو

میں کبھی کوچۂ دلدار میں جا کر نہ پھروں
راہبر تو اگر اے شوقِ غلط کار نہ ہو

دیکھے بتخانے میں تو شیخ خدا کا جلوہ
اگر آنکھوں پہ پڑا پردۂ پندار نہ ہو

جلوہ ہرجائی و حُسن آئینۂ لذتِ دید
پھر غضب کیا ہے ہمیں رخصتِ دیدار نہ ہو

وعدہ کرتے ہیں مگر ساتھ ہی کہ دیتے ہیں
کبھی ابرام نہ ہو اور کبھی اصرار نہ ہو

ہاتھ بے ساختہ ہر پھر کے اُدھر جاتا ہے
اے جنوں دیکھ تو دامن میں کوئی تار نہ ہو

خاکِ دلسوز پہ چھڑکاؤ ہو ٹھنڈک کیلئے
مدعا یہ کہ غبارِ رہِ اغیار نہ ہو

آپ پہلو سے اُٹھے ساتھ ستارہ ٹوٹا
مجھے ڈر ہے کہ مرا طالعِ بیدار نہ ہو

مُنہ پہ آجائے تو پھر لطف کہاں حضرتِ مہر
شکوہ جب تک ہے کہ منت کشِ گفتار نہ ہو

کھویا ہے گو نشان مگر کس نشاں کے ساتھ
دیکھو مری خودی کو خدا ہے جہاں کے ساتھ

ہے مغز استخواں کی طرح استخواں کے ساتھ
اچھا لگا ہے عشق کا آزار جاں کے ساتھ

ہوتے ہیں روز تازہ اسیروں پہ ہاتھ صاف
مشقِ جفا بڑھاتے ہیں وہ امتحاں کے ساتھ

یارب گری نہ خانۂ صیاد پر کبھی
اٹکھیلیاں تھیں برق کی بس آشیاں کے ساتھ

قدغن وہاں کہ عرضِ تمنا نہ کیجئے
یاں لاکھ حسرتیں دلِ ناشاد ماں کے ساتھ

لینے لگا ہے بختِ سیہ آسمان کی
نسبت کسی قدر ہے جو زلفِ بتاں کے ساتھ

پہلو میں دل نہیں دلِ مضطر میں جاں نہیں
کیا کیا وہ لے گئے نگہِ دلستاں کے ساتھ

کرتے ہیں اُن سے حسرتِ دیدار کا گلہ
نرگس کے پھول بھیجتے ہیں ارمغاں کے ساتھ

پھر کہنا ہاتھ اُٹھا کے ذرا ذکرِ غیر پر
پالا پڑے خدا نہ کسی بدگماں کے ساتھ

آشفتگی نے آپ کی بیزار کر دیا ۔۔۔ دل کو اثر کے ساتھ اثر کو فغاں کے ساتھ

اچھی گزر رہی ہے یہاں تو جو نبھ سکے
اے مہرؔ دیکھ لینگے وہاں کی وہاں کے ساتھ

نہ ہوگا بوالہوس بہرہ حقیقی عشق بازی سے ۔۔۔ بھرا رہتا ہے دل تیرا خیالاتِ مجازی سے
الٰہی کیا تعجب ہے تری ذرہ نوازی سے ۔۔۔ کہ بخشے مہرؔ سے عاصی کو بھی تو بے نیازی سے
صدائے قل ہو اللہ احد مضمر ہے قلقل میں ۔۔۔ ہوا شیشے کو شاید دست بیعت فخر رازی سے
نہ جلتا شعلۂ سرکش نہ جل کر خاک یوں ہوتا ۔۔۔ سمجھتا گر کہ کچھ حاصل نہیں گردن فرازی سے
نظر آئی صراحی خم میں کچھ دل گرفتہ سی ۔۔۔ الٰہی چھو گئی یہ پاکدامن کیا نمازی سے
شبِ ہجراں بسر ہونے میں آئی ہے نہ آئیگی ۔۔۔ سبق اُس نے لیا ہے زلفِ پیچاں کی درازی سے
سوالِ وصل ہے اُسکو نہ ٹالیں آپ باتوں میں ۔۔۔ ہمیں ہے اور امید آپ کی بندہ نوازی سے
مصافِ عشق ہے اے دل بھروسا تجھ پہ ہے میرا ۔۔۔ نمایاں ہوں ذرا کار نمایاں مردِ غازی سے
کڑی ہے عشق کی منزل بڑی ہے دقت و مشکل ۔۔۔ مگر آساں کرے اللہ اپنی کارسازی سے
خیالِ یار دل میں امن سے کب بیٹھنے پایا ۔۔۔ تمہارے ہی خیالات پریشاں ترکتازی سے
ہوس دنیائے دوں کی سب کو کردیتی ہے تردامن ۔۔۔ رہے کتنا ہی کوئی کیوں نہ اس جا پاکبازی سے
سماعِ بزمِ رنداں کے مزے تو شیخ کیا جانے ۔۔۔ صدائے دوست ہم سُنتے ہیں عشاق حجازی سے
تجلی طور پر موسےٰ نے دیکھی ہو تو دیکھی ہو ۔۔۔ بہت دل تنگ ہیں ہم تو تمہاری بے نیازی سے

جہانِ بے ثبات اے مہرؔ بازیگاہِ طفلاں ہے
بس اب پیری میں تم باز آ خیالِ لہو بازی سے

حیرت ہے مجھے یہ مئے گلنار کھری ہے ۔۔۔ یا ساقیٔ مہوش ترے شیشے میں پری ہے

اے آہ اگر تجھ میں یہی بے اثری ہے ۔ سودائے محبت مرا بیہودہ سری ہے

دیکھے تری دزدیدہ نگاہوں کو تو ظالم ۔ لقمان پکارے کہ یہ حکمت نظری ہے

یہ بھی نہ کہو عشق ہے اُس پردہ نشیں سے ۔ اس میں بھی تو اے ہجر و پردہ دری ہے

تقوے کے بھروسے پہ نہ جانا کبھی زاہد ۔ اُس چشم فسوں گر میں غضب عشوہ گری ہے

کر ڈالا ہے خاک اس نے پہاڑوں کو جلا کر ۔ وہ برقِ جہاں سوز تری جلوہ گری ہے

اے بوالہوس یہ دعوئے الفت سے ہوس محض ۔ یاں جو ہے خبردار اُسے بے خبری ہے

جو کرنا ہے کر لے کہ نہیں دم کا بھروسا ۔ سمجھا ہے جسے عمر چراغِ سحری ہے

مظہر میں نظر آئے اُسے نور الٰہی ۔ ہے آنکھ میں کوئی تو یہی دیدہ وری ہے

دیدار کی ہے شرط اہم جاں سے گزرنا ۔ اُٹھے نہ اُٹھائے سے جو وہ تم نے دھری ہے

اے عمرِ رواں اتنی شتابی نہیں لازم ۔ دریا کے حبابوں کو سر ہمسفری ہے

الفت کا مزا جب ہے طبیعت میں ہو اخلاص
گر یہ نہیں اے مہرؔ تو بیہودہ سری ہے

مہر مقبول دعا ہوتی ہے دینداروں کی ۔ کون سنتا ہے وہاں ہم سے سیہ کاروں کی

نہیں جز وصل دوا عشق کے بیماروں کی ۔ چارہ سازی ہے ترے ہاتھ میں بیچاروں کی

اُن کی باتوں پہ نہ جانا کبھی اے حضرتِ دل ۔ کیونکہ باتیں نہیں گھاتیں ہیں یہ عیاروں کی

ناز جتنا گلِ تر پر ہو چمن کو ہے بجا ۔ کچھ شباہت سی ہے اس میں ترے رخساروں کی

زہد و طاعت نہیں یاں ایک بھروسا ہے یہی ۔ رحمتِ حق ہے طرفدار گنہگاروں کی

ہوں اگر حضرت عیسیٰ بھی تو دیں صاف جواب ۔ دور سے دیکھ کے صورت ترے بیماروں کی

دار پر کس لیئے منصور کو کھینچا اے عشق ۔ بخش بھی دیتے ہیں تقصیر خطاواروں کی

دین و دنیا کے بکھیڑے بخدا مٹ جائیں ۔ مان لو ایک بھی سو میں سے اگر یاروں کی

پوچھنے کیا ہو کہ عشاق کا مطلب کیا ہے
صورت حال کہے دیتی ہے بیچاروں کی

بخدا سایۂ طوبٰی سے بھی بہتر ہے ہمیں
چھاؤں بے مہر ترے کوچے کی دیواروں کی

جو ہے اس حسن میں سرمست مجھے ملجائے
ہائے یوسف یہ سرے بھیڑ خریداروں کی

مئے الفت سے ہوئی جسکو یہاں بیخبری
بات اسمیں ہی نکلتی ہے خبرداروں کی

تیرے ہمراہ وہ کعبے کی طرف کیوں جائیں
راہ لے زاہد خشک اور ہے میخواروں کی

دین کو چھوڑ دیا آپ نے دنیا کے لئے
حضرتِ مہر یہ باتیں نہیں ہشیاروں کی

طاعت پہ اپنی شیخ عبث تجھ کو ناز ہے
غرّہ نہ کر کہ ذاتِ خدا بے نیاز ہے

تم کو عبث درازئ گیسو پہ ناز ہے
میرا ہے تجربہ۔ شبِ ہجراں دراز ہے

عصیاں کی میری گرچہ کہانی دراز ہے
بس اتنا آسرا ہے کہ تو بے نیاز ہے

جب تک ہے آنکھ شوقِ نظارہ نہ جائیگا
کیونکر فرو ہو فتنہ درِ فتنہ باز ہے

پہنچے ہیں ہم پیالہ و شیشے سے تا سبو
سچ کہتے ہیں کہ حرص کا دامن دراز ہے

صنعت ہے شیخ صانعِ مطلق کی جلوہ گاہ
میری نظر سے دیکھ حقیقت مجاز ہے

پروانہ اور شمع میں تھی رات گفتگو
اے عشق سوز ہی سے فقط تجھ کو ساز ہے

جب تک خودی ہے تجھ میں رہیگا خدا سے دور
یاں مایۂ فساد فقط امتیاز ہے

تو نازنین ہے اس لئے زیور ہے تیرا ناز
میں خاکسار ہوں مجھے زیبا نیاز ہے

اُس بت کو دیکھ لے تو دکھا دینگے تجھ کو شیخ
اس کی گلی کی خاک تری جانماز ہے

کیا جستجو ہے دیر و حرم میں ہے کیا تلاش
غافل خدا کا گھر تو دلِ پاکباز ہے

میں نے نکاتِ عشق لکھے داد دیجئے
ہاں اہلِ بزم گر کوئی نکتہ نواز ہے

اگر کان ہوں تو شور انا الحق ہے ہر طرف
یاں جو صدا ہے مُہر وہ سربستہ راز ہے

وہی معیارِ الفت پر یہاں پورے اُترتے ہیں
خدا کے عشق میں اپنی خودی سے جو گزرتے ہیں

تری الفت کا دم جو اے بتِ بے مہر بھرتے ہیں
نہ وہ کمبخت جیتے ہیں نہ وہ کمبخت مرتے ہیں

نہ ہم طوفان سے ڈرتے ہیں نہ ہم جور فلک سے ڈرتے ہیں
ہمارا دین ہے یہ تیری رضا پر صبر کرتے ہیں

حیات اُنکی ہے جیتے جی میسر وصل ہے جن کو
اجل اُن کی ہے جیتے جی جو ظالم تجھ پہ مرتے ہیں

جگر پھٹتا ہے سُن سُنکر ترے عشاق کے نالے
الٰہی ہم تو راہِ عشق میں ناکام مرتے ہیں

ہمیں تو یاد کرا در یا نہ کر تیری رضا لیکن
ہمارا تو یہی ہے کام تجھ کو یاد کرتے ہیں

نہ آنیکا بہانہ ہے مکرنے سے ہے کیا حاصل
نہیں مہندی لگاتے آپ خونِ عذر کرتے ہیں

سنبھل کر راہِ الفت میں ذرا اے دل قدم رکھنا
کڑی منزل ہے اسمیں ہوش انساں کے بکھرتے ہیں

جو تم وعدہ کرو سچا بھی تو کس کو یقین آئے
مثل ہے سانپ کے کاٹے ہوئے رسی سے ڈرتے ہیں

مجاز اپنے لئے زینہ حقیقت کا ہوا ہمدم
خدا کی شان ہے بگڑے ہوئے بھی کیا سنورتے ہیں

وہ خود ہی بدگماں ہیں کیا ضرورت اشتعالک کی
مری جانب سے کیوں اغیار اُنکے کان بھرتے ہیں

نہ دن کو چین آتا ہے نہ شب کو نیند آتی ہے
نہ پوچھو ہجر میں کیا جان کی صدمے گزرتے ہیں

توکل اپنا مسلک ہے رضا پر تیری شاکر ہیں
تو چاہے جور کر یا لطف ہم تو صبر کرتے ہیں

اُبھارا عشق کے دریا میں لیکے کون پاتا ہے
وہ دریا اور ہی ہونگے جہاں ڈوبے اُبھرتے ہیں

نہ چھوڑیں وہ جفا تو چھوڑ بیٹھو مہر تم اُن کو
تم اپنی سی کرو اپنی سی وہ تو کر گزرتے ہیں

گل میں بو میری ہے بلبل میں نوا میری ہے
تجھ میں نکہت جو ملے بادِ صبا میری ہے

شم ہے مادّہ اور مادّے میں نور کہاں
پردۂ چشم میں جو کچھ ہے ضیا میری ہے

سکہ ہوں ہستئ مطلق مرا اجب ہے وجود
ماسوا کو ہے فنا اور بقا میری ہے

قل کل ہے سر دربار کا اک منصب دار
اور قضا کار کن دار قضا میری ہے

مدق آتا ہے نظر عالم رویا مجھ کو
واہ کیا واہمہ کیا فکر رسا میری ہے

بب کہ علت ہے عدم کیوں نہ ہو معلول عدم
کالعدم ہے یہ جہاں اور بقا میری ہے

پھر یہ عالم تمثال ہے نیرنگ خیال
صدق کی آئیں ہے جو کچھ کہ صفا میری ہے

نہ اس کی انتہا ہے کچھ نہ اس کی کچھ نہایت ہے
شب ہجراں مگر ہمشیرۂ روز قیامت ہے

تصور دل میں تیرا اسکے لیے کان ملاحت ہے
ہر اک زخم نہاں اپنا نمک سودہ جراحت ہے

تری جو بات ہے اے آفت جاں ایک آفت ہے
بلا زلفیں ہیں آنکھیں فتنہ ہیں قامت قیامت ہے

مصاف عشق میں ہے اے دل نہ بڑھ کر اک قدم ہٹنا
کہ گر جیتے تو غازی ہو جو ہارے تو شہادت ہے

کہے آئے دھی پہ صبر اے دل تو پھر ساری بلا تجھ کو
یہاں گر کوئی نعمت ہے تو وہ نعمت قناعت ہے

تیرے جاتے ہی کیا کیا میہماں رخصت ہوئے ہم سے
وداع جان و دل ہے الوداع صبر و طاقت ہے

بچے تو ہم نشیں تو ہی بتا کیونکر نبھے ان سے
مری عادت ہے بے صبری تغافل ان کی عادت ہے

تری زلف سیہ کی سب بلائیں مجھ پہ کیوں آئیں
مگر اپنے ہی اعمال سیہ کی یہ بھی شامت ہے

ہجوم یاس میں میں کنج تنہائی سے ایمن ہوں
کسی نے سچ کہا ہے یہ جماعت سے کرامت ہے

مہ و خورشید پر فلک کو ناز زیبا ہے کہ دونوں میں
کسی کے عارض پر نور کی سی کچھ شباہت ہے

سرائے پنج روزہ میں ہمیشہ کون رہتا ہے
یہی دو چار دن یاں ہر مسافر کی اقامت ہے

گراں جانی نے میری بیگناہی کو کیا ثابت
پسینہ رو رہے قاتل پر نہیں آب ندامت ہے

کہاں آسودگان خاک کو آسودگی ظالم
تری رفتار کی اٹکھیلیوں سے وہ قیامت ہے

خزاں گزری نہیں ہے اور وحشت زا کرتی ہے
بہار آنے تو دو پھر دیکھنا کیا دل کی رنگت ہے

مئے انگور ہے لے مہر دشنام لب شیریں
غضب تلخی کا چٹخارہ لئے اسکی حلاوت ہے

اللہ رے شوخیاں نگہ بے حجاب کی
دم بھر میں دھجیاں سی اُڑا دیں نقاب کی

لے زلف یار لے نہ بہت پیچ و تاب کی
یہ بھی ہے ایک چال مرے اضطراب کی

رحمت الٰہی ہم بھی تو دیکھیں سحاب کی
جب جانیں آج نہر بہا دے شراب کی

نیچی نگاہ آپ کی سو شوخیوں کے ساتھ
شوخی میں لاکھ نمائش حجاب کی

وہ حسن دلفریب ہی نظارہ سوز تھا
کہنے کو بات رہ گئی بند نقاب کی

پر زرے اُڑے کبوتر و پیغامبر کے دل
ہم راہ دیکھتے رہے خط کے جواب کی

کچھ رنجشیں وہ اُن کی لگاوٹ لئے ہوئے
کچھ دلدہی کے ساتھ وہ باتیں عتاب کی

زاہد مئے طہور میں یہ لذتیں کہاں
کمبخت پیکے دیکھ تو چُسکی شراب کی

دشمن سے رنجشیں تھیں دکھانے کے واسطے
پہچانتے ہیں ہم بھی نگاہیں عتاب کی

تو اور تخلئے کی رقیبوں سے آرزو
میں اور حسرتیں ترے درباں کے خواب کی

دیں کا رہا نہ مہر نہ دنیا کا بدنصیب
مٹی خراب ہے دل خانہ خراب کی

خرابئ دل خانہ خراب باقی ہے
ابھی حضور کا کچھ کچھ عتاب باقی ہے

بھلا ہو پیر مغاں کا ہمیں بھی مل جائے
بچی کھچی جو سبو میں شراب باقی ہے

لحد میں آکے نکیرین مجھ کو دق نہ کریں
کسے فراغ سوال و جواب باقی ہے

فروغ حسن سے اس رخ پہ کب نظر ٹھہری
حجاب اُٹھ بھی گیا تو نقاب باقی ہے

بھرے ہوئے ہیں شکایت سے چھیڑنے کی ہے دیر
ہماری آگ میں بس التہاب باقی ہے

الٰہی روزِ قیامت تو ختم پر آیا
مجھے ابھی گلۂ بے حساب باقی ہے

ابھی نقاب کا پردہ نبھائے جاتے ہیں
نگاہِ شوخ میں کچھ کچھ حجاب باقی ہے

شبِ فراق کا جاگا ہوں مت جگائے حشر
مجھے ہنوز تمنّائے خواب باقی ہے

ستم بُرا ہے کوئی جا کے ان بتوں سے کہو
کہ ظالمو ابھی روزِ حساب باقی ہے

کہاں ہے دل مرے سینے میں پھر مدت سے
جلا ہوا سا فقط اک کباب باقی ہے

آنچ آتشِ گل کی کہیں گلشن پہ نہ آئے
آسیب مری شاخِ نشیمن پہ نہ آئے

باریک ہیں زخمِ دلِ مجروح کے ٹانکے
آشوب کہیں دیدۂ سوزن پہ نہ آئے

جو مجھ پہ بلا آئی ترے عشق میں ظالم
احباب تو احباب ہیں دشمن پہ نہ آئے

قدغن ہے کہ تنہائی کے مارے رہیں تنہا
پروانہ بھی شمعِ سرِ مدفن پہ نہ آئے

یہ خاک سے پرہیز ہے اربابِ وفا کی
جب تک نہ ہو چھڑکاؤ وہ مدفن پہ نہ آئے

اس عہد میں دعوے ہیں خدائی کے بتوں کو
کچھ اور بلا شیخ و برہمن پہ نہ آئے

گرنا تھا تری آنکھ سے اور خاک میں ملنا
وہ اشک ہوں میں جو سرِ دامن پہ نہ آئے

اوّل تو دلِ زار کا آنا نہیں اچھا
آئے تو کسی کافرِ پرفن پہ نہ آئے

خنجر کی عوض کرتے ہیں بندوق کی وہ مشق
تا خون کا دھبّا سرِ دامن پہ نہ آئے

ہیں جن کے لئے مر کے ہوا خاک وہی پھر
دو پھول چڑھانے مرے مدفن پہ نہ آئے

کسی طرح شبِ ہجراں بسر نہیں ہوتی
یہ کیسی شب ہے الٰہی سحر نہیں ہوتی

سدا بہار ہے باغِ جہاں میں نخلِ امید
ہر ایک شاخ مگر بارور نہیں ہوتی

مآلِ عشق کا کیا بوالہوس تماشبیں سمجھے
یہ بات ایسی ہے وہ جس کی خبر نہیں ہوتی

مٹا دیا مجھے یک رنگی طبیعت نے
کبھی ادھر سے یہ کمبخت اُدھر نہیں ہوتی

خلشِ عشق گوارا ہے کس قدر ہمدم
ابھی سے کاوشِ دردِ جگر نہیں ہوتی

کسی کا صبر نہ لے ڈر خدا سے اے ظالم
کہ آہِ نیم شبی بے اثر نہیں ہوتی

جفا و جور پہ کس کس کے باندھتے کیا ہیں
غلط ہے یہ کہ بتوں کی کمر نہیں ہوتی

نگاہِ قہر ہی سے دیکھ تو لیا کیجے
نگاہِ لطف تو مانا ادھر نہیں ہوتی

وہ یوں تو مجھ پہ بہت مہرباں ہیں پر ہمدم
کسی کے دل کی کسی کو خبر نہیں ہوتی

عجب طرح کا ہے پتھر کا دل تمہارا بھی
کہ اس میں آہ کبھی کارگر نہیں ہوتی

کسی کا زور نہیں اس پہ یہ طبیعت ہے
جب آ گئی تو ادھر سے اُدھر نہیں ہوتی

ملے تو دُردِ تہِ جام بھی غنیمت ہے
یہاں رعایتِ دُرد و کدر نہیں ہوتی

وہ ماہتابی پہ بیٹھے ہیں اور وہ نور ہے مہر
کہ اس طرف کو نگاہِ قمر نہیں ہوتی

کچھ علاجِ دلِ بیتابیِ جاں ہو جائے
آج اگر وصل کے وعدے پہ ذرا ہاں ہو جائے

تم اگر بزم میں آ جاؤ پرستاں ہو جائے
شہ نشیں جائے کہ تختِ سلیماں ہو جائے

ہم نشیں اسکو کہا کرتے ہیں صحبت کا اثر
تیر آئے مرے سینے میں اور ارماں ہو جائے

حق نے وہ مصحفِ رخسار تجھے بخشا ہے
کہ جسے دیکھ کے کافر بھی مسلماں ہو جائے

طرزِ نالہ سنے اندازِ فغاں کو دیکھے
غیر بیٹھے مری صحبت میں تو انساں ہو جائے

حیف اے جذبۂ دل تجھ سے تو یہ بھی نہ ہوا
کہ مری قبر پہ وہ شوخ ستم راں ہو جائے

تیری آنکھیں یہی کرتی ہیں اشارے ظالم
کوئی بیدل کوئی بسمل کوئی بیجاں ہو جائے

آب خنجر ہو ندامت سے پسینہ قاتل
سامنے مجھ سا اگر کوئی گرانجاں ہو جائے

پاؤں پھیلائے اگر وحشت خاطر نے بھی
مجھ کو ڈر ہے مرا گھر ہی بیاباں ہو جائے

تیرے بسمل کو تمنّا ہو اگر جینے کی
جوہر خنجر خونخوار رگِ جاں ہو جائے

اک جہاں میں ترا شہرہ ہے مسیحائی کا
کچھ ہمارے بھی دلِ زار کا درماں ہو جائے

تجھ کو اے بختِ سیہ اس لئے ہم لائے تھے
کہ تو یاں آکے بلائے شبِ ہجراں ہو جائے

کس نے دیکھا ہے قیامت کو ہمارا اُن کا
فیصلہ آج ہی ہونا ہے جو کچھ ہاں ہو جائے

آنکھ ساقی کی جو پلٹے تو پلٹ جائے جہاں
گردشِ ساغرِ مے گردشِ دوراں ہو جائے

اپنا معشوق ہے وہ عالم تصویر اے مہر
کہ اُسے دیکھے تو بہزاد بھی حیراں ہو جائے

بزم جاناں سے نکلنے کو تو ہم ہاں نکلے
غیر کا بھی نہ الٰہی کوئی ارماں نکلے

عشق نے مہر جو نکلے تو یہ ارماں نکلے
دل دیا جن کو وہی جان کے خواہاں نکلے

غم نہ نکلے مرے دل سے تو کہیں جاں نکلے
ایک ارمان تو اے کثرت حرماں نکلے

بزم دنیا میں نہیں نام کو جمعیتِ دل
مطمئن آئے تھے ہم اور پریشاں نکلے

پنبۂ داغ جگر کچھ جو اٹھا دوں تو ابھی
انگلیاں اٹھتی ہیں وہ اختر تاباں نکلے

مہرباں جان کے دل جن کو دیا تھا ہم نے
وہ ستمگار ستم کیش ستمگراں نکلے

تو نے اے سوز دروں پھونک دئے جان و جگر
دل سے نالے بھی جو نکلے شرر افشاں نکلے

آپکی بزم میں ہم آپ سے ملنے کے لئے
خوش خوش آئے تھے مگر کیا ہی پشیماں نکلے

گردش چرخ کے قائل ہوں جب اپنی بھی کبھی
کوئی حسرت کبھی نکلے کوئی ارماں نکلے

آپ یوں جلوہ نما رات کو مہتابی پر
ہم بھی تو دیکھیں کہ کیونکر مہ تاباں نکلے

مہرؔ یہ حسن گلو سوز ہے وہ ہوش ربا
آئینہ خانے سے وہ آپ بھی حیراں نکلے

کیا دلفگار عشق بتِ گلبدن میں ہے
کچھ بوئے داغ لالۂ خونیں کفن میں ہے

جلوہ ہے آپ کا کہ یہ جلوہ ہے مہر میں
نکہت ہے آپ کی کہ یہ نکہت سمن میں ہے

ہاں انگلیوں سے ساتھ نبھے جائے اے جنوں
جب تک کہ ایک تار مرے پیرہن میں ہے

آنکھوں میں پھر رہی ہیں تجلّی کی شوخیاں
جلوہ کسی کا یاد مجھے انجمن میں ہے

کیا ڈھونڈھتا ہے وائے ایمن میں بوالہوس
جس کی تلاش ہے وہ دلِ برہمن میں ہے

ہاں اے خراشِ ناخنِ دستِ جنوں مدد
پھر اندمال سا مرے زخم کہن میں ہے

رنگ اور آپ کے لبِ دنداں کا ہائے ہائے
دُرِّ عدن میں ہے نہ عقیقِ یمن میں ہے

عشقِ فسردہ کو ہوئی آتش نگاہِ لطف
بھلا سا سوز پھر مرے زخم کہن میں ہے

جس قُم پہ مہرؔ حضرت عیسےٰ کو ناز تھا
اِک بات ہے کہ اُس لبِ اعجاز فن میں ہے

چلے ہیں کیسے وہ مٹھی میں دل چھپائے ہوئے
نظر چرائے ہوئے آنکھ کو بچائے ہوئے

کسی کی شوخئ رفتار کے مٹائے ہوئے
اُٹھے جو حشر کے دن بھی تو کسمسائے ہوئے

نہیں ہے منزلِ مقصود دُور اے سالک
قسم خدا کی چلا چل قدم بڑھائے ہوئے

حیا بھی ناز ہے لیکن نہ اس قدر ظالم
کہ خواب میں بھی جو آئے تو مُنہ چھپائے ہوئے

جواب شکوۂ جور و جفا کے از بر ہیں
سبق رواں ہیں اُنہیں غیر کے پڑھائے ہوئے

نہ جائیں بزم عدو میں کہ پاس تمکیں ہے
ہو لے دیدہ نہ لیجائے گر اُڑائے ہوئے

سمجھ لیا تھا گئے آپ دین و دنیا سے
سنا جو حضرتِ دل ہیں کسی پہ آئے ہوئے

تمہارے کوچے میں اغیار تو نہیں آتے | کسی کے نقش قدم سے ہیں کچھ مٹائے ہوئے

رہِ تلاش میں آیا نہ چین ہم کو مہر
کہ خارِ راہ تھے تلووں پہ خار کھائے ہوئے

مہر سمجھا بھی کہ نیرنگیٔ دنیا کیا ہے | سامنے آنکھ کے ہونا یہ تماشا کیا ہے
ذات شاہد ہے احد اور ہے بیحد مشہود | وحدتِ ذات میں کثرت کا معمّا کیا ہے
عبدؔ معبود و عبادت میں یہ تفریق ہے کیوں | عبدؔ معبود و عبادت کا یہ جھگڑا کیا ہے
اصل سے ہوتی ہیں کس طرح فروعات جُدا | اصل بِن وصل فروعات کا رستا کیا ہے
کون ہے پردہ نشین کس کو ہوائے دیدار | اور اس پردے میں ماہیتِ اخفا کیا ہے
منعکس شیشۂ دل میں ہو جو عکس پُر نور | غور سے دیکھ کہ وہ عکس ہے کس کا کیا ہے
کس کو کہتے ہیں فنا اور بقا اور امکاں | زندگی کہتے ہیں کس چیز کو مرنا کیا ہے
جیتے جی جاں سے گزر جاتے ہیں کیونکر عُشّاق | جیتے جی جاں سے یہ اس طرح گزرنا کیا ہے
کون ہے پیرِ مغاں کیا ہے شراب عرفاں | کون پیتا ہے اسے اس میں نشا یہ کیا ہے
کعبۂ دل کا کیا کرتے ہیں کس طرح طواف | بتکدے میں بتِ بے مہر کا جلوہ کیا ہے
تو نے سمجھا بھی حقیقت کا شریعت سے فرق | رند اور شیخ کا آپس میں قضیّا کیا ہے
وصل کیا چیز ہے کس چیز کا ہے نام فراق | ذوقِ دیدار کا عُشاق کو چسکا کیا ہے
چھا گئی ہستئ مطلق پہ نمودی ہستی | آفریں ہو تجھے امکاں ترا کہنا کیا ہے
آبِ حیواں ہے تہِ پردۂ ظلمات نہاں | یہ عیاں اور وہ پنہاں یہ معمّا کیا ہے

بیخودی کیا ہے خودی کیا ہے خدا کیا اے مہر
ایک ہی چیز میں تفریقِ تلثہ کیا ہے

اشعار متفرق

غنچے سے کہ کیا الٰہی دہن سے نکل گیا | گل سینہ چاک ہو کے چمن سے نکل گیا
سرگشتہ لامکاں میں ہے اب نالۂ رسا | یہ وہ غریب ہے کہ وطن سے نکل گیا
یہ کس کے رنگ حسن نے بیقدر کر دیا | گل باغ سے عقیق یمن سے نکل گیا
کاکل سے دور رخ کے قریں ایک خال ہے | یہ وہ غزال ہے کہ ختن سے نکل گیا

مے ہے سم قاتل اسے زنہار نہ پینا | اے مہر خبردار خبردار نہ پینا

سرمہ سا چشم پہ میں خاک ہوا ہوں تم سے | حشر میں ہاتھ مرا اور ترا داماں ہوگا

اُن کے کوچے میں چلا کرتے تھے خنجر ابتدا | کیا تعجب ہے جو ویراں ہو کے مسلخ ہو گیا

تاثیر اشک گرم کی اے مہر دیکھنا | عینک کا ایک روز میں لوہا گلا دیا

تمہارے عشق میں اپنا ہے حال زار افسوس | ہمارے حال پہ افسوس صد ہزار افسوس
تمہارا دل ہے وہ پتھر کہ میں محبت میں | جو مر بھی جاؤں نہ ہو تم کو زینہار افسوس

ہم نے اے جان جہاں آپ کی باتیں دیکھیں | دلربائی کی جو گھاتیں ہیں وہ گھاتیں دیکھیں

یوں نہیں ترکِ ملاقات مری جاں اچھا | تم نہ آؤ نہ سہی مجھ کو بلاتے بھی نہیں

مئے بیخودی پی کے جو بے خود ہے بخدا وہ خدا سے جُدا ہی نہیں
کہ حجابِ خودی و دوئی جو اُٹھا کوئی چیز خدا کے سوا ہی نہیں

بے جا گلہ ہے اُن کو ہماری خبر نہیں | اپنے ہی آہ و نالے میں ہمدم اثر نہیں
غمّاز ہیں سرشک کہیں کھل نہ جائے راز | ہے شکر کی جگہ کہ مری چشم تر نہیں
بے مہر عارفانہ تجاہل سے فائدہ | کیا خوب! میرے حال کی تجھ کو خبر نہیں

شبِ غم چین نہ آیا کسی پہلو یارب | نیشتر تھی نگہِ دیدۂ انجم مجھ کو
گُم کیا جوشِ تحیّر نے ملاقات کے وقت | شکوہ کیسا کہ نہیں تابِ تکلم مجھ کو
میں ہوں دل سوختۂ گرمیٔ عشقِ جانسوز | ساقیا جام سے کیا ہوتا ہے دے خم مجھ کو

آج وہ چال چل گئے ہم سے | یعنی بچ کر نکل گئے ہم سے
بزم میں دیکھنا تھا اُن کا ادھر | اور اغیار جل گئے ہم سے
حضرتِ دل جو تم نے اُس بت کو | آج دیکھا تو کل گئے ہم سے

کہاں نکلے تمہاری بزم سے اغیار یوں کہیئے | مرے ارمان تھے آخر کو نکلے اور کیا نکلے

امیدِ وصل تو ہو کچھ سکونِ جاں کے لئے | وہ کاش عذر ہی کرلیں نہیں سے ہاں کیلئے
الٰہی پھونک دیا کیوں نہ خانۂ صیاد | بنی تھی برق بھی میرے ہی آشیاں کیلئے

مٹا دیا ہوس جاہ نے مجھے اے مہرا | میں بے نشاں ہؤا ہوں فقط نشاں کے لئے

نہ مہر روشن کا ایسا عارض نہ ماہ تاباں کی یہ جبیں ہے
زمین تو کیا شے ہے آسماں پر بھی تیرا ثانی کوئی نہیں ہے۔

کب پیش جا سکے میرے وہم وگماں کی | جس جا نہ ہوں قیود زمانُ مکاں کی
اے بوالہوس مجاز و حقیقت سے کیا تجھے | رہ کر زمیں پہ بات نہ کر آسماں کی
پیکا بُرا پڑا ہے تمہیں عشق یار کا | کیا دل کا ذکر مہر کرو فکر جان کی

بتا اے طالبِ دیدار حق مجھ کو دعا کیا ہے
بتا قربِ خدا کی راہ اے مرد خدا کیا ہے
پہنچتے ہیں حضور حق میں ارباب صفا کیونکر
خدا جوئی و حق گوئی کی راہ با صفا کیا ہے
جو پوچھو ہم سے تو پردہ نہیں اُن کو روا ہرگز
انہیں بھر کر نظر دیکھے کسی کا حوصلہ کیا ہے
جفا و جور وہ کرتے ہیں تو اے مہر کرنے دو
ازل سے جور کے خوگر ہو تم۔ تم کو گلہ کیا ہے

ترکیب بند

تنبیہ مدہوشاں

تری اے بےخبر کیوں چشم بصیرت وا نہیں ہوتی
تجھے کیوں حق و باطل کی تمیز اصلا نہیں ہوتی

پھنسا رہتا ہے تو کیوں اس طرح اوہام باطل میں
وسیلہ مغفرت کا بوالہوس دنیا نہیں ہوتی

ہوس دنیائے دوں کی ہے کہ تجھ کو خوار کرتی ہے
دلے ارباب باطن کو ہوس زیبا نہیں ہوتی

جہاں گزراں ہے اور جبتک ہے اسمیں وہ گزران ہے
تجھے اس بات کی لیکن ذرا پروا نہیں ہوتی

کھلی ہے بے ثباتی ہستئ موہوم کی جس پر
اُسے فرصت ذرا اے خندۂ بیجا نہیں ہوتی

تجھے مصروفیت الٹی ہے دنیائے فانی میں
نظر بھولے سے بھی تو جانب عقبےٰ نہیں ہوتی

کیا ہے اختیار اس طرح فانی کو جو باقی ہے پر
تمیز اپنے بھی نیک و بد کی تجھ کو کیا نہیں ہوتی

فنا لازم ہے اُس شے میں بقا جس کا نتیجہ ہو
فنا فانی میں اچھی اے دل دانا نہیں ہوتی

نہیں جز نام صورت یہ طلسم عالم امکاں
مگر صورت کبھی ماہیت اشیا نہیں ہوتی

نہ جان ان صورتوں پر خواب کی سی صورتیں سب ہیں
نہ بھول اسکو کہ سچی خواب کی دنیا نہیں ہوتی

ظہور شاہد اصلی بھی گو منظر میں مضمر ہے
مگر اُس پر نگاہ دیدۂ بینا نہیں ہوتی

خودی نے پردۂ غفلت تری آنکھوں پہ ڈالا ہے
نظر آتا نہیں تجھ کو اندھیرا یا اُجالا ہے

خودی کا وہم باطل ہو کہ یہ جسم فانی ہے
نہیں اسکو بقا یہ چیز وہ ہے آنی جانی ہے

نہیں معلوم کتنے جسم تیرے ہو چکے پہلے
نہیں معلوم کیا آگے کو صورت پیش آنی ہے

بنا ہے خاک سے تو خاک ہوگا ایک دن آخر
نہ ترکیبِ عناصر کو بقائے جاودانی ہے

بقائے جسم ناممکن ہے ناممکن کی خواہش بھی
خیالِ خام پختن ہے جہالت کی نشانی ہے

نہ کر فکر مداوا ہے مداوا سعیٔ لاحاصل
جسے کہتے ہیں صحت وہ فسانہ ہے کہانی ہے

نعیم و ناز لاحاصل ہیں غسل و عطر لاحاصل
کہ غافل ایکدن مٹی میں مٹی مل ہی جانی ہے

سری آنکھوں میں پھر جانا ہے رنگ زرد میت کا
تجھے سرخ و سفیدیٔ رنگِ رخ پر شادمانی ہے

نہ تن کی فربہی پر پھول بیجا ناز ہے تیرا
کہ یہ کرمِ لحد کی اور دو دن میہمانی ہے

نہ کر جسمِ کثیف عنصری سے عشق اے ناداں
کہ اب ہو یا کہ پھر انجام مرگِ ناگہانی ہے

الم با دلیا شاہ و گدا کو ایک دن آخر
فقط دو گز زمیں پر چادرِ راحت بچھانی ہے

نہ کوئی بھی بچا دستِ اجل سے مجھ کو حیرت ہے
کہ تجھ کو سادگی سے کیوں امیدِ زندگانی ہے

جہانِ پنجروزہ جا نہیں ہے استقامت کی
عدم کے جانے والوں کو ہے عجلت کس قیامت کی

قویٰ میں بھی برنگِ جسم رنگِ بیوفائی ہے
عبث ناآشناؤں سے امیدِ آشنائی ہے

صدا خوش سے ہے تیرا گوشِ شنوا خوش اب لیکن
گرانی اسمیں کچھ ایام میں آئی کی آئی ہے

درِ دنداں سے گو درجِ دہن ہے آج پُر سارا
مگر وہ دن بھی آئیگا کہ ان سب کی صفائی ہے

ستاروں کی طرح سے اب درخشاں دونوں آنکھیں ہیں
ضیا انکی و لیکن پیشوائے بے ضیائی ہے

زباں ہے طوطیٔ شکر فشاں کی طرح اب گویا
مگر کچھ دن میں پھر بات تک کرنی بھی بھائی ہے

قبائے نرم رختِ گرم کی اس جسم کو خواہش
جبھی تک ہے کہ فالج نے نہیں صورت دکھائی ہے

مفرح بوئے گل ہے اور مسکن عطر خوشبو ہے
دماغِ خشک میں جب تک بہت خشکی نہ آئی ہے

قوی دشمن ہے پیری پر کرے اسکو تو جانیں
جوانی میں بہت تجھ کو سر زور آزمائی ہے

نہیں دم کا بھروسا جو گزر جائے غنیمت ہے
کہ دم آیا نہ آیا یہ خبر کب تو نے پائی ہے

تنفس ہاضمہ دوران خوں پرزے ہیں سب کل کے
ذرا کل جسم کی بگڑی درانکی بھی صفائی ہے

تو لے سب فرصتیں ہیں یاد رکھ وہ دن بھی آئیگا
کہ تو ہے اور مرض ہے اور بس اک چارپائی ہے

جوانی چار دن کی میہماں ہے، بھول مت نادان
کٹھن منزل ہے پیری او ضعیفی بھول مت نادان

نہیں ہے دور وہ دن جب ترا قامت جھکا ہوگا
سہارے کیلئے ہاتھوں میں موٹا سا عصا ہوگا

ذرا سی دور بھی چلنے میں ٹانگیں کانپتی ہونگی
ذرا سی دیر بھی تو بیٹھنے میں ہانپتا ہوگا

نظر آتی نہ ہوگی کوئی بھی شے چشم بینا کو
غبار اور دھند کا وہ آنکھ پر پردہ پڑا ہوگا

گرانی کر رہی ہوگی ترے کانوں میں سرگوشی
کہ میں بار گران سخت ہوں تو نے سنا ہوگا

بھیانک جس طرح ہو خانۂ ویراں کا دروازہ
دہن دنداں سے خالی یونہی بے رونق ترا ہوگا

حواس ظاہری ہونگے ترے بیکار اور مختل
حواس باطنی پر پردۂ غفلت پڑا ہوگا

قوی سب مضمحل ہونگے بدن درماندہ و عاجز
نہ کھانے میں مزا ہوگا نہ پینے میں مزا ہوگا

بھروسا جن عزیزوں پر تجھے تھا باوفائی کا
ہر اک انمیں سے ثابت بیحیا و بیوفا ہوگا

نہ بیٹے حال پوچھینگے نہ پوتے بات پوچھینگے
کسی کو بھی نہ ہرگز فکر تیرے حال کا ہوگا

بہت یاران ہمدم مر چکے ہونگے ترے آگے
بہت دل پر ترے داغ وفات اقربا ہوگا

ہجوم یاس میں رہ رہ کے پچھتاوا یہ آئیگا
گئی سب رائیگاں عمر عزیز انجام کیا ہوگا

نہ آئیگا تجھے کچھ لطف ہرگز زندگانی سے
کہ دل ہوگا ہراساں خوف مرگ ناگہانی سے

اندھیری کوٹھری ہے موت اس کا رازِ پنہاں ہے
جسے کہتے ہیں ہم ملکِ عدم ملکِ خموشاں ہے

عدم کے بھید والو تم کو اتنا تو بتانا تھا
گزرتی کیا ہے تم پر حال خوش ہے یا پریشاں ہے

قیامت تک پڑے سوتے ہو تم غفلت کی نیند میں
کہ جاتے ہی جہنم ہے وہاں یا باغِ رضواں ہے

بہشت و دوزخ و اعراف سب جھوٹے فسانے ہیں
کہانی کچھ حقیقت بھی ہے اسمیں عقل حیراں ہے

اگر ہو خواب غفلت موت سے بہتر نہیں حالت
غم و رنج و الم اور درد کا غفلت ہی درماں ہے

مگر اچھے برے اعمال کا ثمرہ بھی ملنا ہے
خیالِ خوابِ غفلت اسلئے خواب پریشاں ہے

کئے ہیں جو عمل وہ پھل بھی اپنا لازمی دینگے
جزا اعمال کی تجھ کو نہ ہو کب اس کا امکاں ہے

تجھے لائیگی تیری گردشِ اعمال پھر یاں پہ
وہی تیرے لئے پھر گردشِ گردونِ گرداں ہے

غرض لا انتہا یہ سلسلہ آواگون کا ہے
یہ ہے وہ سلسلہ اس سے نکلنا کارِ مرداں ہے

نہ کی کچھ سعی تو نے وقت تھا جب اور طاقت تھی
نتیجہ اس کا اب مایوسی و اندوہ و حرماں ہے

نہیں اس دن سے بدتر کوئی دن دنیا میں اے غافل
کہ مایوسی ہے اور وقتِ وداعِ قالبِ جاں ہے

ابھی سے کر اگر کرنی ہے تجھ کو اس دن کی تیاری
اجل سر پر کھڑی ہے چھوڑ یہ جھوٹی ہوس کاری

نہیں ہے دور وہ دن بھی کہ تیرا کوچ ہو یاں سے
جدا ہو جسطرح مرغِ گلستانی گلستاں سے

ابھی تک ارتباطِ قالب و جاں تو نے دیکھا تھا
مگر اب دیکھنی ہوگی جدائی جسم کی جاں سے

جواب صاف تجھ کو سب اطبا دے چکے ہونگے
مریضِ موت کو ہوتا نہیں کچھ سود درماں سے

ترے بستر کے گرداگرد ہونگے اقربا سارے
کوئی خاموش کوئی اشک ریزاں چشم گریاں سے

بہم سرگوشیاں ہونگی کہ کیسا حال ابتر ہے
امیدِ زندگی بے سود ہے گھڑیوں کی مہماں ہے

دکھائیگا کوئی آئینہ کوئی نبض دیکھیگا
کہ جبتک سانس ہے جینے کی بھی ہے آس انساں سے

بدن کا رنگ ہوگا زرد ہلدی کی طرح تیرا
بہت رک رک کے آتا ہوگا دم حلقومِ بریاں سے

تشنج تیرے اعضائے بدن کو توڑتا ہوگا
بھیانک ہوگی صورت اور ابتر حال زار ایسا
نہ ہوگی کچھ خبر لیکن تجھے ہرگز کسیکی بھی
نہ ہوگا کوئی ساتھی جبکہ تو دم توڑتا ہوگا

دلِ پُر درد پُر ہوگا ترا اندوہ و حرماں سے
کرلیں ہوش بھی عبرت ترے اس حال پریشاں سے
سوا اسکے کہ اب ہے کوچ اس دنیائے گذراں سے
فقط اعمال ہونگے ساتھ انبوہ عزیزاں سے

غضب ہے سامنے یہ دن ہے اور یوں عمر جاتی ہے
تجھے اے بیخبر سُولی پہ سیج پر نیند آتی ہے

—

تامل کار کو سوچا ہے تو نے اے بشر کچھ بھی
گھٹاتا عمر کو ہے ہر نفس جو آتا جاتا ہے
کہاں بڑھتی ہے تیری عمر الٹی روز گھٹتی ہے
نہیں ہے وقت جیسی بیش قیمت چیز دنیا میں
وہ ہوتے ہیں پشیماں جو اسے برباد کھوتے ہیں
ہوس کی ابتدا بوالہوس کا دمنی سے ہے
گراں ہے بار دنیا وہ اٹھائے سے نہیں اٹھتا
نہیں پھنستے ہیں ارباب صفا دنیا کے جھگڑوں میں
جہاں گذراں ہے اور جو جب سے ہے اس میں وہ گذراں ہے
جہانکی بے ثباتی تجربے میں روز آتی ہے
جو استغراق دنیا میں ہے پہنچا دے مدارج تو

تجھے دنیا و ما فیہا کی ہے غافل خبر کچھ بھی
سمجھ اس رمز کو بہر خدا سے ہے اگر کچھ بھی
رکھ اس نکتے کو نظر و نہیں جو رکھتا ہے نظر کچھ بھی
نہیں ہے قدر اسکی تجھ کو اے غافل مگر کچھ بھی
نہ بھول اسکو جو رکھتا ہے سر نفع و ضرر کچھ بھی
دلے یہ مبتدا ہے وہ نہیں جسکی خبر کچھ بھی
نہیں جھکتی مگر اس بوجھ سے تیری کمر کچھ بھی
تجھے دیتے نہیں لیکن یہ جھگڑے درد سر کچھ بھی
کیا اس نے سکر نے لیکن نہ تیرے دل میں گھر کچھ بھی
مگر ہوتا نہیں تیری طبیعت پر اثر کچھ بھی
فنا فی اللہ میں ایسا ہو استغراق گر کچھ بھی

فنا فی اللہ پر لیکن کہاں تو کان دیتا ہے
خدا تیرا ہے دنیا تو تو اس پر جان دیتا ہے

—

بنا ہے تو جو ایسا بندۂ بے دام دنیا کا ۔۔۔ ذرا سوچا بھی ہے تو نے کبھی انجام دنیا کا

نہ کر مجھ پر بھروسا چندروزہ میں ہوں اے غافل ۔۔۔ زبانِ حال سے تجھ کو ہے یہ پیغام دنیا کا

یہ ہے وہ بیوفا ناآشنا کچھ بھی اگر سمجھے ۔۔۔ نہ لے پھر خواب میں بھی بھولکر تو نام دنیا کا

اجل جب تجھ کو آئیگی نہ ہوگا فکر دنیا کو ۔۔۔ تجھے رہتا ہے گرچہ فکر صبح و شام دنیا کا

چلیگی یہ نہ تیرے ساتھ تو کیوں ساتھ دے اسکا ۔۔۔ جفا جائے وفا اک قاعدہ ہے عام دنیا کا

پھنسا جو آ کے اسمیں وہ نکلنے ہی نہیں پاتا ۔۔۔ عجب ہے پیچ در پیچ اہلِ دنیا دام دنیا کا

نتیجہ خود فراموشی ہے یہ جو سوچ کر غافل ۔۔۔ فقط دارو بیہوشی سے پُر ہے جام دنیا کا

ہوس بیفائدہ ہے محض بڑھ چلنے کی دنیا میں ۔۔۔ کہ گرنے کے لئے اے غافلو ہے بام دنیا کا

نہیں ذکر و عبادت کی جگہ ہرگز ترے دل میں ۔۔۔ بھرا رہتا ہے اسمیں وہ خیالِ خام دنیا کا

سحر سے شام تک بس تو ہے اور ہے دنیا دھندوں میں ۔۔۔ نہیں عقبیٰ سے تجھکو کام ہے وہ کام دنیا کا

تجھے چلنا ہے خالی ہاتھ اور ناکام دنیا سے ۔۔۔ یہ ہے اک روز انجام اے دلِ ناکام دنیا کا

مگر انجام یہ دنیا کا تیرے دل نے کب دیکھا
ہوس کا سبز باغ اسنے ہے ایسا روز و شب دیکھا

کہاں گنجائش اسمیں ذکر حق کی اور طاعت کی ۔۔۔ بھری رہتی ہے تیرے دل میں خواہش مال و دولت کی

ہوس ہے تھیلیاں سونے کی سرہانے بجائے تکیہ ہوں ۔۔۔ تمنا ہے کہ چاندی کی ہوں گر کڑیاں بھی ہوں چھت کی

جواہر اور زیور سے ہر اک صندوقچہ پُر ہو ۔۔۔ نہ ہو کچھ انتہا انکی ہو اونچی قدر و قیمت کی

پڑے جب ہاتھ جیبوں میں صدا جھنکار کی آئے ۔۔۔ کہ یہ سچی نشانی ہے صدارت اور امارت کی

خریدے بے تکلف دل ترا جس چیز کو چاہے ۔۔۔ نہیں کچھ بحث اس سے چیز ہو کتنی ہی قیمت کی

تری نظروں میں زر ہے قبلۂ حاجات اے غافل ۔۔۔ اسی مطلب سے تو نے عمر کسبِ زر میں غارت کی

بدن کی جان کی صحت کی پڑا کچھ نہیں تجھ کو ۔۔۔ سحر سے شام تک بس تو ہی اور تحصیلِ دولت کی

ولے ہے چلتی پھرتی چھاؤں دولت جسکو کہتے ہیں ‏ ابھی یاں ہے ابھی واں کیا امید اس سے رفاقت کی
سکندر کا کفن سے ایک خالی ہاتھ باہر تھا ‏ نتیجے لازم ہیں دونوں ہیں نشانی یاس و حسرت کی
چلا جائیگا خالی ہاتھ خالی ہاتھ آیا تھا ‏ نہ کالے ہاتھ کر بیہودہ لالی میں دولت کی
گزارہ جس طرح سے ہو سکے کر لے یہاں نادان ‏ سرائے پنجروزہ جا نہیں ہے استقامت کی

یہ جتنا مال و دولت ہے یہیں سب چھوڑ جانا ہے
نہ تجھ کو ساتھ لیجانا ہے غافل اور نہ لانا ہے

ہوس عزت کی بھی ازبسکہ دامنگیر تیری ہے ‏ برائے عزت و شہرت جو تدبیر تیری ہے
ترا اعزاز ہو ارباب ثروت کی نگاہوں میں ‏ عمائد بھی کریں تعظیم تو توقیر تیری ہے
رسائی ہو تجھے حکام بالادست کے در تک ‏ ہوس ہے بوالہوس زیر چرخ پیر تیری ہے
رئیس شہر آنکھوں پر بٹھائیں جب ملیں تجھ سے ‏ یہی خواہش یہی کوشش یہی تدبیر تیری ہے
ترا جو کام ہے مضمر ہے اس میں نام کی خواہش ‏ تقاضائے ہوس یہ ہے گرا گیر تیری ہے
ذرا تجھ طالب شہرت کو بھی دیکھو تو کہتے ہے ‏ زبان حال سے فوٹو کی جو تصویر تیری ہے
دل خودکام تیرا نام پر کیوں جان دیتا ہے ‏ جسے سمجھا ہے شہرت وہ فقط تشہیر تیری ہے
نہ کر تحصیل عزت کے لئے یہ سعی لاحاصل ‏ وہی ملنا ہے پیشانی میں جو تحریر تیری ہے
مگر گردن فرازی مل گئی مٹی میں جب مٹی ‏ نجائیگا کوئی یہ خاک دامنگیر تیری ہے
مٹا شاہ و گدا کا فرق جب دونوں کو موت آئی ‏ ہوس اس پر بھی عزت کی ہے تو تقصیر تیری ہے
زمیں پر ٹھوکریں کھاتی پھریگی کھوپری اک دن ‏ جزائے سربلندی میں یہی تعذیر تیری ہے

ہوس دنیائے دوں میں عزت و شہرت کی ہے غفلت
کہ عزت ہے تو رب العزت و جبروت کی طاعت

پڑھا ہے علم بھی تُو نے گروہ علم لاطائل — کہ جس کے سیکھنے سے آدمی کو کچھ نہو حاصل
ریاضی نحو طبعیات تاریخ وادب منطق — تجھے ہے دسترس سب میں نہ ہو گو دسترس کامل
پڑھے ہیں تُو نے افسانے پڑھی ہے نظم اور ناٹک — تمدن میں بھی داخل ہے مذاہب میں بھی ہے شامل
رسالے اور اخبارات بھی پڑھتا ہے تو اکثر — کہ آگاہی رہے دنیا کی باتوں سے بہر منزل
شریک اکثر ہوا کرتا ہے جا کر عام جلسوں میں — تجھے تقریر کا ہے شوق ہے تحقیق دل مائل
غرض ہر فن میں شُد بُد ہے نہیں پورا کسی میں بھی — ادھورا علم یہ کس کام کا ہے سوچ تو غافل
یہ شُد بُد اسلئے ہر علم میں تو نے ہے پیدا کی — کہ ہر محفل میں تجھ کو لوگ سمجھیں زینتِ محفل
ترے علم و لیاقت میں ہے مضمر نام کی خواہش — سرِ مغرور میں تیرے غرورِ علم ہے داخل
پڑھا تھا گر تو علم معرفت ناداں پڑھنا تھا — کتابیں لادنے کا بوں لدھا بننے سے کیا حاصل
پڑھا تو نے نہ جانا لیک میں کیا ہوں خدا کیا ہے — پڑھا تُو نے نہ سمجھا لیک دنیا حق ہے یا باطل
حجابِ اکبر ہُوا ہے علم تیرا ہی چشمِ بینا کو — تجھے چشمِ خدا بینی سے بہرہ کب ہوا اے جاہل

مزا جب علم کا ہے آدمی داخل کہیں تو ہو
نہ ہو کچھ اور لیکن درجۂ علم الیقیں تو ہو

بہت ہے شوق اے غافل تجھے اونچے مکانوں سے — بلند ایسے کہ ہوں بس سقف فرسا آسمانوں سے
دلِ اہلِ صفا کی طرح صحن اُنکے مصفّا ہوں — پڑی جھلکے جھلک انوار کی آئینہ خانوں سے
در و دیوار سنگیں ہوں ہر اک دالان عالیشاں — خجل ہو رفعتِ چرخِ بریں بھی سائبانوں سے
مکاں کے ساتھ پائیں باغ بھی ہو پُر تکلف سا — مہک گلہائے ترکی تا کہ آئے گلستانوں سے
یہ سب کچھ اور تو ہو اور سامانِ طرب بھی ہو — مگر کرے وزر کو دریافت تو کر نکتہ دانوں سے
صنادیدِ عجم کے ہر جگہ آثار شکستہ — زبانِ حال سے کیا کہ رہے ہیں سُن تو کانوں سے
بنے ہیں وہ محل زاغ و زغن اور بوم کے مسکن — بھرے رہتے تھے جو ہر وقت شاہی میہمانوں سے

کمہار اپنے گدھوں پر جا کے مٹی واں سے لاتے ہیں
عمائد تھے جبیں فرسا کبھی جن آستانوں سے

پھٹکتا بھی نہیں جا کر کوئی اب آہ کھنڈروں میں
مکاں تھے یاں بھی ہستی تھی ڈیوڑھی یا سائبانوں سے

کسو ناکس کی ٹھوکر کھائیں جب خودسر کسوں کے یوں
بتا تو ہی توقع کیا رکھے کوئی مکانوں سے

مکانِ عاقبت کا فکر کر رہنا ہے واں چل کر
تجھے لینا ہے کیا یاں بوالہوس آرام خانوں سے

مکاں کا شوق تیرا جب ہی نظروں میں پورا ہو
کہ تو یاں سے چلے اور سر پہ رکھ کر لیچلے گھر کو

مکاں کے ساتھ ہی ہے شوق تجھ کو ساز و ساماں کا
بنے اسبابِ آسائش سے گھر گلزارِ رضواں کا

ظروفِ سیم و زر ہوں اور پھر وہ سب مرصع ہوں
ہر اک قالین اور پردہ نمونہ ہو گلستاں کا

ترے کمروں میں بھی سب جھاڑ اور فانوس بلوریں
اور اُن کے نور سے ہو نور پھیکا ماہِ تاباں کا

سجی ہو میز و کرسی اور الماری ٹھکانے سے
بہارِ باغ دکھلاتا ہر اک جوڑا ہو گلداں کا

تصاویر گراں قیمت ہوں دیواروں پہ آویزاں
کہ بیجانی پہ بھی اُن میں ہو عالم حسنِ جاناں کا

صدائے خوش سناتے ہوں فرنگستان کے باجے
سبق جن سے کہ لے داؤد بھی خوبیٔ الحاں کا

یہ سامان طرب سب ہو اور تو کرسی پہ بیٹھا ہو
تری کوٹھی میں ہو چاروں طرف عالم پرستاں کا

مگر جو کچھ ہے جمع وہ سامانِ دنیا ہے
تجھے کچھ فکر بھی ہے بوالہوس عقبیٰ کے ساماں کا

نہیں اس کثرتِ ساماں میں ممکن دل کی جمعیت
پریشاں تر رہیگا حال یاں طبعِ پریشاں کا

رہے جب سامنے اسباب ہی آئینۂ دل کے
تو کیونکر منعکس ہو عکس اُس میں روئے جاناں کا

مکاں ساماں سے خالی کر خلوصِ طبع گر چاہے
دلِ خالی میں ہوتا ہے درخشاں نورِ عرفاں کا

دلِ خالی کی ہو لیکن توقع تجھ سے نادانی
رہے جب تو یوں خیالاتِ پریشاں سے پریشانی

نہ سامان مکاں پر بوالہوس ہے اکتفا تجھ کو
ہوس کہتی ہے ساماں اور بھی رکھا رکھا تجھ کو

سبک سیر اور صبا رفتار گھوڑے ہوں طویلے میں
سواری اُن پہ کرنی چاہیئے صبح و مسا تجھ کو

نئے فیشن کی ہوں سب بگھیاں بہت سرا خوری
اور اُنکی ساخت لندن کی ہو تو آئے مزا تجھ کو

نرالی وردیاں ہمرنگ سائیسوں کی ہوں یکسر
ہٹو کی اور بچو کی لطف دیتی ہو صدا تجھ کو

تو جب نکلے سوار تیرے خادموں کی فوج صف بستہ
سر تسلیم خم کر کر کے دیتی ہو دعا تجھ کو

صدا آرا اور آثار تیرے ہر انداز سے ٹپکے
جلیل القدر دے وہ مرتبہ بخت رسا تجھ کو

مگر جتنے تعلق تو نے دنیا میں بڑھائے ہیں
رہیگا فکر بھی اُتنا ہی ہر اک بات کا تجھ کو

اکیلی جان تیری اور یہ خیل خدم غافل
اکیلا دم ترا اور اُس پہ یہ چون و چرا تجھ کو

نہ نوکر ساتھ جائینگے نہ گھوڑے ساتھ جائینگے
تن تنہا ہے کچھ اسکا جب آئی قضا تجھ کو

یہ دن ہے سامنے اور اسپر یہ طول امل ناداں
مگر رہنا ہے اس دنیا میں شاید دائما تجھ کو

فضولی میں جو کی برباد یوں عمر گرانمایہ
حیا و شرم بھی آئی کبھی اے بے حیا تجھ کو

رلائیگی تجھے آنکھوں سے خوں اک روز نادانی
نہ بھول اسکو کہ غفلت کا نتیجہ ہے پشیمانی

تجھے اے بوالہوس پوشاک میں بھی ہے ہوس کاری
تردد رات دن رہتا ہے خاطر کو بڑا بھاری

ہوس کہتی ہے جوڑے اور بھی رکھا رہیں تجھ کو
بھری ہے گرچہ پوشاکوں سے الماری کی الماری

ترا جو سوٹ ہو اپنی وضع خاص رکھتا ہو
ترے جوڑوں سے نکلے بانکپن بھی اور طرحداری

گراں قیمت ہو کپڑا اور من بھاتی تراش اُسکی
کہ اسکو دیکھکر عش عش کرے خلق خدا ساری

سراہے دیکھ کر ساری خدائی جامہ زیبی کو
ترا فیشن کرے خلق خدا کو آئینہ داری

سحر اور شام کو تیرا گزر بازار میں جب ہو
نگاہ رشک سے دیکھے تجھے ہر ایک بازاری

نگاہوں میں تری افسوس یہ عزت کی باتیں ہیں
نہیں سوچا کہ ہے یہ وضعداری بعث خواری

تماشا منہ پر ہے تیرے پیٹھ پیچھے لوگ ہنستے ہیں
کہ یہ خود بین خود آرا آدمی ہے عقل سے عاری

اکیلی جان تو اور یہ دکان پارچہ جس سے
محلے بھر کی تن پوشی میں پیش آئے نہ دشواری

تجھے لینا ہے کیا اے بوالہوس پوشاک عمدہ سے
عبث ہے تیری خود بینی عبث ہے خویشتن داری

فقط دو گز کفن ملنا ہے پھر آخری منزل
بھرے رکھے رہینگے یونہی سب صندوق الماری

لباس فاخرہ میں تجھ کو جو یوں دلفریبی ہے
کفن پہنیگا جب دیکھینگے کیسی جا بہ زیبی ہے

طعام خوب بھی مرغوب دل ہے بیشتر تیرا
مگر یہ شوق کچھ اچھا نہیں ہے بے خبر تیرا

ہوس رہتی ہے تجھ کو یہ کہ جب کھانا کھا جائے
مہک جائے بس اسکی بوئے خوش سے گھر کا گھر تیرا

چنی ہوں نعمتیں دنیا کی نایاب و گراں قیمت
تہ دل سے ہر اک ارماں ہو کھا کر مدح گر تیرا

مقوی اور مفرح اور مرغن ہو جو کھانا ہو
دماغ خشک کو بھی تر کرے حلوائے تر تیرا

قرابے بھر رہے ہوں بادۂ انگور شیریں کے
کہ جو اسکو پئے احساں بھولے عمر بھر تیرا

مزے دیتی ہو بزم دوستاں میں چشمک ساقی
گراں جسدم شراب ناب سے کچھ ہو سر تیرا

مگر انسان ہے تو اے بوالہوس یا ہے گدھا گھوڑا
خیال اسطرح جو کھانے میں ہے شام و سحر تیرا

جہاں کی نعمتیں کھا کر شکم تیرا نہیں بھرتا
مگر دوزخ ہے معاذ الاماں الحذر تیرا

ابھی ہر وقت ہے فکر توشۂ عقبے بھی کچھ کر لے
کہ اٹھ پا کر پھر دنیا سے آخر ہے سفر تیرا

نہ کھا یوں لقمۂ تر آپ تو لقمہ اجل کا ہے
مآل کار یہ ہونا ہے اک دن بے خبر تیرا

ہمیشہ یاد رکھ جس تن تو ڑے لقمہ ہائے تر
کسی دن کھائینگے کیڑے بھی جبڑا توڑ کر تیرا

تعجب ہے مزا کیونکر تجھے آتا ہے کھانے کا
سفر سر پر سوار ایسا ہو جب دنیا سے جانے کا

دلِ پُر عشق تیرا شاد ہوتا ہے حسینوں میں
تجھے آتا ہے لطفِ زندگانی مہ جبینوں میں

شکر لب وہ تبسم میں ہے جیسی اُن کے شیرینی
ہلال ابرو وہ جو خنجر رکھیں ابرو کی چینوں میں

ضیا ایسی کہ اُن کے رُخ سے شرمائے مہ تاباں
صفا ایسی نہ ہو بلور کے بھی آبگینوں میں

ادا میں نازکی ناز میں انداز مضمر ہو
نزاکت وہ کہ کم دیکھی ہو ایسی نازنینوں میں

عجب ہے گا زمینِ حسن کچھ تاثیر رکھتی ہے
پھبکتا ہے درختِ عشق ایسی ہی زمینوں میں

مگر تو یوں جو شیدا ہے حسینوں پر خبر بھی ہے
وفا کی جا بھری ہے بیوفائی اُن کے سینوں میں

بتانِ بیوفا کو باوفا کس نے بنایا ہے
نہ یہ طاقت ہے دفینوں میں نہ یہ قدرت خزینوں میں

خدا کا گھر ہے دل اسکو نہ بھر عشقِ مجازی سے
کہ جو ناپاک کر دے پاک کو وہ ہے کمینوں میں

چڑھے تو دیکھ کر چڑھ زینۂ عشقِ مجازی پر
رہِ بامِ حقیقت بھی ہے ان پیچ زینوں میں

نہ یوں لیلیٰ و شیریں کی عارضی خوبی پہ مجنوں بن
تجھے اوروں سے کیا تو آپ ہے محمل نشینوں میں

خودی جبتک کہ ہے دل میں خدا سے بھی جدا ہے تو
خودی جب اُٹھ گئی ہو جائیگا اسرار بینوں میں

مگر تجھ کو کہاں بہرہ حقیقی عشق بازی سے
بھرا رہتا ہے دل تیرا خیالاتِ مجازی سے

تری صحبت ہے ایسی جس سے دانا عار کرتے ہیں
مگر تجھ جیسے ناداں ہیں کہ اُس صحبت پہ مرتے ہیں

بہت ہیں شوربہ چٹ اور بہت سے ہیں خوشامدگو
بہت ایسے کہ جھوٹا دم تری الفت کا بھرتے ہیں

کوئی آتے ہیں ملنے کو تو کوئی گپ اُڑانے کو
کوئی چرچے زمانے کے فضول آ کے کرتے ہیں

سناتے ہیں کچہری کے قضیئے عہدہ دار اکثر
رئیس آتے ہیں اور حال تھیٹر کے گزرتے ہیں

ہُوا کرتی ہے اکثر بحث اخباروں کی خبروں پر
اُدھورے لیک وہ اخبار کب پورے اُترتے ہیں

کبھی چرچا ہے تیرے گھر میں ہمسائے کے عیبوں کا
کبھی بھائی برادر خوار نظروں میں ٹھہرتے ہیں

غرض جو تیرے ہمصحبت ہیں ناداں وہ ایسے ہیں
نہ اوروں کو سدھر دیتے نہ خود ہی کچھ سدھرتے ہیں

فضولی ایک دن دو دن کی نبھ جائے مگر غافل
غضب کرتے ہیں وہ جو اُسمیں عمریں صرف کرتے ہیں

زمانے بھر کے چرچے آگے تجھ سے وہ نہ ہوتے ہیں
نہیں ہوتے وہ چرچے لیک جن سے دن سنورتے ہیں

نہ ڈوب اسطرح سے امواجِ دریائے جہالت میں
یہ دریا وہ ہے جو یاں ڈوبتے ہیں کم اُبھرتے ہیں

فضولی کی نہ تھی تجھ سے توقع بہتری کی تھی
مگر بگڑے ہوئے ایسے کسی سے کب سنورتے ہیں

اُٹھ اب بھی خوابِ غفلت سے ارے سوتا ہے کیا ناداں
کہ چڑیاں چگ گئیں جب کھیت پھر ہوتا ہے کیا ناداں

رکھ اپنے مشغلے کبھی سوچکر غافل مآل اپنا
نہ ہو ایسا پریشاں تر ہوا سے اور حال اپنا

تجھے لینا ہے کیا گنجیفہ و شطرنج و چوسر سے
کیا کرتا ہے انمیں یوں ہی ضائع ماہ و سال اپنا

بٹیر کشتیاں میلے تماشے ناچ رنگ اکثر
طبیعت پر تیری رکھتے ہیں مستولی خیال اپنا

پڑھا کرتا ہے تو جھوٹے فسانے عشقبازی کے
بہت تو نے کیا ہے صرف ان قصوں میں مال اپنا

ملاقاتوں میں بھی تیرا بہت سا وقت جاتا ہے
مگر کس کی ملاقاتوں میں ہے تجھ سے سوال اپنا

وہی بیہودہ گو بیہودہ جو بیہودہ ہیں اشخاص
نہ جنکو علم سے بہرہ نہ کچھ ذاتی کمال اپنا

سحر سے شام تک دلبستگی کا فکر ہے اور تو
نہ تجھ کو فکر عقبےٰ کا نہ کچھ فکرِ مآل اپنا

عجب فرصت ملی ہے تجھ کو اس جا لہو بازی کی
غضب غفلت نے پھیلایا ہے اس دنیا میں جال اپنا

بُرے شغلوں میں تو نے عمر جیسی چیز کھوئی ہے
کرے تجھ پر دعا ہے فضل ربِ ذوالجلال اپنا

رسائی کچھ طریقت میں نہ بہرہ کچھ حقیقت سے
نہیں معلوم تو سمجھا ہے کس شے کو کمال اپنا

طبیعت دوڑتی رہتی ہے تیری یوں جو ہر جانب
مگر تو نے نہیں دیکھا کمال اپنا جمال اپنا

کبھی مشغول جو ہوتا نہیں تو فکرِ عقبےٰ میں
بھروسا تجھ کو ہے کس چیز پر ناداں دنیا میں

نہ رکھ ہرگز توقع دوستوں سے دوستداری کی
کہ نادانی ہے عیاروں سے یہ امیدیاری کی

زمانہ ساز ہیں غافل ہے یہ انبوہ دمسازاں
تجھے امید دمسازوں سے ہے الفت شعاری کی

زباں پر اور کچھ ہے دل میں لیکن اور ہی کچھ ہے
نہ جا باتوں پہ انکی کیونکہ یہ باتیں ہیں خواری کی

موافق دوست تب تک ہیں جب تک زمانہ بھی موافق ہو
زمانہ پھر گیا پھر کس نے تجھ سے سازگاری کی

مکھی کی طرح سب ہیں جمع دسترخوان پر تیرے
سمجھ اس نکتۂ باریک کی نادان باریکی

اٹھا جب خوان نعمت یہ بھی اڑ جائینگے دم بھر میں
بس اتنی انتہا ہے دوستوں کی دوستداری کی

فضول و بیہودہ شغلوں میں تیرے یار ہمدم ہیں
ذرا یہ شغل بدلیں پھر نہیں امیدیاری کی

سمجھ دوستوں میں ساتھی کون اے نادان کسی کا ہے
تجھے بھی ایکدن پہنچیگی نوبت دم شماری کی

نہیں اس دن رفاقت کر سکینگے یہ تو ہم جانیں
رفاقت کیا نہ آئیگی صدا بھی آہ و زاری کی

تجھے اپنا ہے کیا ان دوستوں سے یار اب بھی
کر اپنا فکر گر امید ہے کچھ رستگاری کی

رفیق اعمال ہیں تیرے رفیق اعمال ہیں تیرے
یہ تیرے ساتھ ہونگے قبر میں جب ہوگی تاریکی

تجھے احباب گورستان تلک بس چھوڑ آئینگے
پھر آگے تو ہے اور اعمال تیرے ساتھ جائینگے

احبا کی طرح سے اقربا میں بھی رکھائی ہے
وفا کی جا بھری دل میں سراسر بیوفائی ہے

محبت ان کی ہے البتہ زیادہ رکھ نہ اے دل
سلام اقربا اکثر سلام روستائی ہے

کریں جب آکے تعریفیں نہ دے کان انکی باتوں پر
کہ تیرے زر کی وہ تعریف ورد مدحت سرائی ہے

نہ کوئی بات تک بھی مفلسی میں آکے پوچھیگا
کھلیگی تجھ کو اس دن انکی جو بے اعتنائی ہے

گرامی خاندانی پر نہ اتنا ناز ہے زیبا
کہ جیتے جی کے ناتے ہیں یہ بیٹا ہے یہ بھائی ہے

زن و دختر پسر مادر پدر خواہر برادر سب
ہوئے تجھ سے جدا چھوڑ کر سب الگ جب موت آئی ہے

پھنسا رہتا ہے تو جو روز و شب اس طرح انمیں
نہیں معلوم ہوتا تیرے دلمیں کیا سمائی ہے

تیرے اعمال میں کیا یہ شریک نیک و بد ہونگے — تجھے عقبےٰ میں کیا ان سے اُمید آشنائی ہے
پھنسا ہے طرح دنیا کے تو اوہام باطل میں — نہ آزادی ہی ممکن ہے نہ امکان رہائی ہے
بُری ڈالی ہے زنجیرِ تعلق پاؤں میں اپنے — بُری تیری یہ عقلِ نارسا کی نارسائی ہے
تعلق تو نے جتنے آکے دنیا میں بڑھائے ہیں — خدا سے بھی تجھے ناداں اُتنی ہی جدائی ہے

جدائی حق سے ہے منظور پر گھر سے نہیں تجھ کو
مگر گھر بخشوائیگا خدا سے بالیقیں تجھ کو

حقیقت آج تو نے عالم بیدار کی دیکھی — حقیقت تم اُسکے ہر اک کوچہ و بازار کی دیکھی
سمجھ میں بے ثباتی جسم فانی کی بھی کچھ آئی — تو اُس میں کج ادائی چشمِ دلدار کی دیکھی
نظر آئی بھیانک کچھ تجھے تصویر پیری کی — بھیانک سیر تو نے موت کے دربار کی دیکھی
نتیجہ چونکہ پھر آواگون ہے تو نے کچھ صورت — بہشت و دوزخ و اعراف میں آزار کی دیکھی
ہوس کا ہے مرضِ ناقابلِ درمان و سخت ایسا — رہا کرتی ہے جو حالت دلِ بیمار کی دیکھی
ثبات اصلاً نہیں ہے عزت و دولت کو اے داناں — ذرا تو نے کبھی پھر کر سیر اس گلزار کی دیکھی
غرورِ علم سے جیسا نشہ سر پر چڑھتا ہے — وہ کیفیت بھی تو نے کبر و پندار کی دیکھی
مکاں اسباب خوراک اور پوشاک کے بارے میں — درازی کچھ ہوس کے وادیٔ پرخار کی دیکھی
بتوں کی بے وفائی نے کیا کچھ گھر ترے دل میں — حسینوں کی رکھائی سے نظر دو چار کی دیکھی
تجھے ہم صحبتوں سے اپنے غافل کچھ بھی شرم آئی — کچھ اپنے شغلوں میں تو نے صورت یار کی دیکھی
کھلا کچھ حال تجھ پر اقربا کا اور یاروں کا — کسی بد مستی کچھ اُن میں آنکھ نے اغیار کی دیکھی

یہ تصویریں ہیں تیرے سامنے دیکھ انکو عبرت سے
غضب ہے گر نہ ہو بیدار اب بھی خواب غفلت سے

تماشہ دیکھنے لائق تماشہ گاہ کثرت ہے
یہاں جو صورتیں ہیں خواب کی سی اُنکی صورت ہے

قیام اصلا نہیں ہے ایک حالت پر کسی شے کے
ابھی کچھ حال ہے اور دم کے دم میں اور حالت ہے

بہت دیکھے امیر اب بھیک بھی مانگے نہیں ملتی
بہت دیکھے فقیر اُن کو صدارت اور امارت ہے

جنہیں عزت کے دعوے تھے وہ ہیں خاک ذلت میں
ذلیل و خوار تھے جو آج اُنکو جاہ و عزت ہے

جہاں تھے شہر پہلے اب ہیں وحشت خیز ویرانے
جہاں ویران تھے وان آج شہروں کی عمارت ہے

بزرگ اب وہ کہاں ہیں جن کو پہلے تو نے دیکھا تھا
جواں اب وہ کہاں ہیں یاد جن کا قد و قامت ہے

احبا اقربا خویش بیگانہ دوست اور دشمن
جہاں دیکھو وہاں تبدیل صورت اور ہیئت ہے

زمانہ اس طرح بدلا ہے پہچانا نہیں جاتا
ہوا پلٹی ہے ایسی دیکھنے والے کو حیرت ہے

کبھی خود تو بھی بچہ تھا جوانی تو نے پھر دیکھی
ضعیفی اب ہے آگے اور بھی تغیر حالت ہے

تماشا گاہ عالم میں بہت پردوں کے بعد آخر
تماشا آخری یہ ہے کہ اس دنیا سے رحلت ہے

طلسمی کارخانہ ہے غرض دنیائے فانی کا
بدلتی صورتیں ہیں یوں کہ گویا خواب غفلت ہے

تجھے اس خواب حیرتناک سے تنبیہ نہیں ہوتی
وہی دلبستگی دنیا میں ہے عبرت نہیں ہوتی

کہاں وہ اے دل ہشیار تیری ہوشیاری ہے
تجھے کیا ہو گیا کیوں اسقدر غفلت شعاری ہے

خیال ذات کو خاطر سے زائل کر دیا تو نے
صفات عارضی سے بسکہ ہر دم سازگاری ہے

فنا لازم ہے اُس شے میں بقا جس کا نتیجہ ہو
عوارض کو کہیں ناداں ثبات و استواری ہے

یہاں بالذات قائم ہے تو بس اک جوہر ذاتی
اضافی کل وجود ماسوا ہستی سے عاری ہے

نمودی ہے طلسم ماسوا کی بود اے غافل
نہ سچا جان اِسکو گر اُمید رستگاری ہے

حجاب شاہد اصلی ہیں اسماء و صور دونوں
چھپانے کو اُسے یہ سب طلسمی نقش کاری ہے

تماشہ گاہ عالم میں تماشے گو بکثرت ہیں
بہ کثرت ہی مگر آئینۂ توحید باری ہے

نہیں ہے جز آب گرداب و حباب و موج کی ہستی
کہ گو جنبش میں ہے لیکن وہی اک آب جاری ہے

نہیں ہے جز ذات بینا مظہرات عالم امکاں
کہ ہستی خواب میں کی خواب کی ہستی میں ساری ہے

تماشہ گر ہے خود محو تماشہ کیا تماشہ ہے
پھر اس پہ محویت ایسی کہ بیہوشی سی طاری ہے

کہاں وہ عالم نور و سرور و ہستئ مطلق
کہاں یہ عارضی اوہام میں زاری و خواری ہے

خودی سے تجھ کو اے غافل ہوئی ہے خود فراموشی
شراب بیخودی پی یہ ہے دارو بہر مدہوشی

تماشائی ہے تو غافل تماشا گاہ کثرت میں
تماشائی مگر وہ جو ہے محویت کی حالت میں

بسان عالم رویا جہاں کی نقشبندی ہے
خرد باریک بینی پر کبھی مستغرق ہے غفلت میں

بہارستان امکاں کے طلسمی کارخانے ہیں
تحیر صورت تصویر ان سے خود ہے حیرت میں

گلستان ظہور اپنا عجب کچھ رنگ رکھتا ہے
غضب نیرنگیاں ہیں کارگاہ نام و صورت میں

یہ جلوے یہ تماشے اور یہ نیرنگیاں لیکن
نمود ظاہری ہے ہیچ ہیں چشم حقیقت میں

نمودی ہے وجود اس عالم کثرت کا اے غافل
حباب آسا نمایاں بحر بے پایان وحدت میں

تعین اور تقید کا ہے پندار خودی مرکز
نہیں ممکن تعین لیک نور بے نہایت میں

حقیقت میں ہے تو نور و سرور و ہستئ مطلق
تعین نے ڈبویا تجھ کو دریائے جہالت میں

خدا ہے پیش و پس پائیں و بالا راس و چپ لیکن
تجھے کیونکر نظر آئے کہ تو ہے خواب غفلت میں

طبیعت سے ذرا کر دور پندار انانیت
ذرا سرمہ لگا عرفان کا چشم بصیرت میں

نہ ہستی غیر کی کچھ ہے نہ ہستی ماسوا کی ہے
فقط اک ہستی مطلق ہے وحدت اور کثرت میں

عبث وہم انانیت سے تو اے بے خبر گمرہ ہے
کہ دنیا میں جدھر دیکھو ادھر اللہ ہی اللہ ہے

خطاب از کتب

تم کو اے میری کتابو مرحبا صد مرحبا | کر نہیں سکتا تمہارا شکرِ احساں میں ادا
تم ہو دکھ درد میں تنہائی میں مونس اور شفیق | تم ہو باہر خلوت و جلوت میں یارانِ صفا
دن گزرتا ہے تمہارے ساتھ کس آرام سے | نصف شب تک تم ہو اور میں اور صحبت کا مزا
دوست آتا جاتا ہے میں اکثر گھڑی بھر بیٹھ کر | دوست تم وہ ہو کہ اکتاتے نہیں مجھ سے ذرا
تم سفر میں اور حضر میں ہمدم بے عذر ساتھ ہو | ہیں مقام و کوچ دونوں تم کو یکساں واہ وا
تم کو افلاس و ثروت میں نہیں ہرگز تمیز | دوستو میں کب ملی یہ وضعداری یہ وفا
ساتھ دیتے ہو بیچ ہمیشہ تم یارانِ صحبت ہی نہیں | بلکہ دنیا اور عقبےٰ کے لئے ہو رہنما

محسن بے منت احسان ہو تم بالیقین
اور وہ احساں تمہارے ہیں کہ کہہ سکتا نہیں

دل ہجومِ یاس رہتا ہے دل افگار پر | کیونکہ دنیا جس کو کہتے ہیں وہ ہے فکروں کا گھر
ہے تمیز زندگی انکار اور آلام سے | چین سے کب بیٹھنے پاتا ہے یاں کوئی بشر
صرف کئے جاتے ہیں بہت باہر کے جھگڑے میں بہت | روز کی شادی غمی ہے روز کا ہے خیر و شر
یاری کی عوض لیتے ہیں عیاری سے کام | کھینچتے ہیں در اپنے کو اقارب بیشتر
ہے کبھی حاکم خفا محکوم ناخوش ہیں کبھی | اے خوشی تجھ کو نکالیں ہم کہاں سے ڈھونڈھ کر
دل بھی انساں کا بن کلیجہ میسر پتھر کا نہیں | دل میں چبھتی ہیں یہی باتیں مثالِ نیشتر

اس طرح جب غور کریں کھاتا ہے دنیا کی بہت
یاس چھا جاتی ہے دنیا سے دلِ افگار پر

یاس میں میں پاس آتا ہوں تمہارے دلفگار
تاکہ حاصل ہو دلِ مضطر کو تسکین و قرار

طعن و تشنیع سے تم ہو مبرّا بالیقیں
تم کلیجے میں کسی کے چٹکیاں لیتی نہیں

کب سنی تم سے کسی نے نا ملائم سخت بات
تم کو کب دیکھا کسی نے پر غضب چیں بر جبیں

ناسپاسی کا کبھی تم سے نہیں ہوتا ظہور
تم میں عیّاری کہیں ہے اور نہ غدّاری کہیں

تم میں اور دنیا کے لوگوں میں نہایت فرق ہے
تم ہو دنیا میں الگ ہے پر تمہاری سرزمیں

بخشتی ہو تم دلِ مضطر کو تسکین و سکون
اور دنیا میں ہجوم فکر سے ہر دم حزیں

بندہ دنیا کا رہتا ہے بہت آشفتہ حال
باعثِ سرگشتگی ہے اسکو یہ ارژنگِ چیں

مجھ کو کیا لینا ہے دنیا سے جو میں اسمیں پھنسوں
اے کتابو تم مری ہمراز ہو اور ہمنشیں

کنج تنہائی ہے تم ہو اور میں بیٹھا ہوا
مجھ کو کیا پروا کہ ہے دنیا میں کیا کیا ہو رہا

دل نہ لگنے کی شکایت بھی سنی جاتی ہے عام
مجھ سے گر پوچھو تو یہ ہے محض اک سودائے خام

ہستیٔ عمر رواں ہے چشمکِ برقِ جہاں
کون کہہ سکتا ہے کبتک ہے یہاں اُس کا قیام

کیا بھروسا دم کا ہے آیا نہ آیا اے عزیز
وقت فرصت مغتنم ہے کام آئیں کر وہ کام

کیا دھرا ہے بیہدہ شغلوں میں ان سے باز آ
کام آئینگے نہ یہ جب موت کا آیا پیام

بہتریں ہے مشغلہ کوئی تو ہے تحصیلِ علم
اس خزانے کی ہے جو کنجی کتاب اسکا ہے نام

یاں نہیں آئے بوالہوس میلے تماشے کا دماغ
مجھ کو گھر بیٹھے ہیں سیر اور تفریحیں تمام

مجمع احباب میں بھی میں بہت جاتا نہیں
کیونکہ میرے دوست میرے پاس رہتے ہیں مدام

کون جائے دوستوں میں گپ اڑانے کیلئے
جب کتب ہوں پاس اپنے دل لگانے کیلئے

رات کو سوتے ہیں سب کیا جانور کیا آدمی
کیونکہ دن ہے کام کا اور رات ہے آرام کی

میرے کمرے میں مگر جلتی رہا کرتی ہے شمع
نصف شب سے پیشتر سویا نہیں ہوں میں کبھی

یہ سماں تسکین کا ہوتا ہے یہ وقتِ سکوں
ہر طرف چھائی ہوئی ہوتی ہے گھر میں خامشی

شور و غل سے ہو نہیں سکتی تو یہ ہر طرف
شانتی سی طبع میں ہوتی ہے اور آسودگی

اس خموشی کے سمیں میں رات کو دوپہر
اے کتابو تم سے رہتی ہے مری دلبستگی

لوگ کرتے ہیں شکایت شب کو پڑھنا محال
ہاتھ میں لی ہے کتاب اب نیند سی آنے لگی

میں پڑھا کرتا ہوں پہروں تک خیال آتا نہیں
وقت جاتا ہے کہاں اور رات کتنی ہے گئی

جو مزے لوٹے ہیں میں نے رات کو بیٹھے ہوئے
وہ مزے تحریر اور تقریر میں کب آسکے

اپنی تصنیفات لیکر شاعرانِ ذی وقار
سب دکھاتے ہیں مجھے حسنِ طبیعت کی بہار

انکی باتوں میں ہے رنگینی و شیرینی بہت
سعدی و حافظ سے میں ملتا رہا ہوں بار بار

بیدل و عرفی پہ معنی آفرینی ختم ہے
معرفت میں مولوی معنوی ہے تاجدار

ہائے قندِ پارسی شیرینیاں تجھ میں ہیں وہ
چاٹتے ہی ہونٹ رہ جاتے ہیں تیرے دلفگار

یہ عذوبت گر کہیں ملتی ہے تو ہندی میں ہے
اردو کلیوں میں ہیں تلسی داس جی شمس النہار

میں ملا ہوں ذوق سے مومن سے غالب سے بہت
ہیں انیس اور صاحبِ سحر البیاں بھی تیرے یار

شاعرانِ انگلش اور شاعرانِ سنسکرت
طرز میں اپنی ہیں سب معجز رقم جادو نگار

شاعری کا جو مزا ان دو زبانوں میں ملا

وہ نہ آنکھوں نے کہیں دیکھا نہ کانوں نے سنا

شاعروں کے ساتھ میں کرتا ہوں گلگشتِ چمن
اور سنتا ہوں صدائے عندلیبِ پُر محن

یہ ہر اک نظارۂ قدرت میں میرے ساتھ ہیں
کوہ جنگل دشت صحرا بحر گلزار و بن

منظروں کی دیکھتا ہوں میں دلکش صورتیں
اور پھر ان کا لطف ہے ساتھ ہی لطفِ سخن

جذبہائے دل کی کیفیت بہت دلچسپ ہے
اور افسانے ہیں عشق و حسن کے توبہ شکن

راگ کے میٹھے سے سُر آتے کہیں ہیں کانمیں
اور کہیں پُر جوش تقریریں ہیں آوازہ فگن

کیا ہی رنگیں کھینچتے ہو تم تصاویر کلام
کس مصور سے اڑایا شاعرو تم نے یہ فن

کیمرے فوٹو کے ہیں آنکھیں تمہاری بالیقیں
لال ٹینیں سحر کی بے شک تمہارے ہیں دہن

میں جو پڑھتا ہوں طبیعت کو وہ ہوتا ہے علو
کر رہا گویا فرشتوں سے ہوں باہم گفتگو

ہیں مؤرخ بھی بہت سے میرے یارانِ صمیم
مجھ کو آ آ کر سناتے ہیں تواریخ قدیم

کھینچتے ہیں یہ بھی تصویریں نہایت دلفریب
ہے مذاق نقشہ بندی بھی بہت ان کا سلیم

کارنامے رزم کے دیکھے کہ ہیبت دل پہ ہے
رنگ تھے جو بزم میں ہے دنگ رائے مستقیم

میں جہاں آپ شاہوں کے جلوسوں میں شریک
جو تزک اور شان دیکھی حق تعالے ہے علیم

ہر زمانے کے عمائد سے ملاقاتیں ہوئیں
ہر زمانے کے ملے مجھ سے مدبّر اور حکیم

میری نظروں میں ہے قوموں کا عروج اور پھر زوال
اور تہذیب و ترقی و تمدن کی سکیم

شاعری اور فلسفہ ہے مجتمع تاریخ میں
اے مؤرخ کام تیرا ہے نہایت ہی عظیم

تو ہے پورا فلسفی ترکیب اور تحلیل کا
اور مصور سین کے اجمال اور تفصیل کا

[illegible] یہ دہر میں وہ جو ہوئے اہلِ کمال | یا کہ جن کی زندگانی تھی نمونہ اور مثال
[illegible] کے سوانح میں نہایت [illegible] | بعض نے لکھا ہے خود اور بعض کا اوروں نے حال
[illegible] قوم [illegible] اور مدبر اور حکیم | اہل تصنیف اہل ایجاد اہل حال اور اہل قال
[illegible] ان سب کی ہے بابت | کیسی کیسی کارنامے ہیں بصورت اور جلال
[illegible] ان کے واقعات زندگی | اور رہ رہ کر طبیعت میں ہے آتا یہ خیال
[illegible] ہیں [illegible] مفید | میری ہمت بھی ہو یونہی صرف تحصیل کمال
[illegible] پڑھنے تو ہے یہی تحصیل کا | ہو خصائل کو ترقی اور سدھر جائیں ڈھال

تجربہ عمر ول کا گھر بیٹھے مجھے حاصل ہوا
جبکہ دل ایسی کتابوں کی طرف مائل ہوا

—◆◆◆—

[illegible] دل بھی بہت دیکھے زمانِ حال کے | اور افسانے پڑھے ماضی و استقبال کے
[illegible] قلم [illegible] جادو رقم | ہیں کرشمے [illegible] اس میں اندر جال کے
[illegible] کا [illegible] مذاق ہے تیرا ہے [illegible] | صورتیں [illegible] ہیں کیا کیا نکالی ڈھال کے
[illegible] حکمت و سیر و سفر | ڈھیر ہیں [illegible] ہر طرح کے مال کے
[illegible] تجھ میں بھری | لاحقے خالی نہیں [illegible] تیری چال کے
تو [illegible] ہے کیسا [illegible] لاتا ہے کیسے | واہ کیا کہنے ہیں تیرے دلربا اقوال کے
تیری تصویریں ہیں [illegible] ایسی [illegible] | رنگ پھیکے پڑ گئے تاریخ کے احوال کے

دیکھتا ہوں اور سماں بندھتا ہے ایسا دلفزا
سامنے آنکھوں کے گویا ہے تماشہ ہو رہا

—◆◆◆—

میں پھرا ہوں سیاحوں کے نزدیک اور دور | دلفزا دیکھے ہیں قدرت کے بہت رنگ و ظہور

موجزن دیکھا ہے میں نے بحر ناپیدا کنار | اور صحرا میں سنا طوفان کا شور نشور
میں نے کانوں میں اتر کر سیر کی زیر زمین | میں غباروں میں اڑا ہوں مثل انواع طیور
دشت دیکھے کوہ دیکھے اور دریائے رواں | جانور دیکھے اور انسان اُن سے دیکھے بے شعور
سیرگاہِ لندن و پیرس کی سیریں کیں بہت | مصر کے مینار دیکھے اور اٹلی کے قبور
وہ عمارات رفیع الشان گزریں آنکھ سے | ہے کہانی سی نظر میں منزل حور و طہور
ہیں کرشمے صنعت و حرفت کے بہت حیرت فزا | روشنیِ علم کا پھیلا ہے وہ دنیا میں نور

چار دیواری میں کمرے کی کئے ہیں یہ سفر
میں نے گھر میں بیٹھ کر دیکھی ہے یہ سیر بحر و بر

لطف دیتے ہیں ترے مضمون اے مضمون نگار | میں تری طبع سخن آرا کا دل سے ہوں نثار
تو کیا کرتا ہے دریائے رواں کوزے میں بند | یہ لطافت یہ نزاکت اور پھر یہ اختصار
تیری طبعِ تازہ مضمون اچھوتی ہے مگر | رنگ کیا کیا صورتیں کیا کیا ہے کرتی اختیار
فلسفے پر تو ہے حاوی علم طبعی پر محیط | واقف تاریخ ہے تدبیر میں ہے ہوشیار
مذہب و سیر و سفر اخلاق تنقید و ادب | سب ترے مضمون یکساں ہیں ترے منت گزار
ہے بلا کی تیری بندش ہیں بلا کے رنگ ڈھنگ | یاں متانت ہے عیاں اور واں ظرافت آشکار
میں جو پڑھتا ہوں مزا آتا ہے مجھ کو اس طرح | چھوٹتے جس طرح محفل میں تماشے ہوں انار

تیری باتوں میں وہ شیرینی ہے گویا قند ہیں
ہو نہیں سکتی تری مدحت مرے لب بند ہیں

بحر ہے اخلاق کا بھی ایک بحر بیکراں | اور دُرِ خوش آب معنی ہیں بہت کثرت سے یاں
آبِ حکمت سے ہیں ان میں بعض موتی آبدار | شاعری کی بعض کے نگوں میں ہیں رنگینیاں

نظم میں ہیں نشتر اشعار ترا اخلاق کے
تو ادیب باعمل اے صاحب اخلاق ہے
بحث کرتا ہے کہیں باریک نکتوں پر دقیق
تو نے وہ نکتے بتائے دین و دنیا کے سمجھے
نیکیاں تو نے سکھائیں اور بدیاں دور کیں

نثر میں تو کلک سناں طرز بیاں کی خوبیاں
تو حکیم باخبر ہے فلسفے کا راز داں
ہے حکایات نفیسہ سے کہیں عذب البیاں
یاں بھی کام آئیں وہاں بھی کام آئیں بیگمان
ہوں ترے اطوار شائستہ کا دل سے مدح خواں

طرز ہے دلچسپ و مستحسن تری تحریر کا
گونجتا ہے کان میں جادو تری تقریر کا

اے طبیعی تیری تحقیقات ہے حیرت فزا
دیکھتا ہے تو نجومی بن کے اجرام فلک
معدنوں میں تو نے کی طبقات ارضی کی تلاش
ڈاکٹر بن کر بتائے ہم کو سب حالات جسم
حکم چلتا ہے ترا برق و ہوا و آب پر
سب کلیں تیرے دماغی کارخانے میں بنیں
تیری تحقیقات و تفتیشات پر صد آفریں

ہے زمین و آسماں کا حال سب تجھ پر کھلا
پھر ریاضی سے ہے ان کا دور و دوری ناپتا
چوٹیوں پر چڑھ کے لکھا حال طبقات ہوا
کیمیا گر بن کے کی تفتیش تاثیر دوا
تیرا چاکر ہے طبیعات اور لونڈی کیمیا
جن سے تیرے دست قدرت میں ہیں قدرت کے نئے
قابل تحسین ہے تیری عقل اور فکر رسا

ہے طلسم حیرت افزا تیرا جتنا ہے کلام
عقل حیراں ہے، کہ ہیں یہ معجزے یا تیرے کام

میں نے سوچے ہیں مسائل فلسفے کے بیٹھ کر
یار ہیں میرے بہت اصحاب یورپ کے حکیم
جو مزا ملتا ہے اس کوچے میں آ کر علم کا

اور علم النفس کے نکتوں سے بھی ہوں باخبر
اور دیکھا ہے بہت ہندوستان کا شاستر
وہ مزا ملتا نہیں میں پھر چکا ہوں دربدر

فلسفہ پڑھ کر مرے دل کو ہوئی آسودگی — فلسفہ پڑھ کر ہوئی ہے دوربیں میری نظر
ہے خدا کیا اور یہ دنیا ہے کیا اور میں ہوں کون — تین باتیں سوچنے کی ہیں کوئی سوچے اگر
تو نے یہ تینوں بتائے ہیں مجھے اے فلسفی — تو مرا اشراق و استدلال میں ہے راہبر
دق نہیں کرتے مجھے افکارِ دنیائے دنی — ہے بہت گہرا تری تعلیم کا دل پر اثر

لطف میں نے تیری صحبت میں اٹھائے ہیں بہت
تو ہے وہ فیاض تجھ سے فیض پائے ہیں بہت

تم ہو یارانِ صفا تم دوستانِ ہم نشیں — اے کتابو میں تمہاری مدح کر سکتا نہیں
یہ تمہارا فیض ہے اور یہ تمہارا ہے کرم — کیسے کیسے باکمالوں سے ملاقاتیں ہوئیں
لطفِ صحبت ہے وہ اٹھنے کو نہیں دل چاہتا — اور باتوں میں مزا وہ کان تھکتے ہی نہیں
ہے کتب خانہ مرا میرے لئے باغِ جناں — ہے کتب خانہ مرا میرے لئے ارژنگِ چیں
اس میں ہیں موجود دنیا کے اربابِ کمال — اسمیں ہیں اربابِ دنیا اسمیں ہیں اصحابِ دیں
ایک سے ہے ایک اعلیٰ ایک سے برتر ہے ایک — دوست ملتے ہیں بھلا ایسی لیاقت کے کہیں
تم کو لے میری کتابو آفریں و مرحبا — دل نہیں ہوتا تمہاری فیضِ صحبت سے حزیں

چونکہ ہے اے مہر تو بھی رہروِ راہِ کمال
میں بہت پڑھتا ہوں تیرا بھی کلامِ بے مثال

نوٹ:- دربار مہارانی لکشمی جو اگلے صفحے سے شروع ہوتا ہے دیوالی کے موقعے پر لکھا گیا تھا۔ اس موقع پر کایستھ سبھا لاہور کا سالانہ جلسہ نہایت تزک و احتشام سے ہوا کرتا تھا۔ ۱۸۹۵ء کا جلسہ خاص اہتمام سے کیا گیا تھا۔ احباب کی فرمائش سے یہ نظم لکھی اور پڑھی تھی۔ سنہ ۱۹۰۱ء میں اسی نظم کو لاہور کی ایک اور بڑی سبھا میں پڑھا گیا تھا۔ اس وقت اس میں تین بند بڑھائے تھے÷

دربار مہارانی لکشمی

چاندنی رات ہے اور ہے مہِ روشن کا ظہور
روشنی سے ہے زمیں اور فلک سب معمور

فرش ہے چادرِ مہتاب کا مہتابی پر
عرش اور فرش پہ ہے جلوۂ شمعِ سرِ طور

اگر آجاتا ہے بادل کوئی رستے میں تو ماہ
کس طرح تیر کے اس جھیل سی کرتا ہے عبور

اور جو ٹکڑا سا ہوا رنگ اُس کا تو بس کیا کہنا
چاندنی چھنتی ہے چھتنی میں چھنے جیسے نور

منڈھ دیا واہ ہر اک چیز پہ سونے کا ورق
نورِ مہتاب کا ہے آج وہ عالم میں وفور

چاندنی رکھتی ہے سائے میں خطوں کے بہار
صفحہ کالا سا ہے اور اس پہ طلائی ہیں سطور

دستِ قدرت نے صفا اسمیں بھری کچھ کہ آپ
چاندنی وہ ہے یہ جس کا نہیں دھونا منظور

تارے چھٹکے ہوئے ہیں اور سہانا ہے سماں
دیکھ کر آنکھ میں ٹھنڈک ہو جسے دلکو سرور

خامشی چار طرف پھیل رہی ہے بالکل
نہ زمیں پر کوئی آہٹ ہے ہوا میں نہ طیور

یہ سماں ہے مری آنکھیں مگر بند ہیں وہ
اور کوئی کان میں کہتا ہے کہ اے عقل سے دور

اُٹھ اُٹھ اور نیند سے ہوشیار ہو سونے والے
ورنہ پچھتاتے ہیں پھر وقت کے کھونیوالے

سُن کے آواز یہ میں خواب میں یکبار اُٹھا
اور اس آواز کے پیچھے اسی حالت میں چلا

گو نہ اُٹھتا تھا قدم لیک مرا حال تھا یہ
کوئی کھینچے دلِ شیدا کو لئے جاتا تھا

آنکھ گو بند تھی پر چشمِ حقیقت تھی کھلی
اللہ اللہ سماں کیسا تھا وہ روح افزا

ہلکی ہلکی سی وہ کچھ بادِ شبی کی جنبش
ہولے ہولے سے وہ اشجار کا جھوکے لینا

وہ سکوں تھا کہ طبیعت میں سکوں آتا تھا
اور وہ ٹھنڈک تھی کہ ہوتا تھا کلیجہ ٹھنڈا

نور وہ نور تھا ہو نور بصر جس سے فزوں
یعنی وہ نور کہ تھا چاند کا اور تاروں کا

خواب غفلت میں تھے سرمست زمیں اور زماں
اور خموشی کا یہ عالم تھا کہ غل تھا نہ صدا

کھیت سرسبز کہیں تھے کہیں سرسبز درخت
سطح دریا پہ کہیں زور نہ تھا موجوں کا

کہیں پھولوں کی مہک اور کہیں سبزے کی لہک
دل گل تازہ کی مانند کھلا جاتا تھا

بیزہ اس لطف سے کچھ لطف اٹھایا میں نے
جہاں ٹھیرا وہیں بس کان میں آئی یہ صدا

ہاں قدم جلد اُٹھا راہ میں سونے والے
ورنہ پچھتاتے ہیں پھر وقت کے کھونیوالے

میں جو آگے بڑھا اک باغ کا دروازہ تھا
منتظر چشم کی مانند جو بالکل وا تھا

بے تکلف میں ہوا باغ کے اندر داخل
باغ کیا گلشن فردوس کا سب نقشہ تھا

صاف ستھری روشیں پاک مصفا سڑکیں
کہیں تنکا بھی پڑا واں نہ نظر آتا تھا

سنگ مرمر کی تھی نہر اور اِدھر اور اُدھر
دونوں اطراف میں چھوٹا ہوا کچھ رستہ تھا

پاسبانی کے لئے سرو کھڑے تھے لب راہ
ڈر عروسان چمن کو نہ کسی شے کا تھا

گھن کی تھی چھاؤں درختوں کے تھے سر جا بجا مٹ
یاں کشادہ سے اگر تھے تو وہاں غنچہ تھا

قد کشیدہ تھے جو پودے تو معمر تھے درخت
گرم اور سرد جنہوں نے کہ بہت دیکھا تھا

آم کرتا تھا بلندی میں فلک سے باتیں
ہم قرانوں میں نہ جامن کا بھی سر نیچا دیکھا

سبز پتوں میں وہ گلنار اناروں کے پھول
پھول کہنے کو ہر اک شعلۂ جوالہ تھا

ناشپاتی تھی وہاں فالسہ تھا گوندنی تھی
الغرض فصل کا جو چاہئے سب میوہ تھا

کوئی بے بر تھے کسی میں ابھی پھول آتے تھے
کوئی پھل پھول کے بوجھوں سے جھکے جاتے تھے

شاہ رہ سے روشیں کٹتی تھیں ہر سمت ہزار | جو سفیدی و صفائی میں تھیں جوں عارض یار
تھی کناروں پہ کہیں نہر رواں پانی کی | کنگرے تھے کہیں سنگیں کہیں مہندی کی قطار
بیچ میں ان کے تھے پھولوں کے مُسَفّا تختے | ان میں گلبن تھے کہ تھی جن کی نہ حد اور نہ شمار
ان کے بوٹے سے قد اور سبز چمکتے پتے | یوں کھڑے تھے کہ کھڑے ہوں جیسے ہر صفت نگار
گل شب بو تھا کہیں اور کہیں نافرماں | کہیں صد برگ کہیں لالۂ پُر خون بہار
موتیا اور چمیلی سے مہکتا تھا باغ | تھا گلاب اور بنفشہ سے چمن دشتِ تتار
تر زباں تھی کہیں شبنم کی صفت میں سوسن | چشم حیراں سے تھی نرگس کہیں محو دیدار
رنگ اور حسن کا جلوہ تھا ہر اک تختے میں | اور یہ خوشبو تھی کہ ہر جا تھی دکان عطار
اُن کے رنگوں میں تھے سب قوس قزح کے نیرنگ | اُن کی خوشبو میں تھے مشک ختن کے آثار
واہ رے حسن کہ خیرہ ہوئی جاتی تھی نظر | واہ رے رنگ کہ بالیدہ تھا نور ابصار

یاں سے جاتی نہ تھی گر باد صبا آتی تھی
اس قدر بوجھ تھا خوشبو کا کہ دب جاتی تھی

وسط گلشن میں بڑا حوض تھا اک خوش منظر | جو کٹورا سا چھلکتا تھا بڑا سرتاسر
آب سے اس کے خجل ہوتی تھی موتی کی آب | اللہ اللہ وہ پانی کی مصفّا چادر
اسمیں فوارے تھے چاندی کے ہزاروں جاری | چھوٹتے تھے تو برس جاتے تھے لاکھوں گوہر
عکس مہتاب کا اور تاروں کا لہراتا تھا | آسماں پر زمیں آتا تھا لوگوں کو نظر
وسط میں حوض کے اک برج کھڑا تھا سطح | جھیل کے بیچ میں جس طرح گل نیلوفر
چار برج اور تھے اس حوض کے کونوں پہ کھڑے | برج افلاک سے بھی مرتبے میں بڑھ چڑھ کر
گرد میں تھیں روشیں بیش بہا پتھر کی | اُن کی نور اور صفا پر نہ ٹھہرتی تھی نظر
کہیں چینی کہیں شیشے کے بلوریں گملے | ایسے زیبا تھے کہ رکھ لیجئے بس آنکھوں پر

اُن میں جو پھول تھے خوش رنگ تھے اور خوشبو تھے
عطر آگیں تھا مشام اور فرزوں نور بصر

رنگ اور بو کا وہ انبوہ تھا اللہ اللہ
کہ صبا کو بھی نہ ملتی تھی وہاں راہِ گزر

ایک ایوان لبِ آب نظر آتا تھا
لحن داؤد سے واں کوئی غزل گاتا تھا

تابِ نظّارہ تجھے ہو دلِ شیدا کیونکر
دُور دیدۂ مہر سے ہو دیدۂ بینا کیونکر

بن بُلائے کبھی للہ مرے گھر آجاؤ
میں بھی تو دیکھوں پلٹتا ہے نصیبا کیونکر

ذرّہ ذرّہ ہے ترے نور سے معمور یہاں
دیکھنے تجھ کو گیا طور پہ موسےٰ کیونکر

برقعِ نام و صور میں ہی ملو جب ہر جا
دیکھیں عشّاق تمہارا رُخِ زیبا کیونکر

ایک ہی جام مئے عشق سے بیہوش ہوں نہیں
خُم کے خُم پیتے ہیں مبہوش خدایا کیونکر

عشق اک پردہ نشیں سے ہے جتاؤں کس طرح
میرا چارہ کریں احباب و اطبّا کیونکر

رہگزر سے کبھی گزرو تو خدارا دیکھو
دیکھئے تشنۂ دیدار ہیں رستا کیونکر

شوقِ نظّارہ مجھے اور وہ ہیں پردہ نشیں
میں ہوں حیران کہ حل ہوگا یہ عقدہ کیونکر

بیقراری ہے مجھے اُن کا تغافل ہے شعار
ہمنشیں دیکھئے واں جمتا ہے نقشہ کیونکر

حسن کا خاصّہ ہے جلوہ فروشی اے مہر
پھر پسند آیا ہے اُس شوخ کو پردہ کیونکر

دعوتِ روح نہیں راگ کو کہنا بیجا
دل ہر اک شعر کو سُن سُن کے مٹا جاتا تھا

اللہ اللہ وہ اس وقت کا دل بند سماں
وہ صدا اور وہ فضا اور وہ زباں اور وہ مکاں

کچھ سمجھ ہی میں نہ آتا تھا کہ اسرار ہے کیا
بہشتی کا تھا یہ عالم میں کھڑا تھا حیراں

سوچتا تھا مجھے فردوس میں لائی ہے قضا
پر کہاں گلشنِ جنت میں گنہگار کہاں

وہی پہلے کی سی پھر کان میں آئی آواز
کوئی پیچھے ہے کھڑا اور یہ کہتا ہے کہاں

حضرت مہر یہ حیرانی و غفلت کیا ہے
شکر کیجے کہ ہوا آپ کو بھی دخل یہاں

مڑ کے دیکھوں تو برابر میں ہے اک حور کھڑی
اس کے چہرے سے ہیں انوار بہشتی تاباں

میں نے پوچھا کہ یہ اسرار ہے کیا تم ہو کون
ہنس کے کہنے لگی اللہ رے غفلت ناداں

میں ہوں تقدیر تری اور تجھے واں لائی ہوں
کہ فرشتہ جہاں پر مار سکے کیا امکاں

یہ مکاں وہ ہے تصور نہ جہاں تک پہنچے
یہ مکاں وہ ہے کہ باہر ہی ہیں وہم و گماں

یہ مکاں وہ ہے ملائک کا جہاں دخل نہیں
یہ مکاں وہ ہے جہاں آنے کو ترسے انساں

لکشمی جی کا یہ استھان ہے دربار ہے آج
مانگ لے تجھ کو بھی اے مہر جو درکار ہے آج

پیچھے پیچھے میں چلا اور مرے آگے تقدیر
واں پہنچے جہاں ایواں کی تھی دلکش تعمیر

نظر آتی تھی اسے دیکھ کے بس قدرت رب
کیا عمارت تھی وہ العظمۃُ للہ تقدیر

ہاتھ پگڑی پہ دھرے دیکھتے تھے اہلِ نظر
کہیں دیکھی نہیں اس سقف کی عظمت میں نظیر

در و دیوار پہ جمتا ہی نہ تھا پائے نگاہ
پھسلا جاتا تھا یہ تھی فرطِ صفا کی تاثیر

وہ سنیا تھی کبھی پاؤ نہ دل عارف میں
وہ صفا تھی کہ مصفا نہ ہو صوفی کا ضمیر

کس تکلف کے تھے گرد اس کے غلام گردش
جن کے پردوں میں لگی اطلس و کمخواب و حریر

تھے ستوں لاکھو تراشے ہوئے اک پتھر کے
جگمگاتی تھی پڑی اُن میں طلائی تحریر

سنگ مرمر پہ مزا دیتی تھی پچی کاری
وہ جواہر کی جڑت اور وہ اُن کی تنویر

چشم دلدار تھا خوبی میں ہر اک در اُس کا
اُسکی محرابیں تھیں ابروے بتان کشمیر

کنگرے برج منارے تھے جو سب ایسے تھے
کہ تزک اور تکلف میں نہ رکھتے تھے نظیر

میں جو اندر ہوا داخل تو سماں کیا دیکھا

آنکھیں چندھیا گئیں وہ نور کا جلوہ دیکھا

کس تزک اور تکلف کا وہ کل ایواں تھا / کس تزک اور تکلف کا وہاں ساماں تھا
اسکی وسعت تھی دل اہل صفا کی مانند / اسکی رفعت تھی کہ اک چرخ رفیع الشاں تھا
در و دیوار پڑے کرتے تھے جگمگ جگمگ / بسکہ لعل اور جواہر وہاں نور افشاں تھا
تھی زر و سیم کی چھت رنگ کی گنگا جمنی / سادہ کاری کا تھا کام اسمیں کھلا بستاں تھا
لاکھ بتی کا تھا اک جھاڑ لٹکتا اسمیں / جھاڑ کاہے کو تھا خود ایک چراغستاں تھا
مختلف رنگ کے فانوس گلاس و قندیل / اور ہر اک مہ کامل کی طرح تاباں تھا
شیشہ آلات تصاویر ظروف و اصنام / اک طلسمات کا عالم تھا کہ نور افشاں تھا
گو وہ تصویریں تھیں کہتی تھیں ہم اب بولیں / ہر بت آمادۂ رفتار تھا گو بے جاں تھا
نور اور حسن میں ہر شے کا یہ عالم تھا وہاں / کہ نظر اٹھ سکے اس چیز سے کیا امکاں تھا
اہل دربار کے تھی بر میں مکلف پوشاک / اور چہرے تھے یہ تاباں کہ مکاں تاباں تھا

صدر میں تخت مرصع تھا مہارانی کا
جلوہ آتا تھا نظر قدرت یزدانی کا

حسن اعجاز نما نور جہاں سے متعال / وہ صباحت وہ ملاحت وہ نزاکت وہ جمال
خندۂ زیر لبی میں تھا تلطف پنہاں / رخ انور سے ٹپکتا تھا بڑا جاہ و جلال
باادب گرد میں بیٹھے تھے جلیس اور انیس / گوش آواز پہ آنکھوں کو اشارے کا خیال
تخت کے پاس ہی میزان عدالت تھی دھری / جو کوئی آن کے سرکار میں کرتا تھا سوال
پہلے تلتا تھا عدالت کی ترازو میں وہ / پورا اترا تو وہ ہو جاتا تھا بس مالا مال
واں سے لیجاتے تھے سب دامن دولت بھر کر / کوئی عزت کوئی شہرت کوئی دولت کوئی مال

میں نے سوچا کہ یہ بڑا بڑی غالی ہے — کیا لیا یاں سے لیا اپنے لئے گر زر و مال
ملک اور قوم کا جو حال تب سب ظاہر ہے — یاں سے پا جائیگا اصلاح زبونی احوال
جب ذرا بعیر چھوٹی بڑھ کے قدم میں نے لئے — اور یہ کی عرض کہ ہے نام تمہارا کرپال
آپ جس ملک کی کُلدیو ہوں اسکی یہ گت — کہ نہ علم اور نہ دولت نہ ترقی نہ کمال

ہنس کے فرمایا کہ وہ سابقہ عظمت کیا کی
وہ ترقی و تمدن کی بضاعت کیا کی

کون تھا دہر میں تہذیب کا بانی تم تھے — گر تمدن تھا گھڑی اُسکی کمانی تم تھے
مبرہن کس نے کئے علم الٰہی کے اصول — کون تھا واقف اسرار نہانی تم تھے
شاستر کس نے لکھے فلسفہ و حکمت پر — کاشف سِر نہانی و عیانی تم تھے
کس نے منطق کو بھلا علم کا درجہ بخشا — کون تھا اہل بیاں اور معانی تم تھے
علم میں آگے کیا اور فن موسیقی میں — تھا تمہارا کوئی ثانی تو وہ ثانی تم تھے
علم اخلاق و ادب طب ریاضی و نجوم — سب تمہیں سے اٹھے ان علموں کے بانی تم تھے
نہیں دنیا میں کوئی آج تمہاری سی زباں — سچ ہے یہ موجد اعجاز زبانی تم تھے
نثر میں موجد اعجاز زبانی تھے تم — نظم میں مخترع سحر بیانی تم تھے
علم اور فن کا تمہیں سے ہوا دنیا میں شیوع — منبع چشمۂ صد فیض رسانی تم تھے
اور قوموں کا ہے تہذیب کا دعوےٰ جھوٹا — تھا کوئی موجد و بانی تو وہ بانی تم تھے

مصر و یونان میں سب علم کہاں سے پہنچا
ہم یہ لاکھوں میں کہینگے کہ یہاں سے پہنچا

علم تھا بحر تو اس بحر کے گوہر تھے تم — فن جو دریا تھا تو دریا کے شناور تھے تم

صنعتیں دیکھ کے کرتا ہے مانی عش عش
مانگتی آج ہیں یورپ کی نمائش گاہیں
روم و یونان میں جاتے تھے تمہارے کپڑے
دہر میں سنگتراشی میں تھے تم ضرب مثل
گو کہ میں اُٹھ گئے وہ لیک مکاں ہیں اب تک
قلعۂ کوہ کے یا قعرِ زمیں کے مندر
چار اطراف میں تھے شہر تمہارے مشہور
تھی تجارت جو تمہاری تو تمہاری حرفت
تم سے سیکھا ہے ہر اک قوم نے فن اور ہنر

کیسے صنّاع تھے تم کیسے ہنرور تھے تم
وہ تمہارے زر و زیور تھے وہ زرگر تھے تم
چار اطراف کے صنّاعوں سے بہتر تھے تم
دھات کے کام میں سب قوموں سے برتر تھے تم
اُن سے ظاہر ہے کہ کیا صاحبِ جوہر تھے تم
کرتے ہیں کہ فرشتوں سے بھی بڑھکر تھے تم
دولت و مال میں سب قوموں کے افسر تھے تم
صاحبِ مال تھے تم صاحبِ جوہر تھے تم
جگت اُستاد کوئی تھا تو مقرر تھے تم

ایک عالم میں تھیں مشہور تمہاری قومیں
تم وہ تھے جن پہ حسد کرتی تھیں ساری قومیں

اتفاق اور حمیّت کی تھی عادت تم میں
تم نے لنکا کو کیا فتح۔ اودھ سے چڑھکر
اہلِ یونان نے مانی ہے تمہاری تلوار
مصر جاتے تھے سمندر سے تمہارے بیڑے
بخل تھا تم کو نہ تعلیم و تعلّم سے کبھی
پانی نی اور ویاس اور وسشٹ اور منو
راستبازی و نکوکاری و خوش کرداری
اپنے بیگانے تھے سب ایک سے قومی بھائی
ایک گرتا تھا تو سو اُس کو اُٹھانے لگتے

تھی نفاق اور نہ تفریق کی صورت تم میں
وہ ارادہ تھا وہ ہمّت تھی وہ نہمت تم میں
سورما تم وہ تھے اور تھی وہ شجاعت تم میں
کبھی اِس طرح کا تھا شوقِ تجارت تم میں
یہی باعث تھا کہ تھا علم بکثرت تم میں
پہلے ہوتے تھے بہت صاحبِ شہرت تم میں
غرض اخلاق کی ہر اک تھی فضیلت تم میں
وہ شرافت کبھی تم میں تھی وہ غیرت تم میں
جوشِ قومی کی کبھی تھی وہ حمیّت تم میں

ملک میں ہیں نہ ڈھونڈے نادار نہ آتے تھے نظر
کہیں ڈھونڈے بھی نہ ملتی تھی فلاکت تم میں

آج کل ملک میں پھیلی ہوئی ناداری ہے
جائے تعلیم جہالت کی گھٹا طاری ہے

حیف وہ ملک جہالت نے کیا مستاصل
ساتھ ہی ملتے تھے ملتے تھے جہاں علم و عمل

اپنی للاف میں جبان کر کے دکھاتے تھے شی
جو مسائل کو کیا کرتے تھے حکمت کے حل

کیا ہوا ملک ہے وہ شاستروں کا پرچار
کیا ہوا ملک سے وہ تتو درشٹی کا بل

وہ رشی اور مہرشی نہیں کیوں ملتے اب
جنکی کٹیوں سے تھے یاں کے متبرک جنگل

ایک وہ تتو درشٹا تھے کہ لکھے دفتر
ایک تم ہو کہ مطالب بھی نہیں ہوتے حل

بند کیوں ہوگئی افسوس وہ ویدو دھونی
گونجتے جس دھوانی سے تھے پڑے دشت و جبل

بند کیوں ہوگئی - وہ اپنشدوں کی تعلیم
زنگ آئینۂ دل کیلئے جو تھی صیقل

وہ ہوان کیا ہوئے اور کیا ہوئے وہ اگنی کرم
جب نہیں یگیہ تو حاصل ہو بھلا کیونکر پھل

نام ہی شاستر و وید کا اب باقی ہے
اور فقط نام پہ نازاں ہے کہ ہے بانگ دہل

کون پڑھتا ہے انہیں کس نے اٹھائی محنت
اور اگر پڑھ بھی لیا ہے تو کرے کون عمل

دلربائی کا نہیں آپ نے پڑھنا چھوڑا
دھرم کا تھا جو وہ پڑھنا سو وہ پڑھنا چھوڑا

دھرم کا نام ہی سننے میں اب آتا ہے کم
نہ وہ آچار نہ وہ کام نہ یم اور نیم

علم ہی جب نہیں انکا تو عمل کیونکر ہو
اور عمل جب نہیں تو دھرم ہے لفظ مبہم

بے تکی ہانکتے رہتے ہیں سب اپنی اپنی
اور نازاں ہیں کہ برتر ہیں زمانے سے ہم

دھرم کا تو ہے ایک ایک میں کس طرح خلاف
ایک وہ چیز ہے جسمیں کہ نہیں بیش و کم

پاک اعمال ہوں دل پاک ہو اور پاک کلام — دھرم ملتا ہے اُسی وقت کہ تینوں ہوں بہم
اب نہ اعمال ہیں صاف اور نہ دل اور نہ کلام — دھرم لب پر ہے مگر دل میں بھرا جور و ستم
آئے دن ملک میں رہنے لگی افسوس وبا — آئے دن قحط سے سب کام ہیں درہم برہم
وقت پر شاذ ہی ہوتی ہے کبھی اب بارش — اور شکایت ہے کہ بدلا ہے نظامِ عالم
بارش و قحط و وبا کی ہے شکایت سب کو — اپنے اعمال کو پر دیکھنے والے ہیں کم
برکت کہتے ہیں جسکو وہ ہے نیت کا پھل — صاف نیّت ہو تو برکت بھی پہنچتی ہے بہم

قابلِ قدر نہیں آپ کی جو نیّت ہے
ہم بتا دیتے ہیں جو ملک کی کیفیت ہے

اب کہیں یکجہتی کا نہیں نام اور نشاں — اتفاق اب کہیں پا جائے بھلا کیا امکاں
آج ہر شخص ہے اس اپنی غرض کا بندہ — ملک کے نام پہ کرتے تھے فدا جان جہاں
آج ملحوظِ نظر سب کے ہیں ذاتی اغراض — گو ان اغراض سے مقصود ہے قومی نقصاں
کام کو چھوڑ کے ہے نام پہ شیدا ہر ایک — پھر نظر آئے جو بہبود کی صورت تو کہاں
کیوں نہ اس ملک سے مفقود ہو قومی عظمت — جہاں خود غرضی ہو ہر بات کی جڑ میں پنہاں
کیا تعجب ہے اگر اُٹھ گئی برکت تم سے — کیا تعجب ہے جو عظمت کا نہیں تم میں نشاں
علم اور فن بھی اسی طرح سے تم سے اُٹھّے — خود غرض تم تھے کیا تم نے نہیں انکو عیاں
لے گیا تبر میں آتا تھا کسی کو جو کچھ — پر بتا جائے کسی کو یہ بھلا کیا امکاں
چاہتے گر ہو ترقی تو یہ باتیں چھوڑو — سیکھو خود اپنی مدد کرنی مگر با دل و جاں
کام دنیا کے چلا کرتے ہیں جس ہمت سے — تم بھی پیدا کرو وہ ہمت مردانِ جہاں

اہلِ ہمّت کی محبت کا میں دم بھرتی ہوں
جو مدد اپنی کریں اُن کی مدد کرتی ہوں

شرط ہے یہ بھی پہلے کی سی پھر یاری ہو
دوستداری ہو وہی اور وہی غمخواری ہو

اتفاق ایسا ہو پھر یکدل و جاں بن جاؤ
طبع میں اُنس ہو اور دل میں وفاداری ہو

دو مدد ایک کو ایک ایک کو ایک
سہل و آسان ہے پھر کیسی ہی دشواری ہو

اتفاق آئینۂ طاقتِ قومی ہے بجا
ہاں وہی یکجہتی ملک میں پھر جاری ہو

پھر وہی جوش حمیت ہو وہی غیرت ہو
پھر رگ و پے میں تمہاری وہی خون جاری ہو

مل کے ہو جاؤ تمام ایک ہنو نیک ایسے
کہ تمہاری یہی ہمت ہو پر اُپکاری ہو

علم اور فن کی اشاعت کے ہوں ساماں پیدا
پھر وہی چشمۂ فیض از سر نو جاری ہو

سب کو آتا ہے نظر سامنے تب بام کمال
شرط ہمت ہے یہ پھر چڑھنے کی تیاری ہو

ہیں طلبگار ترقی ہوں ہر شخص کو محنت کا پھل
پر وہ محنت ہو کہ با سعی عمل کاری ہو

خود مدد اپنی کرو تم کو مدد ہیں دونگی
مگر اتنا تو ہو امداد کی حق داری ہو

حق امداد طبیعت میں جو پیدا ہو جائے
بھائیوں کی طرح ایک ایک پہ شیدا ہو جائے

رمز حکمت کی ہے یہ قبلۂ حاجات ہے زر
تم دفینوں سے اسے کھود کے لاؤ باہر

مدرسے کھولو ہر اک گاؤں میں قصبے میں
کالج ایسے ہوں کہ دیکھا کرے ہر فرد بشر

علم سے عام جہالت کی گھٹا ہٹ جائے
چمکے وہ ملک میں تعلیم کا مہر انور

کارخانے ہوں بڑے صنعت و حرفت کے کہیں
اور زراعت میں ترقی ہو کہیں بڑھ چڑھ کر

جا بجا علم و ہنر کے ہوں وہ چرچے کہ بنے
ملک مغرب کی طرح ہند بھی سائنس کا گھر

تاجروں کی بھی بڑی کمپنیاں ہوں تا تم
وہ کھلیں بینک کروڑوں کے ہوں سودے اکثر

ہر طرح کی تمہیں سرکار نے دی آزادی
شکر کی جا ہے کہ یہ دور ہے دورِ قیصر

جس طرف دیکھئے رستا ہے ترقی کا کھلا
جس طرف دیکھو سہولت ہے بڑی پیش نظر

ملک میں چار طرف امن و اماں پھیلا ہے
اس سے کیا اور ملیگا تمہیں موقع بہتر

میری امداد کے حقدار جبھی تم ہو گئے
کہ مدد اپنی کرو آپ بہادر بن کر

جبکہ تقریر ہوئی ختم بہارانی کی
طرفہ انداز سے مطرب نے غزل اک چھیڑی

اہل ہند آپ کی جانب سے جو ہمت ہو جائے
وہی پہلے کی سی پھر آپ کو عظمت ہو جائے

ملک پھر از سر نو فخر جہاں بن جائے
قوم پھر از سر نو صاحب شہرت ہو جائے

یہ مثل سچ ہے کہ ہمت سے ہے برکت حاصل
تم جو ہمت کرو تو اگلی سی برکت ہو جائے

وہی تحصیل کمال اور وہی فضل و ہنر
وہی عظمت وہی دولت وہی ثروت ہو جائے

عیش و عشرت کے ہوں پھر ملک میں ساماں پیدا
دور ناداری و افلاس و فلاکت ہو جائے

اہل ہمت کو مدد حق سے ملا کرتی ہے
تم بھی حقدار بنو اس کے وہ ہمت ہو جائے

آریا ورت کے سب لوگ ہوں بھائی بھائی
وہی پہلے کی سی پھر تم میں حمیت ہو جائے

خویش و بیگانے کی باقی نہ رہے کچھ بھی تمیز
جا بجا پھر ایسی طبائع میں محبت ہو جائے

چار اطراف میں ہوں کام تمہارے مشہور
نام افلاک پہ چڑھ جائیں وہ رفعت ہو جائے

حضرت مہر دعا حق سے کیا کرتے ہیں
دن پھریں ہند کے پھر پہلی سی عظمت ہو جائے

جب غزل ختم ہوئی مجھ پہ مصیبت آئی
آنکھ کیا کھل گئی یوں سمجھو قیامت آئی

آنکھ گو کھل گئی پر خواب کا تھا سب نقشہ
وہی عالم مری نظروں میں ابھی پھرتا تھا

جاگ اٹھا تھا مگر تھا وہ سماں آنکھوں میں
وہ مکاں اور وہ باغ اور وہ شب کا جلسہ

فکر رہ رہ کے مجھے ہونا تھا کیا بات تھی یہ
پر سمجھ ہی میں نہ آتا تھا کہ اسرار ہے کیا

پھر خیال آیا کہ تھا خواب بشارت آمود
جس کا ہر نکتہ و مطلب ہے نصیحت سے بھرا

یہی بہتر ہے کہ احباب سے ظاہر کیجے
ایسے اسرار کا دل میں نہیں رہنا اچھا

آدمی کتنے دلیارے سے لیتے ہیں پسند
یہ تو تعبیر طلب خواب ہے عبرت افزا

سامعین آپکی خدمت میں بس اب عرض ہے یہ
کہ بیاں کرچکا سب میں نے جو کچھ دیکھا تھا

آپ سب نام خدا طبع رسا رکھتے ہیں
علم اور عقل سے ہے آپ کو بہرہ پہنچا

ان مضامین مطالب کو ذرا سوچیں آپ
کہ یہ باتیں ہیں بجا یا کہ سراسر بیجا

پھر بس نظم کو اب ختم دعا پر کیجے
یاد رکھو کسی حالت میں نہیں طول اچھا

یا خدا ہند میں جب تک کہ ہمالہ ہو بلند
نام اس ملک کا دنیا میں دوبالا ہو بلند

کنج تنہائی کے مزے

مرحبا اے گوشۂ عزلت گزینی مرحبا
ہاں جزاک اللہ فی الدارین خیراً حبذا

تیرے جو احسان بے پایاں سراحقر پہ ہیں
منہ نہیں اتنا کہ اُن کا شکریہ کیجے ادا

جس طرح بچہ کوئی آپس کے جھگڑوں سے ہو تنگ
اور ڈر کر ہمنشینوں سے ہو گھر کو بھاگتا

میں نے پایا ہے بے آرام جان مضطرب
تیرا کنج عافیت آغوش مادر سے سوا

یاں دل محزوں کو مل جاتی ہے جھگڑوں سے نجات
اور آجاتا ہے خاطر میں سکون و صبر سا

کنج تنہائی ہے کنج عافیت اے بوالہوس
کیوں اِدھر اور کیوں اُدھر تو ہے بھٹکتا پھر رہا

اُس طرف سرگشتگی ہے اِس طرف آسودگی
یا اولے الابصار کاں دع ماکدر خذ ما صفا

بحر عالم پھر اک بحر تلاطم خیز ہے
اور طوفان حوادث اُسمیں شور انگیز ہے

بحر کی تشبیہ دنیا کے لئے بیجا نہیں
کشتئے عمر رواں کو یاں قیام اصلا نہیں

آدمی بحری مسافر ہیں اور اُن کا ارتباط
کچھ ندی اور ناؤ کے سنجوگ سے اچھا نہیں

کس سے کیجے دوستی اور کس سے کیجے دشمنی
ایک دم کا بھی بھروسا ئے دلِ دانا نہیں

موج زن ہے ہر طرف آبِ روانِ زندگی
وار کیا اور پار کیا کوئی کنارا اُس کا نہیں

روز کے جھگڑے ہیں موجیں بیشمار و بیحساب
صرصر آلام یاں کس وقت شور افزا نہیں

ہے خلاف باہمی باد مخالف اے عزیز
اور طوفان بلا سے کوئی بچ نکلا نہیں

ہر طرف خوف و خطر ہے ہر طرف بیم و ہراس
ساحل امید کا کوسوں پتا ملتا نہیں

ناخدا ہے موت بحر عالم بے بود پر
کس کو پہنچایا ہے اِس نے منزل مقصود پر

یا یہ دنیا ہے گھنا جنگل پُر از خوف و خطر
چپے چپے پر ہے خطرہ گوشے گوشے میں ڈر

کس کا کیجے اعتبار اور کس پہ کیجے اعتماد
دوست ٹھگ ہیں اور دشمن ہیں درندے جانور

کس سے دل اٹکائیے ہے جسکو دیکھو راہزن
زن پدر مادر برادر خواہر و دختر پسر

جھاڑ اور جھنکاڑ کا بن ہے مہیب و ہولناک
اور اپنے ذہن میں غافل اُسے سمجھا ہے گھر

چشم بینا کیلئے آلام کی وہ گھن کی چھاؤں
ہر طرف ہے راستہ آتا نہیں مطلق نظر

ملتوں اور مذہبوں کی مختلف پگ ڈنڈیاں
باعث سرگشتگی ہیں الامان والحذر

ہر قدم پر ٹھوکریں کھاتے ہیں حیرانی ہے سخت
اے ہجوم یاس ہم جائیں تو پھر جائیں کدھر

راستہ ملتا نہیں یاں آکے سب ششدر رہے

اس گھنے بن میں مسافر کھیت ہی اکثر رہے

میرے دل میں اٹھتے رہتے ہیں بہت ایسے خیال	مجھ کو دنیا ہے وبال اور اس کے جھگڑے ہیں وبال
اپنے مطلب کا زمانہ ہے ہر اک ہے خود غرض	فارغ البال آدمی ہو یا کہ ہو وہ تنگ حال
دوست بن جاتے ہیں دشمن یار بن جاتے ہیں غیر	درمیاں آتا ہے جب حرفِ غرض اے نیک فال
زور زر و زن نے کر دی ہے اک عالم تباہ	بیٹھتا ہے سوچنے کو کون یاں اپنا مآل
روز کے جھگڑے وہی اور روز کے قصے وہی	واہ ری دنیا عجب ہے تو عجائب تیری چال
دل شکستہ ہیں بہت خاطر شکستہ ہیں بہت	ایک دنیا کا ہمیں نکلا طبیعت سے خیال
خوار پھرتے ہیں پئے دفعِ مضار و جذبِ نفع	گرچہ ہے نفع و ضرر دونوں کو آخر میں زوال

تجربے کی ہے صلا لیکن کوئی سنتا نہیں
جائے دل بستن ہوائے کوچۂ دنیا نہیں

جب یگانوں سے کبھی بیگانگی کا ہو ظہور	یا کہ ہو کر اقربا کھینچے کوئی اپنے کو دور
یا کہ پالا بے وفائی سے پڑے جائے وفا	یا کہ منت کی جگہ ہو ناسپاسی کا وفور
یا کہ تیرے یار ہوں اور تجھ سے عیاری کریں	اور تجھ کو ہو امیدِ دوستی اے ذی شعور
یا زن و دختر پسر شیریں کلامی کی بجائے	طعن و تشنیع سے پیش آئیں با عجب و غرور
یا کہ اچھے کام سے بھی حاکم الٹا ہو خفا	یا سلوکِ نیک پر محکوم جب ہوں ناصبور
یا کہ محنت کا نہ پھل تجھ کو ملے بیجائیں ور	یا منافع کی جگہ الٹا ضرر ہو بالضرور
یا کہ نیکی تو کرے اور ہو بدی اس کی جزا	اور سنگِ رنج سے ہو شیشۂ دل چور چور

چھوڑ یہ افکارِ باطل کنجِ تنہائی میں آ
ترک کر عالم دوئی کا ملکِ یکتائی میں آ

کنجِ تنہائی ہے کنجِ عافیت کرنا یقیں — یہ وہ گوشہ ہے کوئی دنیا کا جھگڑا یاں نہیں

بادشاہِ ملک ہے یا بینوائے فاقہ مست — ایک ہو جاتے ہیں دونو جب ہوئے عزلت گزیں

اس کے سر پر سلطنت کا ہے بہت بارِ گراں — اور اُس کے بوجھ سے رہتا ہے ہر دم دل حزیں

دشمنوں کی یورشیں اور دوستوں کی سازشیں — اہلکاروں کا تغابُن خلق کا چینِ جبیں

بینوا کو ہے اذیت بھوک کی اور پیاس کی — گالیاں کھاتا ہے پر ملتی نہیں نانِ جویں

جھیلتا ہے موسموں کی سختیوں کو روز و شب — آسماں کا سائباں سر پر ہے اور بستر زمیں

فکر سے دونوں غرض خالی نہیں اور فکر کا — ہے علاج آزمودہ یہ کہ ہو خلوت نشیں

ترک کر افکارِ باطل ترک کر باطل خیال
بیٹھ تنہا دے تجھے توفیق ربِ ذوالجلال

جو مدبّر ملک کا ہے صاحبِ تدبیر ہے — فکرِ ملک و مال اُسے ہر وقت دامنگیر ہے

اس طرف باعث فکر کا دول ہیں خارجہ — اور امورِ داخلی سے اُس طرف دلگیر ہے

کرتے رہتے ہیں نہایت دق رعایا کے وکیل — روز اخباروں میں ہر تدبیر کی تشہیر ہے

عہدناموں پر نظر ہے یہ کوئی ٹوٹے نہ شرط — ایک سمت خصم سے ہر شرط میں تقصیر ہے

یا کہ جنرل فوج کا ہے ملکِ دشمن میں مقیم — اور منظورِ نظر اُس ملک کی تسخیر ہے

اپنے افسر ہیں خلاف اور ہیں مخالف سامنے — فوج باغی ہے رسد میں آئے دن تاخیر ہے

مبتلا رہتے ہیں فکروں میں بہت دونو غریب — کنجِ تنہائی یہاں بھی نسخۂ اکسیر ہے

یہ علاجِ آزمودہ بہرِ رنج و یاس ہے
پھر سہولت یہ کہ ہر فردِ بشر کے پاس ہے

جو ہیں تاجر فکر رہتا ہے اُنہیں بیوپار کا — جنس گھر میں بھر رہی ہے بھاؤ ہے لیکن گھٹا

اب نکالیں وہ اس کو اونی پونی بیچ دیں یا کہ کچھ ٹھیریں مگر نقصاں نہو اُلٹا سوا
ساکھ کے لالے پڑے ہیں قرض کچھ ملتا نہیں ہے ابھی بازار مندا کیجئے تو کیجے کیا
غیر ملکوں سے زیادہ مانگ کی امید تھی کارخانے کھل گئے واں اور یاں گھاٹا پڑا
اور جو نوکر ہے سرکاری اُسے فرصت نہیں شام کو آتا ہے بیچارہ سویرے کا گیا
پیٹتا کاغذ ہے دن بھر شام کو لاتا ہے گھر کام پھر بھی تو سمٹنے میں نہیں آتا ذرا
ایسی محنت پر بھی حاکم کی ہے ناقدری غضب جب ہوا وقت ترقی لے اڑا اواں دوسرا

عرضیاں دیتے پھرو پر کون دیتا دھیان ہے
سخت یہ بیچارہ سرگشتہ ہے اور حیران ہے

جو ہے دنیا دار اسکی جان کو ہیں سو خطر گھر ہے اُسکے واسطے بس کاہش و کاوش کا گھر
خرچ ہیں حد سے زیادہ اور تھوڑی ہے معاش روز بیچارے کو پینا پڑتا ہے خون جگر
ایک لڑکا پڑھ رہا ہے دوسرا ہے پڑھ چکا خرچ اِسے دیجے کہاں سے بھیجئے اُسکو کدھر
فکر ہے لڑکے کی شادی کا کہ ہو جائے ابھی قرض پر ملتا نہیں پلے نہیں کچھ مال و زر
چھوٹے بچے رہتے ہیں بیمار بیوی ہے مریض بل ادا کرنے کا کرتا ہے تقاضا ڈاکٹر
روز تقریبیں ہیں آئے دن کی ہے شادی غمی ڈر سا ہے فکر یارب کیجئے کیونکر گزر
زندگی ہوتی ہے آخر عمر ہو جاتی ہے ختم ختم ہونے میں نہیں آتے یہی دھندے مگر

جس طرف بس دیکھئے آلام ہیں افکار ہیں
اور اُن افکار سے اسباب دل افگار ہیں

اہل کار و تاجر و صناع و بیرسٹر حکیم جس کو دیکھو خنجر افکار سے ہے دل دو نیم
ہائے اے دنیا کے دھندو تم سے کسکو ہے نجات بستۂ زنجیر یکساں ہی ہیں ناداں و فہیم

مفلسوں کو گر اُدھر ہے نانِ شبینہ کا فکر — ہے اُدھر زردار کو بھی دزدی سرقے کا بیم
صاحبِ تصنیف کو ہے نکتہ چینوں سے خطر — نکتہ چینوں کو ہے خود قانون سے خوفِ عظیم
شہ سے لرزاں ہے رعایا اور رعایا سے وہ خود — ایک سے ہے ایک خائف دائرہ ہے خوفِ عمیم
کاتبِ تقدیر نے لکھے بیاضِ دہر پر — دو حروف فکر و خوف اور کلک کی یکدم دو نیم
خوف کا ہے خوف مجھ کو فکر کی ہے مجھ کو فکر — کوئی صورت ہے خلاصی کی بھی یا رب کریم

کنجِ تنہائی کی اس جا پر صلائے عام ہے
آ مرے گوشے میں یاں تسکین ہے آرام ہے

کہہ چکا میں کنجِ تنہائی ہے کنجِ عافیت — جو مزے ہیں اُسکے گوشے میں وہ ہمدم پوچھ مت
زنگِ کلفت سے ذرا آئینۂ دل صاف کر — پھر کھلیگی تجھ کو اس گوشے کی قدر و منزلت
دل ہو گر خالی تو ہے خلوت گزینی کا مزا — یہ خلوے طبع ہفت اقلیم کی ہے سلطنت
ہے خیالاتِ پریشاں سے پریشانی تجھے — دل ہو گر خالی تو خالی ہے مکانِ شش جہت
جب ضرر اور نفع کا سودا ترے دل میں نہیں — پھر مضرت چیز کیا ہے چیز کیا ہے منفعت
نفع میں ہے سود کیا اور ہے ضرر میں کیا زیاں — گیان کی آنکھوں میں ہیں نفع و ضرر دونو است
اِن خیالاتِ پریشاں کو ذرا دل سے نکال — صاف کر دل کو ذرا اے دوست آئینہ صفت

دل کو خالی کر تو ہے تنہا نشینی کا مزا
دل کو خالی کر تو ہے خلوت گزینی کا مزا

بیٹھ کنجِ عافیت میں دل کا ہو یہ حال جب — بیٹھ کنجِ عافیت میں دے تجھے توفیق رب
یاں نہیں دنیا کے دھندے یاں نہیں دھن کا غم — یاں وہ دھندے نہ اُنکے ساتھ کچھ رنج و تعب
مفلسوں کی مفلسی اور اہلِ زر کا فکرِ زر — تنگ حالی و فراخی کالعدم اس جا ہیں سب

دوستوں کی بیوفائی دشمنوں کا بغض و کیں
اقربا کی کج ادائی اب نہیں غم کا سبب

اہل دنیا سے نہیں شکوہ نہ ناسپاسی کا ظہور
بے ادب محکوم ہیں یاں اور نہ حاکم پر غضب

یاں مریضوں کو نہیں تکلیف درد جانگزا
کانپتا اس جا نہیں کوئی غم و غصے سے لب

وہ ہجوم یاس وہ طغیانِ غم وہ خشم و کیں
ہو گئے یکدم فرو دل سے نہیں خاطر میں اب

گریہ و زاری نہیں یاں اور نہ شور و شین ہے
خامشی ہے عالم تسکین ہے اور چین ہے

یاں نسیم راحت و آرام ہے ہر دم وزاں
اور شگفتہ ہیں غنچے خاطروں کے ہر زماں

صبح تسکیں کی ہوائیں ہر طرف ہیں عطر بیز
اور سکونِ قلب کے ایواں ہیں آرام جاں

تازگی دل میں ہے ہر دم تازگی خاطر میں ہے
ہیں سرور و سود کی نہریں مگر سرسبز واں

اس طرح ہے جوش ان چشموں کا ہر طرف رہ و زر
ہر طرف ہیں دور تک آثار سیرابی عیاں

کھل رہے ہیں جا بجا ہر سو کنول خوشنما و قاق
ان کے نظارے سے پاتا ہے طراوت مغز جاں

ہے سکوں بیچ میں جنتِ خاطر کا جوش
اور کٹورا سا چھلکتا ہے میانِ گلستاں

میٹھے میٹھے کان میں آتے ہیں زمزمے نسیم کے
یا ہیں مرغانِ خوش الحان باغ میں تسبیح خواں

کنج تنہائی نہ کہئے اس کو وہ گلزار ہے
یاں سے آکر پھر نکلنا خاطروں کو بار ہے

کرتا رہتا ہوں بہت میں سیر اس گلزار کی
بیٹھے کھائی ہے ہوا یاں کوچۂ دلدار کی

دھیان میں ہیں میرے اس کے لطف و راحت کے مزے
تازگی وہ روح کی تسکین وہ جانِ زار کی

کار روزانہ کو رکھنا طاق پر اور بیٹھنا
بند کر کے آنکھ اپنے دیدۂ بیدار کی

بیٹھنا اور روکنا دل کو خیالِ غیر سے
دیکھنا پھر ہوشیاری کو دل ہشیار کی

ہائے کس کس طرح آتی ہیں نظر کے سامنے — حالتیں بدلی ہوئیں اس عالمِ پندار کی
یہ ہیولےٰ صورتیں کرتا ہے کیا کیا اختیا — مختلف الوان کی اور مختلف کردار کی
عالمِ اسباب میں ہیں رنج کی جو صورتیں — یاں نہیں وہ صورتیں آلام کی افکار کی

یہ مقامِ عافیت ہے آئے کب آلام یاں
رحمتِ حق پرتو افگن ہے صبح و شام یاں

نور کا تڑکا ہو جب اور صبحِ صادق کا ظہور — آمد شاہنشہِ خاور سے ہو مشرق میں نور
ہو ادھر مندر میں ناقوس برہمن کی صدا — اور مسجد میں ادھر بانگ اذاں کچھ گھر سے دور
جا رہے ہوں آدمی کچھ خال خال استھان کو — اور سر اُن کے بھجن کے کان کو بخشیں سرور
چل رہی آہستہ آہستہ ہو بادِ صبح گاہ — ہولے ہولے لیتے ہوں جھونکے شجر نزدیک و دور
ذکر اور تسبیح میں مشغول ہوں مردانِ حق — اور شاخوں پر ہوں مصروف نواسنجی طیور
جو صدا ہو وہ صدا ہو قلب کو بخشے سکوں — جو سماں ہو وہ سماں ہووے حضورے حضور
وقتِ مستی ہے یہ وقتِ حق پرستی ہے یہی — وجد میں آ وجد میں آ گل بھی کر شمعِ شعور

گر مزا ہے کنجِ تنہائی میں تو اس وقت ہے
وہ مزا ملتا نہیں ہر وقت جو اس وقت ہے

یا گجر جب بج رہا ہو رات ہو آدھی ڈھلی — ہو منوّر ماہِ تاباں کھل رہی ہو چاندنی
موجزن ہو نور کا دریا سرِ افلاک پر — خاک پر چاروں طرف چاندی سی ہو بکھری پڑی
گوشِ شنوا کے صدا کوئی نہ آئے کان میں — ہولے ہولے چل رہی عالم میں ہو بادِ شبی
چھوڑ کر سب محنتِ فردا یہ اپنا کاروبار — نیند میں سرمست ہوں کیا جانور کیا آدمی
سوتے ہوں آرام سے گُل کرکے شمعِ نیم شب — مدرسوں اور کالجوں کے نوجوانانِ فرنگی

شہر میں شہر خموشاں کیسے ہوں سارے رنگ ڈھنگ
ذاکر حق ذکر میں مصروف شاغل حق شغل میں

دہر میں چاروں طرف پھیلی ہوئی ہو خامشی
دل خیالوں سے ہو خالی طبع فکروں سے تہی

یہ سماں ہے قرب کا یہ ہے حضوری کا سماں
دور کرنیکے لئے خاطر سے دوری کا سماں

اس خموشی کے سماں میں مہر میں بیٹھا ہوا
میں نے اس گوشے میں آکر لطف اٹھائے ہیں بہت
اے سکون قلب مجھ کو یاد ہے تیرا کرم
اے خلوئے طبع تجھ کو آفریں صد آفریں
اے مری جمعیت خاطر جزاک اللہ خیر
اے سرور روح پڑے خدا برکت تجھے
اے مرے انوار رابطہ نہ رہو تم میں فتور

کنج تنہائی لطفوں سے ہوں لذت آشنا
یاں وہ لذت ہے زباں سے ہو نہیں سکتی ادا
اے قرار دل تیرا احساں نہیں میں بھولتا
تجھ کو اے یکسوئے دل مرحبا صد مرحبا
تو نے کن کن مخمصوں سے کردیا مجھ کو رہا
اے صفائے شیشۂ دل اور ہو تیری ضیا
تم نے تاریکی میں آکر چاندنا سا کردیا

تم ہو یاران طریقت مونس جان حزیں
اور وہ احساں تمہارے ہیں کہ کہہ سکتا نہیں

یہ مزے ہیں کنج تنہائی میں ہمدم بیش و کم
دور کرنے کو تپش آلام اور افکار کی
ان کا ظل عاطفت جیسا کہ ہو پرتو فگن
راحت قلبی کی چھائی ہے گھٹا چاروں طرف
پڑ رہی ننھی پھواریں ہیں سرور و سرور کی
آنکھ میں ٹھنڈک ہے دلمیں چین خاطر میں سرور

یہ ہیں یاران طریقت دوستان محترم
ان کا سایہ ابر رحمت کے نہیں سائے سے کم
اس جگہ سے بھاگتا ہے درد و رانبوہ غم
باد تسکین و سکوں نے اپنا کھولا ہے علم
اللہ اللہ کیا سماں ہے کیجئے کیونکر رقم
اب نہ وہ دنیا نہ وہ دھندے نہ دھندوں کا الم

ہر طرف آسودگی ہے ہر طرف آسودگی — لکھتے لکھتے اشکِ شادی سے بھری ہے چشمِ نم

مشتعل خلوت میں شمع سا ہے دلِ صافی کا نور
اور ہے اے غافلو یہ نور رشکِ شمعِ طور

یہ تو سیریں تھیں گلستانِ خلوئے طبع کی — گلستانِ فکر کی کچھ سیر باقی ہے ابھی
فکر سے افکارِ دنیا کے نہیں مقصود یاں — کہہ چکا ہوں جنکو پہلے باعثِ سرگشتگی
بلکہ یوں سمجھو کہ ہے یہ فکرِ ذات و مظہرات — منزلِ اولے ہے جو سب گیانیوں اور دھیان کی
گوشۂ عزلت ہو خاموشی کا ہو عالم وہاں — دل خیالوں سے ہو خالی طبع فکروں سے تہی
شمعِ دل کو صرصرِ اوہام سے جنبش نہ ہو — بلکہ اُسکی لو میں استقلال ہو اور راستی
اشہبِ اندیشہ کی ہو باگ اپنے ہاتھ میں — اور جدھر موڑیں اُسے جائے اُدھر وہ آپ بھی
اب تفکر کا مزا ہے اب مزا ہے فکر کا — سوچ یہ دنیا ہے کیا اور تو ہے کیا اے آدمی

اہلِ ظاہر کے لئے جو عالمِ اسباب ہے
اہلِ باطن کو وہی مثلِ خیال و خواب ہے

خواب و بیداری میں ہے کیا فرق کہہ اے نیکنام — ایک سے ہیں دونو عالم ایک سی باتیں تمام
صورتیں بیشک نظر آتی ہیں دونو حال میں — اور اُن شکلوں سے ہے اپنا تعلق لاکلام
یہ ہے بیٹا یہ ہے بھائی یہ عدو یہ دوست ہے — یہ مرا آقا ہے اور یہ شخص ہے میرا غلام
دوست ہے یہ لازمی ہے اس سے کرنی دوستی — یہ ہے دشمن اس سے لینا ہے ضروری انتقام
اختلافِ موسم و نیرنگئے لیل و نہار — تنگ حالی و فراخی برہمی و انتظام
روز کے جھگڑے وہی اور روز کے قصے وہی — وہ عوارض روز کے وہ روز کا کوچ و مقام
اس تماشا گاہ میں آخر بہت پردوں کے بعد — آخری پردہ ہے مرگِ ناگہانی کا پیام

دیدۂ حق بیں کو وا کر اور خود تو ہی بتا
خواب بیداری میں ہے کیا فرق اے مردِ خدا

بس یہی جب خواب سے ہوتا ہے کوئی ہوشیار
خواب کا عالم عدم ہے خواب کے سب کاروبار

ٹھیک جیسا خواب جھوٹا آ کے بیداری میں ہے
ہے یہ بیداری بھی جھوٹی خواب میں کیسا اعتبار

ایک کا کیجے تقابل دوسرے سے نسبتاً
ایک سچا دوسرا جھوٹا نہ کہیئے زینہار

دونو عالم محض جھوٹے ہیں اگر سچا کوئی
ہے یہاں تو ان کا ناظر ہی ہے بس انجام کار

خواب سے اس کو تعلق ہے نہ بیداری سے ہے
بے تعلق ذات ہے، وہ بے تعین بے حصار

اس تماشہ دوست کے دونو تماشا گاہ ہیں
خواب و بیداری کے عالم اور اُن کے کاروبار

بے تعین نطق ہے وہ بے تقید علم ہے
راحت بے مثل و بے اندازہ وحد و شمار

یہ مسائل سوچے جاتے کنجِ تنہائی میں ہیں
یہ نرالی لذتیں یہ لطف یکتائی میں ہیں

جو مزے ہیں کنجِ تنہائی میں جو ہیں خوبیاں
اُن کو لے سکتی ہے لیکن کہ نہیں سکتی زباں

میں اسی گوشے میں بیٹھا لکھ رہا ہوں شعرِ تر
اور روانی پر طبیعت کا ہے دریائے رواں

لکھ رہا ہوں پر نہیں معلوم اب کیا وقت ہے
لکھ رہا ہوں پر نہیں معلوم بیٹھا ہوں کہاں

مجھ کو یہ دنیا نظر آتی ہے چشمِ غور سے
مظہرِ ذات و صفات کردگارِ دو جہاں

ماسوا ہے ذاتِ مطلق غیرِ عین ذات ہے
حل ہوئے ہیں آپ کے کل عقدے انا کل کے یاں

ہے تماشا گاہِ عالم میں تماشا ہو رہا
دیکھنے والا ہوں میں مجھ کو نہیں سود و زیاں

ایک بحرِ نور ہے مبسوط عالم پر محیط
ایک بحرِ نور میں ہے جاگزیں کون و مکاں

مہر بس خاموش آگے عالمِ لاہوت ہے

اور اُس کا آشنا الست سے مبہوت ہے

حیات انسانی کا ناٹک

حیات انسانی اے مہر ناٹک کا تماشا ہے — نئے ہیں سین سب اسمیں نیا ہر ایک پردہ ہے
تماشا گاہِ عالم میں تماشے گو بکثرت ہیں — تماشا لیک حیرت زا حیاتِ آدمی کا ہے
بھری ہے کوٹ کر عبرت ہر اک پردے میں ناٹک کے — کہ حیراں صورتِ تصویر اس سے چشمِ بینا ہے
تماشا گاہِ دنیا ہے تھیئیٹر بھی بڑا بھاری — مکاں کیا ہے ہر اک حصہ طلسمِ حیرت افزا ہے
ہوئی ہے خرچ جو صنعت تماشائی ہے حیرت میں — جسے دیکھو وہ دیوانہ ہے دلدادہ ہے شیدا ہے
نگاہ دیدۂ بینا کو سیری ہو نہیں سکتی — مناظر ایسے دلکش ہیں بستیاں کا سا نقشہ ہے
نظارے میں یہاں کے اس بلا کی دلفریبی ہے — کہ انکو دیکھ کر انسان ہو رہتا یہیں کا ہے
پھنسا جو شخص آ کر اس طلسمی کارخانے میں — اُسے رستا نہیں ملتا نکلنے کو ترستا ہے
بھٹکتا ہی پڑا پھرتا ہے حیراں اور سر گشتہ — کبھی رُخ اسطرف کا ہے کبھی قصد اُسطرف کا ہے
مگر کولہو کے بیلوں کی طرح سے رات بھر چلکر — چلا تھا جس جگہ سے وہ سحر ملتا اُسی جا ہے
تماشا گر ہے خود انساں تماشا گاہِ دنیا میں — مگر ایسا تماشا گر کہ خود محوِ تماشا ہے
تماشا گر کو محویت ہے یہ اپنے تماشوں میں — کہ جھوٹا کارخانہ بھی نظر میں اسکی سچّا ہے
نہ اسکو یہ خبر مطلق کہ میں آیا یہاں کیوں ہوں — نہ کچھ اس بات کی پروا کہ مجھکو یاں سے جانا ہے
نئے بھیسوں میں ہر پردے میں اسکی نئی صورت — نئی باتیں نئے کرتب نیا انداز سارا ہے
سلامِ آخری آخر میں کر کے اہل جلسہ کو — گرا جب ساتواں پردہ تھیئٹر سے نکلتا ہے

نگاہِ دیدۂ بینا تعمق سے اگر دیکھے
تصاویرِ طلسمی چار جانب جلوہ گر دیکھے

اٹھا ہے پردۂ اول کسی کا شہر میں ہے گھر
سرور و سور سے اس گھر میں سب دلشاد ہیں یکسر

مبارک او سلامت کی صدا چاروں طرف سے ہر
مبارکباد گھر والوں کو سب دیتے ہیں آ آکر

صدا شادیانے کی دمبدم آتی ہے کانوں میں
بدھائی بانٹتے ہیں اقربا کیا گھر میں کیا باہر

نہیں جسم میں سما سکتی خوشی دل میں تو گانے میں
سرور و سور سے سرمست گھر کی بیبیاں سج کر

خوشی اس سے بڑی کیا ہے کہ لڑکا گھر میں پیدا ہو
نہیں پھولے سماتے جوشِ شادی سے پدر مادر

امنگیں ہیں کہ دعوت دوستوں کی پُرتکلف ہو
اور اسمیں انتظام رقص بھی بہتر سے بہتر ہو

ملیں خویش و اقارب سب بہم یاران ہمدم بھی
یہی تقریب کے معنی بھی ہیں سمجھے جو دانشور

مگر لڑکا دہ بچے دم سے یہ سب شادمانی ہے
دکھائی دے رہا ہے چارپائی پر پڑا اندر

کوئی فریاد پر اُسکی توجہ ہی نہیں کرتا
کہ آتے ہی مصیبت کیا پڑی معصوم کے اوپر

یہاں آتے ہی یہ بدبخت سرگرم فغاں کیوں ہے
یہاں آتے ہی آخر ہوگئیں کیوں اسکی آنکھیں تر

وطن سے دور رہنیکا خیال آیا مگر دل میں
ستاتی ہے غریبی رو رہا ہے اپنی حالت پر

تمنا یا کہ دنیا کے دنی کے ہیں نگاہوں میں
دل بیکس میں شاید اسلئے بیٹھا ہوا ہے ڈر

غرض بچہ ہے نالاں اور خوش ہیں اقربا گھر میں
صدا درد اُن کو ہے نوائے نغمہائے تر

نہ کوئی جانتا ہے کون ہے یہ رو رہا ہے کیوں
نہ کوئی سوچتا ہے کیوں ہوا پیدا یہاں آکر

کہاں سے ٹھوکریں کھاتا چلا آتا ہے دنیا میں
یہاں آنے میں کون اس کا ہوا ہے دین و رہبر

تماشا گر تماشا گاہ میں اس طرح آتا ہے
اب آگے دیکھئے کیا کیا تماشے وہ دکھاتا ہے

اٹھا ہے دوسرا پردہ عجب منظر ہے حیرت زا — اور اسمیں سین اول ہے زمانہ شیر خواری کا
تماشہ گر پہ ہے اس سین میں بیکسی چھائی — کہ کروٹ بھی نہیں وہ اپنی کوشش سے بدل سکتا
حواس ظاہر و باطن ہیں سب غفلت کے پردے میں — قوے اُس بیج کی صورت ہیں جو ابتک نہیں پھوٹا
نہ ابعادِ ثلثہ کا نہ دُوری کا ہے اندازہ — نگاہیں ہیں کہ انہیں صورت تصویر ہیں اشیا
ابھی مطلق نہیں قدرت اُسے اظہار حاجت پر — اگرچہ مس اشیا جسم کو ہے باعثِ ایذا
اُسے بیماریاں بھی آجکل تکلیف دیتی ہیں — مگر حالِ دلِ مضطر کسی سے کہہ نہیں سکتا
پڑا سوتا ہے، وہ دن رات بس غفلت کی نیندوں میں — جب آنکھیں کھولتا ہے، تو ہے حالِ زار کا رونا
غرض جینے میں اور رونے میں اُسکی عمر جاتی ہے — بتا سکتا نہیں کوئی بڑا ہوکر وہ کیسا ہوگا
رہینگے کون سے جذبات اسکی طبع پر حاوی — کرینگے کون سے افکار اُسکے دل میں گھر اپنا
بہت آتے ہیں دنیا میں بہت جاتے ہیں دنیا سے — یہ بچہ بھی کہیں اس میں چھوڑیگا نشان پا
بدلتے سین اس پردے میں ہیں آہستہ آہستہ — بدن میں جس طرح نشو و نما پاتا ہے وہ بچہ
وہ اسکی شکل و صورت جس سے بھولا پن برستا ہے — وہ اسکی حرکتیں ہیں جان و دل سے جن پہ سب شیدا
وہ مطلب کا ادا کرنا نگاہوں اور اشاروں سے — وہ اسکی چشمکیں جن پر فدا ہے گھر کا گھر سارا
ہٹیلی اور پیاری ضد وہ اسکی چھوٹی باتوں میں — وہ کہنا اور مکرنا کام کرنا اور باز آنا
وہ اس کا بولنا ٹوٹے ہوئے الفاظ بے معنی — شرابی کی طرح وہ لڑکھڑاتی چال کا چلنا

نہ ہو گر بیکسی اسمیں تو کیا اچھا زمانہ ہے
تماشا گر نے پر بے بس یہاں اپنے کو مانا ہے

اُٹھا ہے تیسرا پردہ تماشہ گر کی طفلی ہے — نرالی بات اسمیں اے دلِ دانا نکلتی ہے
قوے جو بالقوی تھے رنگ اب کچھ کچھ پکڑتے ہیں — نہ اُن کو نہیں ابتک گرچہ رنگِ پختہ کاری ہے
زمیں میں بیج جیسے پھوٹکر کونپل نکل آئے — قوائے ظاہر و باطن کی بھی یوں رونمائی ہے

تعقل اور تخیل اور تصور حافظ ادراک
تاثر اور ارادہ ایک اک رو بر ترقی ہے

زمانِ شیرخواری کے گئے ایام بے فکری
طبیعت ہے کہ اب اکثر تفکر اس پہ طاری ہے

کبھی ہے امتحاں کا ڈر کبھی ہے فکر سبق اسکو
بہت اُستاد کا چھوٹے سے دل پر رعب حاوی ہے

محلے اور جماعت میں بہت ہیں دوست اور دشمن
کبھی ہیں کھیلتے ملکر کبھی باہم لڑائی ہے

اگرچہ لگتی جاتی ہے ہوا افکارِ دنیا کی
مگر بچپن کا بھولا پن ابھی کچھ دل میں باقی ہے

دلِ صافی پہ زنگِ شک کبھی لگنے نہیں پاتا
کہو جو بات فوراً ہی تو باور اُس کو آتی ہے

انوکھے ہیں سوال اسکے انوکھے ہیں خیال اسکے
تصنع سے طبیعت آج کل یک لخت خالی ہے

طبیعت دوڑتی رہتی ہے دن اور رات ہر جانب
ابھی اس شے کی خواہش ہے ابھی دم بھر میں سیری ہے

حصولِ شے میں کوشش اسکی ہے لا انتہا اکثر
مگر جب ہو گئی حاصل تو پھر وہ شے نکمی ہے

وہ دل چھوٹا سا اسکا رشک کا بھی اب نشانہ ہے
کہ ہم عمروں پہ ہر کوچے میں اُسکو فتح پانی ہے

شکستیں کھا کے ہوتی ہے نہایت سخت مایوسی
نہیں جب کچھ بھی بس چلتا تو پھر گریہ و زاری ہے

ہنسی کی جا نہیں سمجھے کی ہرگز گریہ و زاری
کہ اس زاری سے اسکی سخت مایوسی ٹپکتی ہے

تماشا گر کا سچ پوچھو تو وہ چھوٹا سا دل کیا ہے
بذاتِ خود ہے اک عالم بذات خاص دنیا ہے

اُٹھا جو تھا ہے پردہ نوبہار زندگانی ہے
تماشا گر یہ ہے فضل الٰہی نوجوانی ہے

ذرا دیکھو تو کیا ہی قد نکالا ہے جزاک اللہ
ذرا دیکھو تو رُخ کا رنگ کیسا ارغوانی ہے

توانائی بدن میں اور طراری ہے اعضا میں
غرض ہر بات اسکی ہے کہ چستی کی نشانی ہے

مسیں بھیگی ہیں یہ ایام ہیں جوشِ مسرت کے
تبسم اسکے چہرے پر عیاں جوشِ نہانی ہے

کھلا رہتا ہے خود اسکا بھی اکثر غنچۂ خاطر
اور اسکو دیکھتا ہے جو اسے بھی شادمانی ہے

امنگیں آجکل دل میں بہت سی اُٹھتی رہتی ہیں
ارادہ زور پر ہے اور طبیعت میں روانی ہے

خیال اسکو ہے میں مشکل سے مشکل کام کرونگا — رکاوٹ اور دقت عزم عالی کو کہانی ہے

پڑھائی اُسکو کالج کی ہے تفریح دل شاداں — لگا ہو نہیں تفریح گاہ ہال امتحانی ہے

نمائش گاہ جو ہے سر کھیل کا میدان ہے اسکو — نظر میں انجمن بحثوں کی بزم نکتہ دانی ہے

بہت تحریر کا ہے شوق تقریریں پہ عاشق ہے — کبھی گانے کے جلسے ہیں کبھی کچھ شعر خوانی ہے

غرض کیا اور غایت کیا تمامی زندگانی کی — لیاقت کی نمائش آجکل بس اُس نے مانی ہے

زمیں گرچہ وہ رہتا ہے نظریں ہیں بہت اونچی — خیال طبع عالی دیکھئے جب آسمانی ہے

اکڑ کر چال بیڈھنگی وہ چلتا ہے معاذ اللہ — نہیں شاید کبھی اُسکو ضعیفی پیش آنی ہے

یہ سچ ہے ٹھوکریں بھی اُس نے کچھ دنیا کی کھائی ہیں — کہ جو آیا ہے دنیا میں اُسے ٹھوکر بھی کھانی ہے

مگر آئینۂ دل صاف ہے، زنگ کدورت سے — نظر میں اُسکی گلزار جہاں نیلے فانی ہے

تماشا گر کو وہ مصروفیت ہے دہر فانی میں
کہ چلنے کا خیال آتا نہیں ہے نوجوانی میں

اٹھا ہے پانچواں پردہ تماشہ گر نہیں شاداں — زمانہ تختہ کاری ہے تفکر میں ہے سرگرداں

جوانی کے گئیں ہمراہ خوشیاں نوجوانی کی — دل اُسکا گھر کے فکروں سے بنا ہے کلبۂ احزاں

خدا کے فضل سے کنبہ بڑا ہے اور بوجھ اُس کا — اسیکے سر پہ ہے رہتی بہت ہے کاوش جاں

معاش اچھی ہے لیکن خرچ بھی حد سے زیادہ ہے — چلن وہ رکھنا پڑتا ہے کہ جو عزت کے ہے شایاں

کبھی لڑکے کی شادی ہے کبھی لڑکی کی شادی ہے — نہیں اُترا ہے پہلا قرض اب ہے اور خواہاں

تقاریب مسلسل ورد شب شادی غمی کی ہیں — کہاں سے آئے قارون کا خزانہ جو کرے ساماں

گراں اجناس ہیں کھانا مگر کم ہو نہیں سکتا — گراں ہے پارچہ لیکن نہیں ممکن پھرے عریاں

کتب اور فیس کی ہر ماہ بنتی ہے رقم خاصی — مگر لڑکے پھریں بے علم و آوارہ نہیں امکاں

بڑا لڑکا تھا بی اے پاس اور اس سے امیدیں تھیں — ملا تھا روزگار اچھا اُسے تھی خوش بہت گنجائش

مگر افسوس وہ کمبخت نکلا زن مرید ایسا
کہ رہتا باپ سے بالکل الگ ہے بھولکر احساں

مہینوں سے ہے گھر بیکار بیٹھا دوسرا لڑکا
لگائے نوکری میں یا کہ کھلوائے اُسے دُکاں

بڑی لڑکی کو دق کے عارضے نے آ کے گھیرا ہے
علاج اسکا مہینوں سے ہے جاری یا دل بریاں

مریض اکثر رہا کرتے ہیں گھر میں چھوٹے بچے بھی
اور اب اپنی بھی اور بیوی کی بھی صحت میں ہے نقصاں

تماشا گر بہت دن سے لنگ آتا ہے نظر اکثر
نہیں دنیا کے دھندوں سے نکلنا ہے مگر آساں

بہت تکلیف پاتا ہے بہت دقت اٹھاتا ہے
وہی دنیا ہے پر اسکے لئے اور خود وہی ناداں

خدا کی یاد کی فرصت کہاں ملتی ہے بندوں کو
سنبھالے کون دنیا میں بھلا دنیا کے دھندوں کو

اٹھا پڑا چھٹا ہے اور تماشہ گر کی ہے پیری
ذرا دیکھو تو اسکی شکل اور صورت کی تبدیلی

گئے افسوس دن تازہ امیدوں اور امنگوں کے
دل پر یاس میں اب گھر کئے بیٹھی ہے مایوسی

حواسِ ظاہر و باطن ہیں سب بیکار اور مختل
نہ اُسکی عقل سالم ہے نہ اُسکی فہم میں تیزی

قوائے باصرہ اور سامعہ میں یوں زوال آیا
نہ گویا کان اپنے تھے کبھی پہلے نہ آنکھ اپنی

جواب اسکو کبھی کا دے چکے ہیں دانت اور معدہ
نہ کھانے میں مزا کچھ ہے نہ پینے میں مزا باقی

بدن پہ جھریاں ہیں اور بالوں میں سفیدی ہے
قوائے ہیں مضمحل سارے کمی ہے زور و طاقت کی

ہوئی افسوس محتاجِ عصا رفتار پیری میں
اُسے اب دو قدم چلنا بھی منزل ہے بڑی بھاری

مگر شاباش ہے اور آفریں بڈھے کی ہمت کو
تعاقب میں ہوس کے دوڑتا پھرتا ہے وہ اب بھی

خیال اسکو ہے دنیا کا فکر اسکو دنیا کا
غرض جو کام وہ کرتا ہے تو اسمیں ہے دنیا کی

اُسے فکر شبا روزی ہے اپنے گھر کے دھندوں کا
فلاں کام اسطرح کیجے فلاں بات اسطرح ہوگی

کسی کی جا کے وہ منت سماجت روز کرتا ہے
کسی سے ہے بہی پرخاش و کین بے سبب جاری

نہیں بیٹوں کو اور پوتوں کو اُسکے حال کی پروا
مگر وہ جان سے اور دل سے ہے سب انکے لئے ساعی

کبھی سنتا ہے لیکن جب بہت ہی سخت دُکھ سہتے
کبھی جب یا کہ پیش آتی ہے کوئی سخت بیماری

خیال آتا ہے دنیا ہیچ ہے اور یاں سے چلنا ہے
غضب ہے میں نے چلنے کی نہیں کی کچھ بھی تیاری

خیال اٹھتے ہیں ایسے دیرپا لیکن نہیں ہوتے
وہی دنیا ہے پھر اُسکے لئے دھندے ہیں ویسے ہی

تمہیں شاباش اے دنیا کے دھندو تم نے چھوڑا کب
تمہیں یکساں ہے طفلی نوجوانی اور پیری سب

اٹھا ہے سیاپا تو اُن پہ وہی پھر شہر میں گھر ہے
مگر شادی نہیں اس گھر میں سب کا دل مکدر ہے

نہ گانے کی صدائیں ہیں نہ تجویزیں ہیں جلسوں کی
نہ کوئی شخص اُن دیتا مبارک باد آکر ہے

خوشی کا کام کیا چہروں پہ ہے پژمردگی چھائی
نکلتا اشک بن بنکر ہے وہ غم دل کے اندر ہے

ہر اک چھوٹا یا بڑا گھر میں دبے پاؤں سی چلتا ہے
دبی آواز سے سب بولتے ہیں انکو کیا ڈر ہے

خموشی حسرت حرماں کی بھی اس گھر پہ طاری ہے
سماں ایسا بھیانک ہے ہر اک حیران ششدر ہے

بچھی دالان میں ہے چارپائی ایک ٹوٹی سی
مریض خستہ جاں وہ کون ہے یہ جس کا بستر ہے

نہایت غور سے دیکھو تماشہ گر یہی لیٹا ہے
مگر پہچاننا مشکل ہے ایسا حال ابتر ہے

بدن پیلا پڑا ہے سست پا ہیں برف سے ٹھنڈے
بہت تکلیف سے آتا ہے دم ہے یا کہ نشتر ہے

بہم سرگوشیاں ہیں اقربا میں کہ دم نکلا
امید زندگی ممکن نہیں حالت زبوں تر ہے

تماشا گر کے رُخ سے سخت مایوسی ٹپکتی ہے
سفر ہے آخرت کا اور کوئی ہادی نہ رہبر ہے

اندھیری کوٹھڑی ہے موت اور اُس کا ہے بستر
یہی اسرار مخفیہ میں غافل سر اکبر ہے

خلاصہ ہے نظر میں اسکی ساری زندگانی کا
نگاہوں میں ہیں سب افعال کیا پُرخوف منظر ہے

دل مایوس میں رہ رہ کے پچھتاوا یہ آتا ہے
کہ میری زندگی بے سود گزری کس طرح پر ہے

مآل کار میں نے بیٹھ کر دم بھر نہیں سوچا
نظارہ موت کا اوروں کی دیکھا گرچہ اکثر ہے

مری باری ہے اب مرنے کی خود لیکن ہزار افسوس
تہیہ کچھ سفر کا ہے نہ کوئی یار و یاور ہے

خیال اس قسم کے دل میں تماشہ گر کے آتے ہیں
ادھر دم توڑتا ہے وہ ادھر پردہ گراتے ہیں

تماشا ہو چکا ہے اور گرا ہے آخری پردہ
مگر اے دیکھنے والے کبھی تو نے نہیں سوچا

کہ کس کی زندگی میں پردۂ دلکش تھے ناٹک کے
تماشا گر تماشا گاہ میں یہ کون آیا تھا

ولادت شیر خواری اور طفلی سب یہ کس کی تھیں
جوانی پختہ کاری ضعف اور مرنا تھا یہ کس کا

خیالی شخص گر وہ تماشہ گر نہیں کوئی
وجود واقعی دنیا میں اسکا منے ہے دیکھا

اگر سچ پوچھتا ہے تو تماشہ گر وہ تو ہی ہے
تماشا گاہ ہے تیرے تماشوں کے لئے دنیا

بہت سے گر چکے ہیں اور بہت سے گرتے جاتے ہیں
دکھاتا ہے تیری ہی زندگی ناٹک کا ہر پردا

مگر تجھ کو ہے وہ مصروفیت اپنی تماشوں میں
نہیں کھیلوں سے بھی ہرگز تماشے کا خیال آتا

نظر میں تیری اس دنیا کا سچا کارخانہ ہے
بدلتے سین ہیں یاں گرچہ مثلِ عالم رویا

کبھی پیدا ہوا تھا تو کبھی خود تیری طفلی تھی
جواں تھا تو کبھی اور پیر ہو کر ہے تجھے مرنا

وہی مصروفیت لیکن چلی جاتی ہے دنیا میں
بہت سی ٹھوکریں کھائیں کھلی تیری نہ آنکھ اصلا

کیا ہرگز نہ فکر عاقبت نے دل میں گھر تیرے
نہ تجھ کو بھول کر بھی یاں سے چلنے کا خیال آیا

ملے آیا ہے جو دنیا میں جائیگا بھی وہ اک دن
کسی کا یاں قیام جاودانی ہو نہیں سکتا

ابھی ہے وقت فکر توشۂ عقبیٰ بھی کچھ کر لے
کہ آخر تجھ کو اس دنیائے دوں سے ہے چلا جانا

کھڑی ہے موت سر پر موت کا کیا وقت اے غافل
نہیں دم کا بھروسا دم آیا یا نہیں آیا

وہ سوتے ہیں بہت جو وقت کو برباد کھوتے ہیں
کہیں ایسا نہ ہو تجھ کو پڑے آخر میں پچھتانا

صدا مہر کی غافل اسے سن کہ دل و جاں سے
نہیں آیا ہے تو رہنے کو چلنا ہے تجھے یاں سے

مُخمّسات

شانِ الٰہی

صنعت میرے صانع کی کیا لامتناہی ہے — چشم مہ و خور دیکھو کیا تیز نگاہی ہے
افلاک معلّق ہیں کیا پشت پناہی ہے — ہر اک کُرہ بن بیٹھے آکاش میں راہی ہے
کیا شانِ الٰہی ہے کیا شانِ الٰہی ہے

کو زمین کی کل کیونکر باقاعدہ ہے چلتی — جو کام ہے جس شے کا کیوں اس سے نہیں ٹلتی
کیوں مشعل مہر و مہ ہے شام و سحر جلتی — عاجز ہے خرد اسکا کچھ دال نہیں گلتی
کیا شانِ الٰہی ہے کیا شانِ الٰہی ہے

دنیا جسے کہتے ہیں ہے کارگہ صنعت — ہر شے سے عیاں ندرت ہر شے سے عیاں جدت
انسان کو حیرت ہے اللہ ہے کیا حکمت — طائر ہیں نوا زن یوں سبحان تیری قدرت
کیا شانِ الٰہی ہے کیا شانِ الٰہی ہے

دریا ہے بہا جاتا پانی ہے چلا آتا — آتا ہے کہاں سے یہ مڑتا ہوا بل کھاتا
اس طرح دھکیلے کون اِسکو ہے لئے جاتا — حیران ہے اک عالم کچھ تھاہ نہیں پاتا
کیا شانِ الٰہی ہے کیا شانِ الٰہی ہے

ہوتی ہے پہاڑوں سے بیہوش کو بیہوشی — کرتی ہے کھڑی چوٹی افلاک سے سرگوشی
پھر روز ازل ہی سے ہے یوں برف سے تن پوشی — کہتے ہیں طبیعی کی یاں آن کے خاموشی

کیا شان الٰہی ہے کیا شان الٰہی ہے

گلزار میں اور بن میں دیکھو تو ذرا ہر سو — لکڑی میں ہے کیا صنعت لکڑی میں ہے کیا جادو
لکڑی ہے ہرے پتے لکڑی ہے گل خوش رو — لکڑی ثمر شیریں خوش ذائقہ و خوشبو

کیا شان الٰہی ہے کیا شان الٰہی ہے

دیکھو تو پہاڑوں میں آتے ہیں نظر پتھر — پتھر میں مگر پنہاں ہے معدن سیم و زر
ہے بحر بھی کہنے کو مچھلی کا مگر گھر — خوش آب ولے موتی اس بحر کے ہیں اندر

کیا شان الٰہی ہے کیا شان الٰہی ہے

کہتے ہیں ہوا جس کو سرمایہ ہے جینے کا — اور خاک دفینہ ہے ہر ایک خزینے کا
سوز آتش سوزاں میں عشاق کے سینے کا — لطف آب مصفا میں ہیرے کے نگینے کا

کیا شان الٰہی ہے کیا شان الٰہی ہے

تھی بند ہوا کل سے اور سخت تھی دشواری — ہے آج نظر آتی کچھ اور ہی تیاری
وہ دیکھو چلی آتی آندھی ہے بڑی بھاری — وہ آ ہی گیا جھکڑ وہ گرد ہوئی طاری

کیا شان الٰہی ہے کیا شان الٰہی ہے

تھا صاف ابھی مطلع اور نام نہ بادل کا — ہم دیکھ رہے ہیں سب یکبار وہ ابر اٹھا
وہ برق ذرا چمکی وہ رعد ذرا گرجا — جل تھل ہوئے دم بھر میں اس طرح سے مینہ برسا

کیا شان الٰہی ہے کیا شان الٰہی ہے

اک خاک کے پتلے کو انسان بنایا ہے — کل اس میں عجب رکھ کر حکمت سے چلایا ہے
دی عقل و خرد کا گر پھر اسکو سکھایا ہے — انساں سے فرشتوں کے درجے پہ چڑھایا ہے

کیا شان الٰہی ہے کیا شان الٰہی ہے

قدرت کے کرشمے وہ نقشے ہیں طلسماتی — حیران ہیں سب شہری حیران ہیں دیہاتی
حکمت بھی حکیموں کی یاں راہ نہیں پاتی — آخر یہی کہتے ہیں جب کچھ نہیں بن آتی

کیا شان الٰہی ہے کیا شان الٰہی ہے

اوروں کی طرح یارب ہے مجھ کو حیرانی | لیکن نہیں دنیا سے کچھ اسکو پریشانی
اس بات کا طالب ہے جلوہ تکرار و حانی | دیکھے تو پڑھے ہر دم یہ مصرعۂ لاثانی

کیا شان الٰہی ہے کیا شان الٰہی ہے

خطاب شاہد

خمسہ بر غزل شاہ نیاز

رہتا[1] طبیعت پر ہے کیوں حاوی جدائی کا الم
میں کب جدا تم سے ہوا بے سود ہے یہ رنج و غم
چشم حقیقت کھول کر پاس اپنے دیکھو دمبدم
اے طالباں اے طالباں من با شما ہر جاستم
ہم جلوہ گر در دیدہ ہا ہم مضمر دلہاستم

[1] نوٹ۔ شاہ نیاز اور میرزا بیدل کی غزلوں پر ایک دوست کی فرمائش سے مصرعے لگائے تھے۔ چونکہ وہ مطلع میں بھی اردو مصرعے چاہتے تھے۔ اس لئے قافیہ کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ صرف ردیف کا لحاظ ہے۔ قافئے کی رعایت صرف اشعار فارسی میں ہوسکتی ہے +

مسکہ ہی مسکہ ہے سخن میرا نہیں یاں دوغ و مات
کہتا ہوں حق الامر میں جس میں نہیں کچھ کم و کاست
کیا ہے وہ حق الامر گر پوچھو تو سن لو راست است
ایں دوری و مہجوریم از وہم و پندار شماست
در نسبت خود با شما دریا و موج آساستم

ناحق براہین و دلائل منطقی کو ہیں پسند
ہے فلسفی بے سود استدلال کے پھندوں میں بند
سالک اگر ہے کاربند اس کو یہی کافی ہے پند
ثابت نگردم من از ہمہ بے آنکہ اثباتم کنند
بے آنکہ استثنا کنند از جملہ مستثناستم

بے پردہ میرا نور مثل جلوۂ برق جہاں
نظّارہ سوز خلق ہے نظّارہ ممکن ہے کہاں
ہاں برقع نام و صور میں ہر جگہ ملتا ہوں یاں
برعکس رسم ایں جہاں در پردہ مے باشم عیاں
چندانکہ بے پردہ شوم در پردۂ اخفاستم

ناسوت اور جبروت اور لاہوت تینوں میں بہم
ہوں جلوہ گر میں ہی سدا چھوڑو خیال بیش و کم
پنہان و پیدا کے اٹھاتے کیوں ہو جھگڑے دمبدم

ہم صورت ناسوتیم ہم معنئ لاہوتیم
پنہاں تر از پنہان وہم پیدا تر از پیدا ستم

سمجھا ہے اپنے زعم میں کوئی محبت کا فسوں
مستی سے بے خود ہوکے کوئی اس کو کہتا ہے جنوں
دم مارنے کی جا نہیں میری رضائے بے چگوں
درجلوت فرق آدم از خلوت جمع شیوں
از انبساط نور خود بزم جہاں آراستم

میں ہی مکاں ہوں میں مکیں میں ہی نئی میں ہوں میں من
میں ہی علل کی علت اولے ہوں ہر سو موج زن
لاتا ولیکن واہمہ ہے درمیاں میں یہ سخن
ہر چند نبود غیر من در عالم نو و کہن
در ذات بحت خویشتن بر رتبۂ علیاستم

جلوہ سرا ہر اک نیا صورت مری ہر اک نئی
ہیئت کہیں عاشق کی ہے صورت کہیں معشوق کی
میں بلبل وگل ہوں کبھی میں سرو اور قمری کبھی
با حسنِ خود در باختم من نردِ عشق و عاشقی
ہم لیلی و مجنوں منم ہم وامق و عذراستم

کہتے شریعت ہیں جسے وہ بھی ہے میرا راستہ
اور رندی و مستی بھی ہے میری ہی راہ با صفا
طے بھی کرو اے غافلو جھگڑا یہ شیخ و رند کا
گہ شیخم اندر خانقہ گہ رندم اندر میکدہ
گہ سبحہ و سجادہ ام گاہے مے و میناستم

میں ہی تو تھا عزلت گزیں جس وقت دنیا تھی عدم
میں ہی تو ہوں اب خواب میں اس خواب کا بیداد و غم
عقبےٰ جسے کہتے ہیں وہ میری ہی ہے شان کرم
ہم اوّل و آخر منم ہم ظاہر و باطن منم
ہم عالم دنیا منم ہم نشۂ عقباستم

خود میں فقیر بے نوا خود میں ہوں دارائے زمن
خود عابد و معبود میں خود بتکدہ خود برہمن
اے مہر میری ہے رضا یاں کس کو جائے دم زدن
گاہے نیاز ایمان من گہ بے نیازی شان من
ایں ہر دو میز بید بہ من ہم بندہ ہم مولاستم

رباعی

مندر میں بید خواں برہمن ہے تو
ہے آئینہ خانۂ طلسم امکاں

مسجد میں شیخ پاک دامن ہے تو
جس جا دیکھا ہے عکس افگن ہے تو

تو ہی تو ہے

غلط ہے کہ دیدار کی آرزو ہے	غلط ہے کہ مجھ کو تری جستجو ہے
ترا جلوہ اے جلوہ گر کو بہ کو ہے	حضوری ہے ہر وقت تو روبرو ہے

جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے

ہر اک گل میں بو ہو کے تو ہی بسا ہے	صدا ہائے بلبل میں تیری نوا ہے
چمن فیض قدرت سے تیرے ہرا ہے	بہار گلستاں میں جلوہ ترا ہے

جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے

نباتات میں تو نمو ہے شجر کی	جمادات میں آبرو بحر و بر کی
تو حیواں میں طاقت ہے سیر و سفر کی	تو انساں میں قوت ہے نطق و نظر کی

جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے

گھٹا تو ہی اُٹھتا ہے گھنگھور ہو کر	چھپا تو ہی ہے بحر میں شور ہو کر
نہاں تو ہی طوفان میں زور ہو کر	عیاں تو ہی موجوں میں جھکجھور ہو کر

جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے

تری ہے صدا رعد میں گڑگڑک ہے	تری ہے ضیا برق میں گر چمک ہے
نہ قوس قزح ہی میں تیری جھلک ہے	جواہر کے رنگوں میں تیری ڈلک ہے

جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے

مہ و خور میں تیری ضیا ہے درخشاں	ستاروں میں تیری جھلک ہے نمایاں
حرارت سے تیری ہے آتش فروزاں	ترے نور سے ذرہ ذرہ ہے تاباں

جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے

روانی سے تیری ہی دریا رواں ہے — ہواؤں میں تیری ہی سرعت عیاں ہے
تو پنہاں ہے صحرائے محشر نشاں ہے — جبل تیری حدّت سے آتش فشاں ہے

جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے

زمیں آسمان تجھ سے معمور ہے سب — زمان و مکاں تجھ سے بھرپور ہے سب
تجلّی سے کون و مکان نور ہے سب — نگاہوں میں میری جہاں طور ہے سب

جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے

حسینوں میں تو حسن و ناز و ادا ہے — تو عشاق میں عشق و صدق و صفا ہے
مجاز و حقیقت میں جلوہ تیرا ہے — جہاں جایئے ایک تو رونما ہے

جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے

کہیں تو ہے معشوق عاشق کہیں ہے — کبھی رند مے کش کبھی شیخ دیں ہے
دلوں میں طبائع میں تو جاگزیں ہے — غرض کوئی جا تجھ سے خالی نہیں ہے

جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے

مکاں تیرا ہر ایک اے لامکاں ہے — نشاں ہر جگہ تیرا اے بے نشاں ہے
نہ خالی زمیں ہے نہ خالی زماں ہے — کہیں تو نہاں ہے کہیں تو عیاں ہے

جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے

زمین و زماں نور سے ہیں منوّر — مکین و مکاں ذات کے تیرے مظہر
جہاں میں دلِ آستاں ہے ترا گھر — اِدھر اور اُدھر سے میں اس گھر میں آ کر

جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے

جو عرفاں سے عارف شناسا ہے تیرا — تو عابد عبادت سے جویا ہے تیرا
ریاضت سے مرتاض شیدا ہے تیرا — غرض جو ہے رستا وہ رستا ہے تیرا

جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے

تیرا لامکاں نام زیبا نہیں ہے — مکاں کونسا ہے تو جس جا نہیں ہے
کہیں ما سوا میں نے دیکھا نہیں ہے — مجھے غیر کا وہم ہوتا نہیں ہے
جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے

نہ دل بھر کا جستجو میں حزیں ہے — کہ شہرگ سے بھی تو قریب و قریں ہے
فقط نام و صورت حجاب آفریں ہے — مگر آنکھ کو یہ بھی پردہ نہیں ہے
جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے

تیرا نشاں کہاں ہے

آنکھوں سے تو ہے پنہاں نظروں سے تو نہاں ہے — تیرا مکاں خدایا کہتے ہیں لامکاں ہے
سرِ خفی حق کا ہاں کون رازداں ہے — یاں آ کے فلسفی بھی صوفی کا ہمزباں ہے
تیرا نشاں کہاں ہے تیرا نشاں کہاں ہے

مشائیوں میں ڈھونڈھا تو کچھ پتا نہ پایا — اشراقیوں سے پوچھا تو کچھ کا کچھ بتایا
یاں عقل نکتہ رس سے جز عجز بن نہ آیا — ہم ڈھونڈھ کر نکالیں کیونکر تجھے خدایا
تیرا نشاں کہاں ہے تیرا نشاں کہاں ہے

عارف مراقبے میں بیٹھا ہے سر بزانو — جوگی ریاضتوں میں مصروف ہے لبِ جو
زاہد کا زہد و تقوے عابد کی سب تگ و پو — تیرے لئے ہے ظالم لیکن ہمیں بتا تو
تیرا نشاں کہاں ہے تیرا نشاں کہاں ہے

شہروں میں تجھ کو دیکھوں یا دشت پر خطر میں — تو بحر میں ہے رہتا رہتا ہے یا کہ بر میں
ڈھونڈھوں تجھے میں ہر جا آ نہ اپنے گھر میں — سودا یہی سمایا رہتا ہے میرے سر میں

تیرا نشاں کہاں ہے تیرا نشاں کہاں ہے

قدرت کے تیرے جلوے گو چار سو عیاں ہیں — تیری ہی حکمتیں گو ہر چیز میں نہاں ہیں
یہ قدرت اور حکمت لیکن جہاں جہاں ہیں — ہیں بہرِ چشم پردہ یوں کہتے راز داں ہیں

تیرا نشاں کہاں ہے تیرا نشاں کہاں ہے

تو لاکھ یہ ستارے روشن ہیں مثل اخگر — تاباں ہے ماہ انور تاباں ہے شاہ خاور
کرتی ہے برق مضطر ارض و سما منور — اس نور میں بھی ظالم لیکن کھلا نہ ہم پر

تیرا نشاں کہاں ہے تیرا نشاں کہاں ہے

وسعت زمیں کی دیکھی لا انتہا ہے ہر جا — لا انتہا فلک کا سر پر تنا ہے خیمہ
لا انتہا خلا کا ہے درمیاں میں صحرا — ان وسعتوں میں ہم نے ڈھونڈھا مگر نہ پایا

تیرا نشاں کہاں ہے تیرا نشاں کہاں ہے

ہے جلوہ گاہ صنعت واللہ نوع حیواں — ہر عضو سے عیاں ہے کیا حکمت فراواں
سرتاج نوع حیواں ہے دیکھئے تو انساں — انساں کی عقل لیکن ہے اسجگہ پریشاں

تیرا نشاں کہاں ہے تیرا نشاں کہاں ہے

ہے کائنات ساری گو محض نام و صورت — پر حکمتوں کا مظہر اور صنعتوں کی مورت
ہو دل کے آئینے سے گر دور سب کدورت — کہنے کا پھر مزا ہے گر اسکی ہو ضرورت

تیرا نشاں کہاں ہے تیرا نشاں کہاں ہے

ظاہر نگر ہیں آنکھیں دیکھیں تجھے تو کیونکر — دل فکر کا ہے تابع تو فکر سے ہے باہر
پھر کس طریق سے ہم دیکھیں تجھے ستمگر — ہاں شوق کا تقاضا رہتا یہی ہے یکسر

تیرا نشاں کہاں ہے تیرا نشاں کہاں ہے

اے میرے دل کے مالک میری زباں کے مالک — اے ہر مکیں کے آقا اے ہر مکاں کے مالک
اے ماہ و خور کے حاکم اے آسماں کے مالک — اے بادشاہ شاہاں اے دو جہاں کے مالک

تیرا نشاں کہاں ہے تیرا نشاں کہاں ہے

عرفاں کا راستہ گو تو نے مجھے دکھایا
اور ذوق معرفت کا شربت بھی کچھ پلایا
پردہ جو درمیاں تھا لیکن نہ وہ اٹھایا
منہ تک نہیں دکھایا یہ بھی نہیں بتایا

تیرا نشاں کہاں ہے تیرا نشاں کہاں ہے

ہے مہر تیرا شیدا اے بے نشان والے
گھر میں اسے بلا لے اے لامکان والے
جلوہ اسے دکھا دے لے آن بان والے
پھر وہ نہیں کہیگا اے عز و شان والے

تیرا نشاں کہاں ہے تیرا نشاں کہاں ہے

خیالِ ذات

خمسہ بر غزل میرزا بیدل

تیرے سر میں وہم نے مہر کیوں یہ خیال خام ہے بھر دیا
کہ تو دید چھوڑ کے داخلی ہوا خارجی یہ ہے مبتلا
جو تو مجھ سے پوچھے تو تجھ سے میں کہوں جا کے لاکھ نہیں بلا
ستم است گر ہوست کشد کہ بسیر سرو سمن درا
تو ز غنچہ کم نہ دمیدۂ درِ دل کشا بچمن درا

تجھے کیا ہوا ہے کہ اسطرح تو لگا تا گشت ہی کو بجو

کبھی جائے گشت تری جبل کبھی سیر گہ لبِ آب جو
نہیں رہروی یہ ہے گمرہی پسِ گوشِ جاں سے جو میری تو
پئے نافہاے رمیدہ بو مپسند زحمتِ جستجو
بخیالِ حلقۂ زلف او گرہے خور و بکفن درا

مجھے اے تماشہ نگر بتا یہ کہاں کی عقل ہے اور خرد
کہ مذاقِ دیدِ تماشہ ہی تجھے کھینچ لائے بشدّ و مد
ترا شوق قصور ہے بیخبر نہ قصور خواہش نیک و بد
نفست اگر نہ فسوں دمد بہ تعلق ہوس جسد
نہ رہ دامن تو ہمی کشد کہ درین رباطِ کہن درا

کہاں ذاتِ پاک وہ نور کی کہاں آبِ گل کا یہ کالبد
کہاں بیخودی وہ سرور کی کہاں مول لینا بلا کا خود
تو بدو پیدا ہوتا ہے بارہا یہاں آ کے مثلِ جَو و نخود
ہوسِ تو نیک و بدِ تو شد نفسِ تو دام و ددِ تو شد
کہ بایں جنوں بدِ تو شد کہ بعالم تو و من درا

تجھے کیا تلاش ہے بوالہوس تجھے کس کی چاہیئے معرفت
تری سعی سعیِ فضول ہے نہ حصول جس سے ہو منفعت
کسی نے بھی اپنی تلاش میں کبھی لی ہے راہِ مسافرت
چہ کشی زکوششِ عاریت المِ شہادتِ بے دیت

بہ بہشتِ عالمِ عافیت درِ جستجو بشکن ورا

تجھے گمرہی سی ہے گمرہی کہ تمام عمر بسر ہوئی
وُلے جو خودی کہ تھی جسم میں وہ اُسی طرح سے بنی رہی
ابھی کچھ گیا نہیں بے خبر تو چڑھا تو ساغرِ بے خودی
بکدام آئینہ مائلی کہ زفرصت ایں ہمہ غافلی
تو نگاہِ دیدۂ بسملی مژہ واکن و بکفن ورا

تجھے ہوش کچھ بھی ہے اے بشر کہ جہاں میں شور ہے کیا بپا
تجھے کچھ خبر بھی ہے بے خبر کہ ہر اک صدا کی ہے کیا صلا
مری طرح بیٹھ کے تو بھی سُن ذرا گوشِ ہوش سے برملا
ز سروشِ محفلِ کبریا ہمہ وقت مے رسد ایں ندا
کہ بخلوتِ ادب وفا ز درِ بروں نشدن ورا

وہ فنا کا پردہ ہے درمیاں کہ ہٹائے سے نہ کبھی ہٹے
جسے کہتے آئے ہیں سب بقا ہوئے مجھ سے طے نہ وہ مرحلے
نظر آئے کچھ ہیں ذرا ذرا وے محض وہم و گمان سے
چو ہوا زہستئ مبہمے بتا تلے زدہ ام خمے
گرہِ حقیقتِ شبنمے بشگاف و در دلِ من ورا

تری چار دانگ میں سلطنت تری سلطنت میں شش جہت

تو محیطِ کل ہے بسیط ہے تجھے زیب دیتی ہے ہر صفت
یہ غضب ہے کیا کہ ہمارے دل پہ کھلی نہیں تری منزلت
نہ ہوائے ادنیٰ نہ ماہیت نہ خروش جوش نہ ہستیت
بحضور چہ حاصل جستجست نفسے شود بسخن درا

ترے ہجر ایسا ہے جاں گزا کہ نہ پوچھ کیا ہے ستم و الم
مری جان پر وہ عذاب ہے کہ سہا نہ جائے تری قسم
نہ ہوا ہے تجھ پہ جو کچھ کرم تو ستم ہے جانِ جہاں ستم
ہمہ انتظارِ تو بردہ ام بہ رہِ خیالِ تو مردہ ام
قدمے بہ پرسشِ من کشا نفسے چو جاں بہ بدن درا

گیا مہر قافلۂ عمر کا یہ سنا رہا ہے تمہیں جرس
دے تم سرائے فنا میں یاں رہے جمع کرتے ہی خار و خس
سنو عارفوں کا کلام یہ جو ہو کچھ بھی لطفِ سخن سے مس
بدر آے بیدل ازیں قفس اگر آنطرف کشدت ہوس
تو بغربت ایں ہمہ خوش نۂ کہ نگویمت بوطن درا

رحم و کرم

اگر دعا ہے یہ نیری ہمدم ۔ جنابِ حق سے بچشمِ پُرنم

کہ ارحم الراحمیں خدایا - نگاہِ رحمت ادھر رکھا کر

تو زیردستوں پہ تو بھی ہردم بچشم الفت بہ لطف پیہم

رکھ اپنے لطف وعطا کا سایہ - نگاہ رحم وکرم کیا کر

نگاہ رحم وکرم کیا کر - خدا سے بندے ذرا ڈرا کر

اگرچہ انصاف وہ گہر ہے - کہ چرخ اخلاق کا قمر ہے

اسی کے جلوے کی روشنی سے - جہان میں نور ہو رہا ہے

ولے جو انصاف پر نظر ہے - تو حق تعالےٰ بھی دادگر ہے

اگر وہ انصاف ہی پہ اُترے - گناہ سے کون یاں بچا ہے

گناہ سے کون یاں بچا ہے - تو سوچ اتنا تو خوف کھا کر

اگر ہوں سب اپنے حق پہ قائم - تو چارہ نہیں نظام عالم

ہو درہم اور برہم اس طرح سے - کہ ہو وبال آدمی کو جینا

مگر ہیں لطف اور عدل دائم بہم ہے کیوں نہ خلق خورم

اور اس صفائی سے کس طرح سے - چلے نہ دنیا کا یہ سفینا

چلے نہ دنیا کا یہ سفینا - تو غور اتنی تو ہاں ذرا کر

یہ رحم ہے وہ بڑی فضیلت - کہ اس سے بڑھکر نہیں ہے نعمت

کریگا جو رحم اور جس پر - ہو رحم دونوں کا فائدہ ہے

اگر تجھے بھی ہو دست قدرت - تو حقتعالےٰ کی تجھ پہ رحمت

اٹھالے جو چاہے لقمۂ تر - بچا ہوا عام مائدہ ہے

بچھا ہُوا عام مائدہ ہے۔ لیا دیا کر لیا دیا کر

بیہ رحم جس دل میں جاگزیں ہے۔ وہ بندہ اللہ کے قریں ہے
اگر زبردست کے موجی ہیں۔ تو اس کا رتبہ ہی کچھ جدا ہے
یہ تاج شاہی کا وہ نگیں ہے۔ کہ اس سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے
شرف یہاں تک تو ہے اُسی میں کہ ارحم الراحمین خدا ہے
جب ارحم الراحمین خدا ہے اِسی کی تقلید تو کیا کر

قصاص خواہی و کینہ جوئی ذرا نہ شک کرنا اسمیں کوئی
کہ ہیں یہ دونوں خواص شیطاں۔ بچو تم ان سے جو آدمی ہو
سمجھنا بس اس کو راست گوئی۔ جہاں میں معیار نیک خوئی
یہی ہے گر دیکھئے کہ انساں۔ فضیلت رحم کا دھنی ہو
فضیلت رحم کا دھنی ہو۔ مناصب و اختیار پا کر

ثواب تو بھی یہاں کما لے۔ کہوں وہاں مہر بول بالے
کسی نے دنیا کو مزرعۂ آخرت کہا ہے تو سچ کہا ہے
بشر وہی ہیں نصیب والے نگین دل پر تو یہ کھُدا لے
جنھوں نے رحم و کرم کو اپنا۔ یہاں وتیرہ کیا ہوا ہے
یہاں وتیرہ کیا ہوا ہے۔ کرم کو اور رحم کو ملا کر

مجذوب کی بڑ

جو کہے یہ تو خدا سے ہے جُدا
یا اولی الابصار یا اہلِ ہُدےٰ
یوں سمجھ وہ بک رہا ہے بیہدہ
ہے نگینِ دل پہ میرے تو کھُدا

من خدایم من خدایم من خدا

میں تعیّن سے نہایت دور ہوں
آپ موسےٰ آپ کوہِ طور ہوں
نور ہوں میں نور ہوں میں نور ہوں
خود انا الحق اور خود منصور ہوں

من خدایم من خدایم من خدا

ذات میں اپنی صبوری ہے مجھے
کون کہتا ہے کہ دوری ہے مجھے
کبریائی و غیوری ہے مجھے
غافلو ہر دم حضوری ہے مجھے

من خدایم من خدایم من خدا

یاں نہیں غم اور غمخواری سے کام
خواب ہے مجھ کو نہ بیداری سے کام
یاں نہیں زاری و بیزاری سے کام
مجھ کو غفلت ہے نہ ہشیاری سے کام

من خدایم من خدایم من خدا

تھا ازل میں میں ہی تو عزلت گزیں
ذات میری ہے دوامی بالیقیں
تا ابد میں ہی ہوں دارائے زمیں
جسم کو ہوگی فنا مجھ کو نہیں

من خدایم من خدایم من خدا

نور سے پُر نور میرے شش جہات
مرکزِ نام و صور ہے میری ذات
نور سے میرے منوّر کائنات
میری ہستی سے ہے عالم کو ثبات

من خدایم من خدایم من خدا

ہے قضا دیوان کا میرے دبیر
جوہرِ اوّل مرا اوّل وزیر
ہے قدر ایوان کا میرے مشیر
غافلو مجھ کو نہ تم سمجھو فقیر

من خدایم من خدایم من خدا

کام مجھ کو کچھ نہیں اعمال سے
میں کبھی کا چھٹ گیا اس جال سے
ہوں بری اچھے برے افعال سے
کون ہے آگاہ میرے حال سے

من خدایم من خدایم من خدا

ہے زماں حادث فقط میں ہوں قدیم
علتوں سے میں پرے ہوں اے حکیم
ہے مکاں محدود اور مجھ میں مقیم
تو نے کب جانا مرا سرِّ عظیم

من خدایم من خدایم من خدا

ہستئیں ہیں میں لیک ہستِ لایزال
غافلو میں ہوں سرور بے مثال
نور ہوں میں لیک نورِ بے زوال
پاس کب آیا مرے رنج و ملال

من خدایم من خدائم من خدا

ماسوا کا نقش وہمی ہے جسد
اس پہ بھی گر چاہیے تم کو سند
کون ہے میرا شریکِ نیک و بد
ہے صلائے قل ہو اللہ احد

من خدایم من خدایم من خدا

جوگیونکے دل میں جس کا دھیان ہے
معرفت اون کا تو ایمان ہے
گیانیونکے من میں جسکا گیان ہے
غافلو میری ہی وہ سب شان ہے

من خدایم من خدایم من خدا

طلسم امکان کا ناسوت ہے
مہر غفلت عالم جبروت ہے
خواب کہتے ہیں جسے ملکوت ہے
میرا عالم دائما لاہوت ہے

من خدایم من خدایم من خدا

خمسہ بر غزل حافظ شیراز

دل پر نہ بس چلے جب کیا کیجیے اس کا چارہ
منصور کو غضب ہے سولی کے گھاٹ اتارا
لو نعرۂ انا الحق میں نے بھی آج مارا
دل میرود ز دستم صاحبدلاں خدا را
دردا کہ رازِ پنہاں خواہد شد آشکارا

ہونا ہے حال تیرا یاں ایک دن دگرگوں
دنیا ہے عارضی شے کیوں تو ہے اس پہ مفتوں
حطّام دنیوی کی الفت میں بن نہ مجنوں
دہ روزہ مہرِ گردوں افسانہ ایست و افسوں
نیکی بجاے یاراں فرصت شمار یارا

ساحل امید کا ہے دور اور ہوا بہت تیز
امواج بحرِ غم کے حق میں مثال مہمیز
طوفان ہے بلا کا ہر سمت شور انگیز
کشتی شکستگانیم اے باد شُرطہ برخیز
باشد کہ باز بینم آں یارِ آشنا را

کیا غلغلہ تھا اب تک کا نو نہیں اسکا ہے غل
رندان بادہ پیما سنکر اچھل پڑے گُل
تھی وہ صلاے دلکش توبہ کا ہو گیا قُل
در حلقۂ گُل و مل خوش خواند دوش بلبل
هَاتِ الصَّبُوحَ هُبُّوا يَا اَيُّهَا السُّكَارَا

اعمال میرے ایسے خود مجھ کو ہے ندامت
تعریں کے میں ہوں لائق اور قابلِ ملامت
حق نے تجھے عطا کی عرفاں میں استقامت
اے صاحبِ کرامت شکرانۂ سلامت
روزے تفقدّے کن درویشِ بینوا را

مظلوم پر تعدّی کرتا ہے کیوں زبردست
کیوں بیکسوں کے سر پر ہے ظالموں کی یہ جست
کیوں نشۂ خودی سے زرداریوں سے سرمست
آسائشِ دو گیتی تفسیرِ ایں دو حرف است
با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

کبتک سنیں نصیحت کبتک تیرے سنیں پند
زندانِ صومعہ میں ہم ہو چکے نظربند
اے شیخ پاکدامن رندوں کو وعظ تا چند
درکوے نیک نامی مارا اگزر ندادند
گر تو نمے پسندی تغیر کُن قضارا

انوار مختفی ہیں جب تک ہے دل مکدر
ہاں صیقلِ صفا سے جب ہوگیا منوّر
اے سالکِ طریقت کھل جائیگا یہ تجبیر
آئینۂ سکندر جامِ جم است بنگر
تا بر تو عرضہ دارد احوالِ ملکِ دارا

اُس ذاتِ کبریا کو شایاں ہے کبر بے کد
جسکی نہیں نہایت جسکی نہیں کوئی حد
جبتک خودی ہے تجھ کو ہے کبر عادتِ بد
سرکش مشو کہ چوں شمع از غیرتت بسوزد
دلبر کہ در کفِ او موم ست سنگِ خارا

اے شیخ چھوڑ مسجد اے برہمن تو معبد
آؤ تمہیں سنائیں لے نیک اور اے بد
عرفان کے ہیں مضامیں رکھتے ہیں لطف بیحد
گر مطربِ حریفاں ایں پارسی بخواند
در رقص و حالت آرد پیرانِ پارسا را

کیا شیشہ و سبو سے رکھ بھر کے ناند کی ناند
ساقی دہ راح روشن شرمندہ جس سے ہو چاند
کیا چیز چاند اس سے ہو مہر کی ضیا ماند
آن تلخ وش کہ صوفی ام الخبائثش خواند
اَشھیٰ لَنَا وَ اَحْلیٰ مِنْ قُبْلَۃِ الْعَذَارا

دنیا فنا کا گھر ہے ملکِ فنا کی بستی
اے بوالہوس کریگا کب تک ہوس پرستی
نفرت ہے گر فنا سے گر ہے ہوائے ہستی
ہنگامِ تنگدستی در عیش کوش و مستی
کایں کیمیاے ہستی قاروں کند گدارا

عمریں بسر کرینگے وہ صومعے میں تا چند
کبتک رہینگے قیدی اور اس طرح نظربند
باہر نکل کے دیکھیں میری اگر سنیں پند
خوبان پارسی گو بخشندگان عمر اند
ساقی بدہ بشارت پیرانِ پارسا را

۱

کیا طعن ہے کہ رندی شیوہ نہیں ہے مسعود
یہ لعن وطعن دونوں ہیں شہر محض بے سود
کیا طعن ہے کہ مستی ہے ناپسند معبود
حافظ بخود نپوشید ایں خرقۂ مے آلود
اے شیخ پاک دامن معذور دار ما را

صدائے دوست
خمسہ بر قطعۂ خود

کیا شوق جاں گزا کی کہانی سناؤں میں
آتا ہے کون یاد تجھے کیا بتاؤں میں
دل کس طرح سے کھول کے تجھ کو دکھاؤں میں
تو مجھ کو یہ بتا تیرے قربان جاؤں میں
آواز کس کی تو نے اڑائی ہے اے ستار

بیخود ہوئے ہیں سُن کے شہنشاہ اور گدا
پوچھے جو کوئی مُجھ سے کہونگا یہی سدا
آہنگ کیا ہی مست ہے کیا دلربا صدا
باجے کو کب نصیب ہے یہ لحنِ خوش ادا
کب چھیڑنے سے یوں مترنم ہوئے ہیں تار

آواز ایسی مست ہوں سن سن کے سامعین
مجھ کو قسم خدا کی صدا تیری یہ نہیں
لکڑی سے اور دھات سے نکلی بھی ہے کہیں
پردہ نشین مراپس پردہ ہے جاگزیں
پردوں سے اُس کی آتی ہے آواز خوشگوار

پردہ ہے تجھ سے کیا کہ میں ہوں مبتلائے دوست
کر اکتفا نہ مجھ کو سنا کر نوائے دوست
قربانِ یار جان ہے اور دل فدائے دوست
سنوائی جس طرح سے ہے تو نے صدائے دوست
دکھلا بھی دے کبھی مجھے ظالم جمالِ یار

مسدّسات

باران رحمت

تضمین شعر ذوق

جس کا ہوا دعا کو بلند ایک بار ہاتھ
پہنچا ہوا نہ ہو کے کبھی شرمسار ہاتھ
تیرے کرم نے بڑھ کے دیئے تین چار ہاتھ
سائل کو دور ہی سے صدا دی پسار ہاتھ
پھیلائے کیا کوئی مرے پروردگار ہاتھ
بندے کا ایک ہاتھ ہے تیرے ہزار ہاتھ

شرم برہنگی تھی شجر کو بہار سے
دستِ دعا بلند ہوئے شاخسار سے
یارب ہمیں بچائیو اس ننگ و عار سے
اور تُو نے اُن کو لاد دیا برگ و بار سے
پھیلائے کیا کوئی مرے پروردگار ہاتھ
بندے کا ایک ہاتھ ہے تیرے ہزار ہاتھ

تو نے صدف کو دُر دیا اور دُر کو آب دی
گلشن کو پھول پھول کو بو لاجواب دی
معدن کو لعل لعل کو کیا آب و تاب دی
جو چیز دی کسی کو غرض انتخاب دی
پھیلائے کیا کوئی مرے پروردگار ہاتھ
بندے کا ایک ہاتھ ہے تیرے ہزار ہاتھ

کھولا تھا منہ صدف نے دعا کیلئے وہاں
ابرِ کرم کو حکم اُسی دم ملا کہ ہاں

خالی نہ بارگاہ سے جائے یہ بے زباں　　بھر دو دُرِ خوش آب سے اسکا ابھی دہاں

پھیلائے کیا کوئی مرے پروردگار ہاتھ
بندے کا ایک ہاتھ ہے تیرے ہزار ہاتھ

طوفان و باد و موج میں ہے کون کارساز　　غوطے پہ غوطہ کھاتا ہے جب بحر میں جہاز
ہوتے ہیں ہاتھ سب تری درگاہ میں دراز　　اور تو پناہ دیتا ہے اُن سب کو بے نیاز

پھیلائے کیا کوئی مرے پروردگار ہاتھ
بندے کا ایک ہاتھ ہے تیرے ہزار ہاتھ

بوئے تھے کھیت وقت پہ یارب جہان نے　　دیکھا نہ یہ کرم کبھی وہم و گمان نے
رحمت کی وہ لگائی جھڑی آسمان نے　　اک اک کے لاکھ لاکھ کمائے کسان نے

پھیلائے کیا کوئی مرے پروردگار ہاتھ
بندے کا ایک ہاتھ ہے تیرے ہزار ہاتھ

پھولوں کو تو نے رنگِ رُخِ نازنیں دیا　　پتوں کو سبز خلعتِ مخمل عطا کیا
ہر ایک پھل کو ذائقہ بخشا جدا جدا　　حق یہ کوئی کریم نہیں تجھ سا دوسرا

پھیلائے کیا کوئی مرے پروردگار ہاتھ
بندے کا ایک ہاتھ ہے تیرے ہزار ہاتھ

نعمت سے تو نے بھر دیا عالم کے خوان کو　　اور سیم و زر سے کر دیا لبریز کان کو
تاروں کے تھال بھر کے دئیے آسمان کو　　یوں دیکھ دیکھ کر ترے دینے کی شان کو

پھیلائے کیا کوئی مرے پروردگار ہاتھ
بندے کا ایک ہاتھ ہے تیرے ہزار ہاتھ

جوہر نمو کا تو نے نباتات کو دیا　　اور خاصہ سکوں کا جمادات میں رکھا
انساں کو تو نے گوہرِ دانش عطا کیا　　گویا کہ بحرِ فیض کو کوزے میں بھر دیا

پھیلائے کیا کوئی میرے پروردگار ہاتھ
بندے کا ایک ہاتھ ہے تیرے ہزار ہاتھ

معمور مال سے ہیں خزانے اُجاڑ کے
دینے پہ تُو جو آئے بنادے بگاڑ کے
بھرپور سیم وزر سے ہیں دامن پہاڑ کے
دے جس پہ تیرا فضل ہو چھپّر کو پھاڑ کے

پھیلائے کیا کوئی مرے پروردگار ہاتھ
بندے کا ایک ہاتھ ہے تیرے ہزار ہاتھ

یوں جبکہ فیض عام ہے مخلوق پر ترا
یا مالک القلوب مرے دل کا مدّعا
کیا مہر بارگاہ سے محروم جائیگا
روشن ہے تیری ذات پہ پھیلاؤں ہاتھ کیا

پھیلائے کیا کوئی مرے پروردگار ہاتھ
بندے کا ایک ہاتھ ہے تیرے ہزار ہاتھ

صحبتِ نیکاں

وہ نعمتِ عظمےٰ ہے تو اے صحبتِ نیکاں
بیجا ہے کہے ظلِّ ہما تجھ کو جو انساں
مائل ترے احرار۔ اکابر ترے خواہاں
سمجھے جو تجھے سایۂ طوبےٰ وہ ہے ناداں

واللہ کہ تو ظلِّ الٰہی ہے جہاں میں
گر تو نہیں تو محض تباہی ہے جہاں میں

کہتے ہیں ہما جس کو وہ طائر ہے خیالی
طوبےٰ کا سنا گرچہ بہت رتبۂ عالی
عنقا کی طرح وہم نے صورت ہے بنالی
لیکن یہ کہانی بھی ہے تصدیق سے خالی

ان کی طرح ہستی تری موہوم نہیں ہے

دنیا میں تو وہ شے ہے کہ معدوم نہیں ہے

سربستہ تیرا راز نہیں بلکہ عیاں ہے
وہ کون ہے دنیا میں کہ تو اس سے نہاں ہے
شاہد ترا یاں تجربۂ پیر و جواں ہے
انوار سے پر نور تیرے کون و مکاں ہے

گلزارِ جہاں میں تجھے کس نے نہیں دیکھا
ہاں کور ہے وہ آنکھ کہ جس نے نہیں دیکھا

جس طرح کہ ہو جلوہ نما خسروِ خاور
ہر شے پہ نظر آئے بچھی نور کی چادر
اور اشعۂ پر نور سے عالم ہو منوّر
جس چیز کو دیکھو وہ منوّر ہو سراسر

اس نور کو وہ کون ہے اندھا جو نہ دیکھے
ہاں شپّرۂ و بوم نہ دیکھے تو نہ دیکھے

اے صحبتِ نیکاں وہی تیری بھی ہے تنویر
جو دل متاثر ہوا تجھ سے وہ ہے اکسیر
تیرا بھی اثر ہے وہی تیری وہی تاثیر
وہ مطلع انوار ہے وہ نور کی تصویر

تو وہ ہے جھلک سے تیری ہر شے چمک اُٹھے
چاندی کی طرح ہو کے مجلّا دمک اُٹھے

بیجا نہیں صیقل کہیں گر تجھ کو ہنرور
تو خصلتِ انساں کو جِلا دیتی ہے یکسر
گر زنگ رذائل ہیں تو تو سان کا پتھر
یہ تیرا ہی دم ہے کہ وہ آب آتی ہے اس پر

شمشیرِ اصیل آن کے گر دیکھے تو شرمائے
گوہر عرقِ شرم میں بس غرق ہی ہو جائے

پارس سے بھی بہتر ہے تو اے صحبتِ نیکاں
اک دھات سے گر اور ہوئی دھات نمایاں
زر کرتا ہے وہ مس کو یہ کہتے ہیں سخنداں
کیا اس میں بڑھی مجھ سے کہو منزلت و شاں

حیواں تو کیسا نہ نباتات ہیں دونوں
بیجان رہیں۔ جڑ ہیں۔ جمادات ہیں دونوں

یہ تیری فضیلت ہے کہ جو چاہے دکھاوے
اور خصلت اخلاق کو اس طرح چلاوے
جو آدمی حیوان بھی ہو انسان بناوے
انساں سے فرشتوں کے مدارج پہ چڑھاوے

سایہ ترا بہتر نہ ہو کیوں ظلِ ہما سے
کیا چیز فرشتہ ہے ملادے تو خدا سے

اے صحبتِ نیکاں تو ہے بہتی ہوئی گنگا
تقدیس مآب آب ہے جس کا وہ مصفا
جب آن کے مل جاتا ہے کوئی ندی نالا
گنگا ہی وہ بن جاتا ہے کیا فیض ہے دیکھا

سب اسکو تبرک میں ہیں آنکھوں سے لگاتے
لیجاتے ہیں بھر بھر کے گھڑے سر پہ اٹھاکے

کس چیز کا دیکھا ہے جہاں میں اثر ایسا
کس شخص کو آتا ہے جہاں میں ہنر ایسا
خود ذات کو کردے متبدل مگر ایسا
جو آپ ہے اوروں کو بنا دے بشر ایسا

ہاں صحبتِ نیکاں سے یہ کچھ دور نہیں ہے
اور راز عیاں اس کا ہے مستور نہیں ہے

جس شخص کے اوپر ترا احسان ہوا ہے
انسانوں میں فرزانہ وہ انسان ہوا ہے
اس شخص پہ اللہ کا فیضان ہوا ہے
اس پر کرم حضرت رحمان ہوا ہے

تو وہ شجر باغ کہ پھل لاتا ہے جلدی
تو زینہ وہ جو بام پہ پہنچاتا ہے جلدی

ہے صحبت نیکاں ہمیں اے مہر پیاری
ہے یاں کی ہوا میں اثر باد بہاری
کھل جاتی ہے یاں آکے کلی دل کی ہماری
زیبا ہے کہیں اسکو اگر رحمت باری

فیضان خدا کی یہی کنجی بخدا ہے
گر ہاتھ میں ہو تو در عرفان کھلا ہے

ہمہ اوست

جہاں میں چار طرف پھر کے جابجا دیکھا
کہیں نہ دیدۂ حق بیں نے ماسوا دیکھا
بتاؤں کیا کہ ان آنکھوں سے میں نے کیا دیکھا
جدھر گیا میں اُدھر تجھ کو رونما دیکھا

کلام حق ہے نہیں اس میں بوتعلّی کی
مری نگاہ میں ہیں شوخیاں تجلّی کی

حجابِ دیدۂ بینا کوئی نقاب نہیں
نقابِ نام و صور باعثِ حجاب نہیں
کہاں ترے رُخِ روشن کی آب و تاب نہیں
کہاں کہاں ترے انوار بیحساب نہیں

ترے ظہور ہیں تیری طرح سے لامحدود
کہیں نہ جن کا کنارہ کہیں نہ جنکی حدود

ضیائے مہرِ درخشاں ہے تیرا نور مجھے
صفائے ماہِ رُخِ یار کا ظہور مجھے
ہر اک ستارۂ روشن ہے چشمِ حور مجھے
ہر ایک ذرّۂ تاباں ہے کوہِ طور مجھے

بس ایک برقِ تجلے جھلک دکھاتی ہے
جہاں جہاں کہ جہانمیں نگاہ جاتی ہے

ترا ہی شور ہے بادل میں رعد ہو کے عیاں
ترا ہی زور ہے طوفان و باد میں پنہاں
چھڑی ہے تیری ہی رحمت کی بارشِ باراں
چمک میں برق کی تیرا ہی نور ہے تاباں

صدائے رعد کہ برقِ جہاں کی چشمک ہے
نگاہِ حق سے تری جلوہ گاہ بے شک ہے

فلک رفیع نہیں اسمیں تیری رفعت ہے
خلا وسیع نہیں اسمیں تیری وسعت ہے
ہوا سریع نہیں اسمیں تیری سرعت ہے
بشر نہیں کوئی صنّاع تیری صنعت ہے

جگہ جگہ وہ کرشمے ہیں دستِ قدرت کے
کہ ہوش ہی نہیں قائم نگاہِ حیرت کے

زمیں بھی نظمِ زماں میں ہے ایک رکن کمیں
وہ گوش کر ہے صدائیں نہ جسنے تیری سُنیں

تیری ضیا سے ہے یہاں ذرّہ ذرّہ نور آگیں
وہ چشم کور ہے جو تجھ کو دیکھتی ہی نہیں

مشاہدے کا نگاہوں میں چاہیئے یہ طور
نہ دیکھے دیدۂ بینا سوا تیرے کچھ اور

تجھی کو میں نے گل و گلستاں میں دیکھا ہے
نہ پوچھو مجھ سے کہ کس کس مکاں میں دیکھا ہے

تجھی کو میں نے بہار و خزاں میں دیکھا ہے
جہاں میں دیکھا ہے اور جسم و جاں میں دیکھا ہے

نہ کوئی نور یہاں ہے کہ تیرا نور نہیں
نہ کوئی شے کہ تیری ذات کا ظہور نہیں

تو کوہسار میں رفعت ہے اور عظمت ہے
جہاں جہاں کہ ہیں میدان تیری وسعت ہے

تو مرغزار میں نزہت ہے اور طراوت ہے
تو پہنِ بحر ہے صحرائے بے نہایت ہے

تو وہ بسیط کہ غایت تیری نہیں دیکھی
تو وہ محیط نہایت تیری نہیں دیکھی

کہیں روانیٔ سرچشمۂ رواں ہے تو
فضائے بحرِ مسکّن کی عزّ و شاں ہے تو

کہیں چڑھاؤ پہ دریائے بیکراں ہے تو
صفائے آبِ مصفّا کی روح و جاں ہے تو

تجھے حبابِ لبِ جو میں رونما دیکھا
تجھے تلاطمِ امواج میں چھپا دیکھا

سوادِ شب میں ہے ستارہ کا ظہور نہاں
ترا ہی رنگ ہے نیرنگئ بہار و خزاں

ضیائے روز میں شوخی تجلّیوں کی عیاں
ہر اک تبدّل موسم میں تو ہے جلوہ کناں

ہر ایک رنگ میں نیرنگ تیری چال کے ہیں

کہیں جمال کے جلوے کہیں جلال کے ہیں

نہاں ہے ہو کے جمادات بحر و کان میں تو — عیاں ہے بن کے نباتات گلستاں میں تو
تجھی سے زندہ ہے حیواں ہے اس کی جاں میں تو — بشر کے نطق میں ہے، وہم میں گماں میں تو

بتاؤں کیا کہ ہیں جلوے کہاں کہاں تیرے
وہ بے نشاں ہے تو ہیں جا بجا نشاں تیرے

ضیائے حسن ترا نور ہے حسینوں میں — گداز عشق ہے تو عاشقوں کے سینوں میں
چمک تری دلِ عارف کے ہے نگینوں میں — دمک تری دلِ صادق کے آبگینوں میں

نہ جلوہ گاہ ہے باہر ہی اے خدا تیری
دلوں میں بھی بخدا جا بجا ہے جا تیری

خلا محال ہے بھرپور ہے جہاں تجھ سے — ترا وہ رنگ۔ شرابور ہے جہاں تجھ سے
ترا وہ نور۔ کہ پُرنور ہے جہاں تجھ سے — تجلیاں وہ تری طور ہے جہاں تجھ سے

صور کو ہے حرکت ایک تو ہی قائم ہے
حدوث نام کو ہے ایک تو ہی دائم ہے

زماں ہے حادثِ دیروزہ ایک تو ہے قدیم — مکان تجھ سے ہے محدود اور تجھ میں مقیم
علل سے تو ہے پرے جملہ علتوں کا علیم — نہ تیری کنہ کو پہنچا ہے فلسفی نہ حکیم

نگاہِ دیدۂ اشراق چاہیئے مجھ کو
سبیل اور نہیں ہے کہ دیکھئے تجھ کو

مثال شمس ثوابت ہیں مطلع الانوار — اور اُن کے گرد ہیں اپنے نظام کے سیار
ہر اک نظام میں خلقت ہے بے حساب و شمار — کھلے کسی پہ نہیں کائنات کے اسرار

ترا ظہور ہے سب میں یہ تیرے مظہر ہیں
تو ڈھیر آگ کا ہے یہ تمام اخگر ہیں

بڑا ہو آتشِ سوزاں کا جس طرح انبار
نہ ہو کروڑ کی گنتی نہ لاکھ کا ہو شمار
اور اسمیں دمبدم اُٹھتے ہوں بیشمار شرار
اسی طرح سے تری ذاتِ پاک میں اے یار

ظہورِ کون و مکاں کی بھی رونمائی ہے
نہ کہئے کون و مکاں شانِ کبریائی ہے

شرار ہے اسی آتش کا مہر بھی یارب
تری ہے اسکو شب و روز لو لگی یارب
کہ دل سے دور نہیں تجھ سے وہ کبھی یارب
تجھی سے اُسکو ہے امید بہتری یارب

تری جناب میں ہوگا بھی اُسکو بار کبھی
ملیگا تری حضوری کا افتخار کبھی

خطاب از قلم

تمہید کتاب الہا کھنڈ از بابو شیو برت لال ورما

ہاں قلم رزم کا اور بزم کا احوال سنا
کھول وہ صفحۂ تاریخ تعجب افزا
شیر مردوں کا ذرا رنگ دکھا ڈھنگ دکھا
سب کو تاریخ میں آجائے فسانے کا مزا

آج ان دونو زبانوں سے شرارے نکلیں
دل میں ارمان بھرے ہیں جو ہمارے نکلیں

کارنامے مجھے کرنے ہیں شجاعوں کے رقم
تو ہے دریائے کرم مجھ کو تری جان کی قسم
رزم اور بزم کے یاں ہونگے مضامین بہم
ہو مضامین پہ میرے جو ترا کچھ بھی کرم

دیکھتے دیکھتے اُن میں یہ روانی آجائے
مزرعۂ خشک میں جس طرح سے پانی آجائے

تو ہی حالاتِ گزشتہ کو سنا سکتی ہے
تو تصاویر قدیم ایسی دکھا سکتی ہے
تو ہی آثارِ صنادید بتا سکتی ہے
حال کو چاہے تو ماضی سے ملا سکتی ہے

تو اگر چاہے تو اعجاز دکھا دے دم میں
اور اعجاز یہ مُردوں کو جلا دے دم میں

اہلِ ہند اپنی تواریخ کا رتبہ دیکھیں
آلہا اودل کے اکھاڑے کا تماشہ دیکھیں
راجپوتوں کی شجاعت کا نظارہ دیکھیں
پرتھوی راج کے دربار کا نقشہ دیکھیں

آج ہاں دیکھنے والوں کو نظر آئیں وہ سین
کہ نہ دیکھے ہوں کبھی رزم سے تا سرحد چین

آریہ ورت کے ہوں میرے مرقع میں وہ بیر
طفل نوخیز ہو بالغ ہو جواں ہو یا پیر
فرطِ حیرت سے بنیں دیکھنے والے تصویر
سب کو آ جائے نظر قدرتِ اللہ قدیر

دیکھیں آنکھوں سے ہماری تھی جماعت کیسی
سورما کیسے تھے ہم اور شجاعت کیسی

اے قلم تجھ کو سنایا میں نے ہے اعجاز زباں
میں جو لکھوں تو مضامیں میں ہو وہ شوکت نشاں
تیرا جادو ہے کلام اور تیرا سحر بیاں
مرحبا مرحبا کہنے لگیں سب پیر و جواں

رزم اور بزم کی وہ شکل نظر میں پھر جائے
ہو جو مانی کی بھی تصویر نظر سے گر جائے

اے قلم جا کے مضامین کی پریوں کو لا
ایک سے ایک ہو رتبے میں نہایت اعلےٰ
پڑھنے والوں کو پرستان کا نظارہ دکھا
شوبرت لال کا ہو بول جہاں میں بالا

جو سنے وہ کہے تقریر اسے کہتے ہیں
جو پڑھے وہ کہے تحریر اسے کہتے ہیں

خوفِ مرگ

کیوں مہر تجھ کو موت سے خوفِ عظیم ہے
خوفِ عبث سے کیوں دلِ خائف دونیم ہے
کیوں اس دلِ دونیم میں اُمید و بیم ہے
بیم و رجا میں کیوں تری طبعِ سلیم ہے
یہ یاد رکھ اجل سے کبھی مخلصی نہیں
کر خوف یا نہ کر یہ تجھے بخشتی نہیں

انسان خوفِ مرگ سے فریاد جب کرے
خائف کو رحم کھا کے اگر موت بخش دے
یہ خوف جب بجا ہے کہ بیخوف تو مرے
پُرخوف اور خوف زدوں کی بھی جاں بچے
دونوں ہیں ایک ایک اجل کی نگاہ میں
نالے میں یاں اثر ہے نہ تاثیر آہ میں

دل میں اجل کے رحم کا مطلق پتا نہیں
کرتی کبھی کسی کی رعایت ذرا نہیں
اس کے لئے کہیں کوئی رقت کی جا نہیں
ٹل جائے ٹالنے سے جو یہ وہ بلا نہیں
برنا و طفل و پیر سب اس کے شکار ہیں
احباب ماتمی بدلِ سوگوار ہیں

گھر بھر رہا ہے ایک کماؤ ہے آدمی
بیوی جواں ہے پود ہے اطفال کی نئی
پیرانہ سال ماں ہے ضعیفی ہے باپ کی
بیوہ بہن کا ایک سہارا ہے بس یہی
اس شخص پر غضب ہے کہ برقِ اجل گرے
بجھ جائے دم زدن نہیں انسان کیا کرے

اب اور گھر کو لیجے کہ بچے ہیں خورد سال
ہے باپ وال قلیل معاش اور تنگ حال
ماں پہ ہے حصر ماں کو ہے ہر بات کا خیال
وہ مر گئی غضب ہُوا ہونا ہے کیا مآل

صاحبدلوں کے واسطے عبرت کی جا ہے یہ
دیکھو تو آنکھ کھول کے کیا ہو رہا ہے یہ

موے سفید ہوگئے جس وقت زیبِ سر
اُس چار سالہ طفل پہ شیدا ہے سارا گھر
حق نے دیا ہے لاکھ اُمنگوں سے اک پسر
منہ دیکھتے ہی رہتے ہیں بس مادر و پدر

وہ ہے مریض اور دوا میں اثر نہیں
ماں باپ پیٹتے ہیں کہ لختِ جگر نہیں

لڑکی ہے یا حسین کوئی ماں کی لاڈلی
صورت بھلی ہے ساتھ ہی سیرت بھی ہے بھلی
اور اُس کو پیار کرتے ہیں بھائی بھی باپ بھی
تجویز اسکے بیاہ کی درپیش تھی ابھی

ناگاہ آیا پیکِ اجل اُس کو لے گیا
ماتم میں اقربا ہیں کہ کیا داغ دے گیا

اخلاص یا کہ شوہر و زن میں کمال ہے
بس ایک دوسرے ہی کا اُن کو خیال ہے
مفتوں وہ اس پہ یہ اُس پہ آشفتہ حال ہے
ہے دورِ جامِ عیش کہ دوران سال ہے

افسوس یہ زمانِ خوشی دیرپا نہیں
وہ رو رہا ہے ایک رہا دوسرا نہیں

اپنا ہے یا کہ خاص کوئی یارِ غمگسار
ہوتا ہے جبکہ دل پہ ہجومِ الم کا بار
دیرینہ دوست اہلِ محبت وفاشعار
صحبت سے اُس کی پاتی ہے تسکین جانِ زار

اُس کی اجل و اپنی ہی آنکھوں کے سامنے
کیا کیجئے مگر نہ کچھ اپنا جو بس چلے

نوعمر و نوجواں ہے کوئی صاحبِ ذکا
محنت سے تین سال سے کالج میں پڑھ رہا
بس ایک سال اور ہے وہ ختم اب ہوا
باعلم کے لئے ہے ہر اک در کھلا پڑا

مرگِ پدر سے لیک وہ اب خستہ حال ہے

ہاں اے امیدِ خام ترا یہ مآل ہے

یا گھر پہ پڑھ کے آیا کوئی نوجوان ہے
خوش ہے وہ خود کہ مجھ پہ خدا مہربان ہے
دلشاد ہیں عزیز ہر اک کو گمان ہے
اس کا فروغ بہتر لئے خاندان ہے
پسر خاندان کی آنکھ ہے جس پر لگی ہوئی
ہے موت کی نگاہ بھی اِس پر لگی ہوئی

تصنیفِ اہلِ فضل ابھی ناتمام ہے
جوگی ہنوز اپنی ریاضت میں خام ہے
صناع کا اگرچہ ادھورا ہی کام ہے
شہرہ نہ گو کہ طالبِ شہرت کا عام ہے
کرتی نہیں کسی کا مگر موت انتظار
پورا ہو کام یا نہ ہو سب اس کے ہیں شکار

اسکو نہیں خیال کہ رقت کی جا ہے یہ
اسکو نہیں لحاظ کہ رحمت کی جا ہے یہ
پروا نہیں اسے کہ رعایت کی جا ہے یہ
یہ دیکھتی نہیں کہ مروت کی جا ہے یہ
میدان گاہ دہر میں اک قتلِ عام ہے
ہر ذی حیات کو یہ اجل کا پیام ہے

لڑکا تڑپ رہا ہے مرا باپ مر گیا
سر پیٹتا ہے باپ کہ لختِ جگر گیا
بیوی ہے نوحہ گر مرا شوہر کدھر گیا
خاوند رو رہا ہے اُجڑ ہائے گھر گیا
چاروں طرف سے نالہ و شور و بکا ہے یہ
دنیا کو میں سمجھتا ہوں ماتم سرا ہے یہ

دنیا فنا کا گھر ہے خدا اس کا ہے علیم
ہاں نوحہ گر پسر ہیں ماتم کناں یتیم
بیوہ کا دل ہے فرطِ الم سے اگر دونیم
خانہ خرابیوں سے ہیں احباب بھی الیم
دل میں اجل کے رحم ذرا بھی مگر نہیں
اس سے کبھی بچا کوئی فردِ بشر نہیں

ہے بادشاہِ ملک کہ درویشِ بینوا　　زردار ہے امیر کہ محتاج ہے گدا
یکساں ہیں انبیا سے یکساں ہیں اولیا　　کوئی رشی بچا ہے نہ کوئی منی بچا
اسکی صلائے عام یہ نزدیک و دور ہے
آیا ہے جو یہاں اُسے جانا ضرور ہے

جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے　　یہ پیرہن حیات کا اک روز چاک ہے
خوشدل ہے کوئی یا کوئی اندوہناک ہے　　پیکِ اجل ہے وہ کہ اسے سب کی تاک ہے
کوئی بچیگا اس سے نہ کوئی بچا کبھی
اس کارواں سرا میں نکوئی رہا کبھی

جب حال یہ ہے موت سے پھر کس لئے خطر　　بیجا تمام خوف ہے بیجا تمام ڈر
لازم ہے یہ کہ خوف کرے اس جگہ بشر　　اس خوف سے مفاد ہو یا دفع ہو ضرر
ٹلتی نہیں قضا کبھی خوف عظیم سے
پھر ہم کیجئے بھی تو کیا سود بیم سے

ٹلتے کبھی ٹلے نہیں شدنی ہیں جو امور　　بیجا ہے فکر و خوف کہ ہونگے وہ بالضرور
اس پر بھی فکر ہے تو ہے یہ فہم کا قصور　　اتنا تو سوچ حق نے دیا ہے تجھے شعور
جھوٹا تمام زیست کا یہ ساز و برگ ہے
دنیا میں کوئی چیز ہے برحق تو مرگ ہے

برحق ہے ایک موت ہی اِس کارگاہ میں　　مرنا ہے ایک دن یہ ہے سبکی نگاہ میں
انساں ہو حال خوش میں کہ حالِ تباہ میں　　چلنا ہے یاں سے کوئی نہیں اشتباہ میں
یاں گر ہے کوئی امرِ یقینی تو موت ہے
جو جو ہے ذی حیات وہ اک روز فوت ہے

باقی ہر ایک شے کی ہے موہوم کائنات　　جس جس پہ غور کیجئے وہ ہے محض بے ثبات

حیرت ہے مجھ کو نام ہے کس چیز کا حیات
جو آج ہے وہ پاؤ گے کل خواب کی سی بات

عبرت کی جا یہ کارگہِ اعتبار ہے
کس کو یہاں ثبات و قیام و قرار ہے

صحت کا اعتبار نہ دولت کا اعتبار
منصب پہ کچھ ہے حصر نہ عزت پہ کچھ مدار
شہرت کو ہے قیام نہ اولاد کو قرار
ہر حالِ خوش ہے یاں متبدل بحالِ زار

صورت ہر ایک شے کی بدلتی ہے اس طرح
سوتے میں دیکھتا ہے کوئی خواب جس طرح

تبدیلیاں ہیں اپنی ہی حالت میں صد عیاں
چہرے پہ اب ہیں عالمِ پیری کی جھریاں
باقی نہیں ہے پہلی امنگوں کا کچھ نشاں
وہ طفلی و شباب و جوانی گئی کہاں

جو کل تھی آج خواب کی سی بات ہوگئی
بس دم کے دم میں ختم کرامات ہوگئی

ہوش و حواس ہمرۂ فہم و ذکا گئے
طغیان و جوشِ طبع نہ ٹھیرے ذرا گئے
جن جن پہ تھا خیال کہ ہیں دیرپا گئے
دندان و چشم و گوش گئے سب قویٰ گئے

گزری مگر یہ دہر سرِ رہگذار ہے
کس کو یہاں قیام ہے کس کو قرار ہے

آنکھوں کے سامنے سے وہ احباب اُٹھ گئے
پہلے تھے جو بزرگ وہ باقی نہیں رہے
کچھ آگے جا چکے ہیں تو پیچھے ہیں کچھ چلے
بدلے ہیں رنگ دہر نے کیا کیا نئے نئے

ہر خویش و اقربا و یگانہ بدل گیا
ہم دیکھتے رہے کہ زمانہ بدل گیا

ہستی ہر ایک شے کی بسانِ حباب ہے
انساں کی زندگی نہیں موجِ سراب ہے
دم بھر میں حال خوش ہے کہ حالِ خراب ہے
گویا تمام ہستیٔ موہوم خواب ہے

اس خواب سے کھلی نہیں لیکن کسی کی آنکھ
جب تک کہ بند ہو نہ گئی آدمی کی آنکھ

تیری بھی آنکھ مہر کھلی یا ابھی نہیں
بیجا ہے خوف خوف سے یاں مخلصی نہیں
یہ یاد رکھ کہ موت تجھے نخشتی نہیں
بس ایک خواب اُس کو سمجھ زندگی نہیں

جس طرح صورتوں کو نہیں خواب میں قیام
یہ صورتِ حیات بھی بدلے گی لاکلام

بیدار جیسے خواب سے ہوتا ہے آدمی
بیدار ہو کے خواب کا عالم ہے یاد ہی
اُس کے لئے ہے عالمِ رویا گزشتنی
اور اُس میں جاگنے کا نہیں ہے خیال بھی

یہ موت بھی اسی طرح تبدیل حال ہے
بے سود فکر و خوف کا سارا خیال ہے

ہے موت ایک امر طبیعی نہ کر خطر
جو اس ثمر میں بیج ہیں ہیں بالقوے شجر
جھک کر زمیں پہ گرتا ہے پک کر ہرا ثمر
اسباب پا کے ہونگے درختان بارور

یوں بیج ہے درخت سے اور بیج سے درخت
اک سلسلہ ہے لا متناہی یہ اور سخت

تخمِ عمل جو بوئے ہیں پھل اپنا لائینگے
دنیا میں رہ کے جو غمِ دنیا ہی کھائینگے
یہ یاد رکھ نہ وہ کبھی بیکار جائینگے
وہ لوٹ لوٹ کر اسی دنیا میں آئینگے

نکلینگے وہ نہ کارگہ ساز و برگ سے
اُن کو نہیں نجات کبھی زیست و مرگ سے

کوشش یہ کر درخت ہوس کو نہ ہو نمو
گر کھل بھی جائیں تو نہ ہو کچھ ان میں رنگ و بو
گر ہو بھی تو کھلیں نہیں گلہائے آرزو
پھر خوف مرگ سے کبھی خائف نہ ہوگا تو

ہے بیج سے درخت مگر بیج جب نہیں

پھر کوئی بھی نموئے شجر کا سبب نہیں

مرتا ہے جسم مرتے ہیں سب عارضی قوے
مرتا ہے نفس مادّہ مرتا ہے وہم کا
ناظر ہے تو تبدل منظر سے تجھ کو کیا
اے مہر یاد رکھ تجھے ہرگز نہیں فنا

دلشاد رکھ کہ ذات تری لایزال ہے
تو اور خوف مرگ بھلا کیا خیال ہے

حبِّ وطن

دیکھا ہے مہر میں نے دنیا کا کارخانہ
سیر و سفر کیا ہے چھانا ہے سب زمانہ
اپنے وطن سے بہتر کوئی نہیں ٹھکانا
خار وطن کو گل سے خوشتر ہے سب نے مانا

اہل وطن سے پوچھو تم خوبیاں وطن کی
بلبل ہی جانتی ہے آزادیاں چمن کی

کھاؤ ہوا وطن کی کچھ اور ہی مزا ہے
پانی پیو وطن کا امرت سے بھی سوا ہے
خاک وطن نہ کہئے اکسیر و کیمیا ہے
رتبہ تری زمیں کا کچھ اے وطن جدا ہے

جو شے غرض یہاں ہے دنیا سے ہے نرالی
نام وطن نے اسمیں تازہ ہے جان ڈالی

باغوں میں پھر کے دیکھو کچھ اور ہی ہے نزہت
کھیتوں سے یاں کے آتی ہے آنکھ میں طراوت
رکھتے ہیں یاں کے دریا کچھ اور ہی لطافت
یاں کے پہاڑ میں ہے عرش بریں کی رفعت

دنیا میں پھر کے دیکھا ہرگز کہیں نہیں ہے
باغ بہشت کہئے یاں کی زمیں نہیں ہے

بنے ہوئے ہیں وطن کی کچھ اور نور تاباں
انوار کی تجلی بجلی سے ہے نمایاں
اور چاندنی یہاں کی چاندی سی ہے درخشاں
رحمت کی وہ جھڑی ہے کہتے ہیں اسکو باراں

مثلِ ضمیرِ روشن مطلع کی ہے صفائی
دل میں اُٹھیں امنگیں جس دم گھٹا گھر آئی

دیکھے یہاں کے انساں اکثر فرشتہ خو ہیں
دیکھتے یہاں کے حیواں کچھ اور خو و بو ہیں
سب عورتیں حسیں ہیں سب مرد خوبرو ہیں
اور طائروں کو دیکھو تو کیا ہی خوش گلو ہیں

انسان اور حیواں یوں تو ہیں دیکھے بھالے
لیکن یہاں ہیں سب کے انداز کچھ نرالے

ہر قطعۂ زمیں سے وابستہ ہے کہانی
ملتی جگہ جگہ ہے طفلی کی یاں نشانی
کہتا ہے چپہ چپہ روداد باستانی
منظر بہت ہیں ایسے گزری جہاں جوانی

کیونکر جگہ وطن کی دل میں نہ ہو ہمارے
جو دن ہمیں تھے پیارے گزرے یہاں وہ سارے

جوہر وطن میں آکر کھلتا ہے آدمی کا
یاں آدمی نہیں وہ ہے باپ یا کہ بیٹا
جب تھا وطن سے باہر بیشک وہ آدمی تھا
کہتا ہے کوئی بھائی کوئی اُسے بھتیجا

یاں گوش زد ہیں ہر سو الفت بھری صدائیں
باہر وطن سے ہرگز جو کان میں نہ آئیں

ہے ہم کو جان و دل سے اپنا وطن پیارا
کہتے ہیں ہم وطن کو آنکھوں کا اپنی تارا
اچھا وہ دن ہے اسکی خدمت میں جو گذارا
وہ جان ہے ہماری ایمان ہے ہمارا

ہاں مہر یہ سخن ہے دنیا میں سب نے مانا
اپنے وطن سے بہتر کوئی نہیں ٹھکانا

نیرنگئ خیال

طلسم خانۂ امکاں ہے کارگاہِ خیال
خیال ہی کا بچھا ہے جہاتِ ستّہ میں جال
خیال ہی سے ہے دنیائے دوں کو استقلال
خیال ہی ہے معاد اور خیال ہی ہے مآل

غرض خیال کا دنیا میں کارخانہ ہے
خیال باعثِ نیرنگئ زمانہ ہے

خیال وہ ہے کہ اُس کو کہا ہے سرِّ خفی
خیال وہ ہے حقیقت نہیں کھلی جس کی
خیال ہی سے ہے وابستہ سب بدی نیکی
خیال ہی ہے طلسمات دہر کی کُنجی

جہاں میں جلوہ جدھر دیکھئے خیال کا ہے
کہیں جمال کا ہے اور کہیں جلال کا ہے

خیال ہی سے ہے معمورۂ زمیں معمور
خیال پہنچا ہے افلاک سے بھی کوسوں دور
غرض خیال کا کُل کائنات میں ہے ظہور
زماں میں اور مکاں میں خیال ہے بھرپور

جہاں نگاہ کرو بس نظر یہ آتا ہے
خیال ہی ہے کہ چکّر پڑا لگاتا ہے

جہاں میں بھیجتے ہیں لے خیال تجھ کو ہم
ہمیں ہیں تیرے محرک ہمیں خدا کی قسم
ہمیں نے کی ہے تری شکل نام سے توام
ہمیں نے تیرے پروبال سب کئے ہیں بہم

نہیں ہے شکل تری ہم نے شکل دی تجھ کو
ہمیں سے نام کی عزت عطا ہوئی تجھ کو

ہمیں سے ہے تری تحریک یہ روانی کی
ہمیں سے طاقت و قوت ہے رازدانی کی
ہمیں نے دی تجھے توفیق حکمرانی کی
ہمیں سے پائی زباں تو نے بیزبانی کی

ہمارے دل سے نکل کر جہاں میں تو پھیلا
نکالا ہم نے تو کون و مکاں میں تو پھیلا

نہیں ہے یہ ترا پھیلاؤ بحر ہے ذخار
کہ ڈھونڈنے سے بھی ملتا نہیں ہے اسکا کنار
نہ دیکھا دیدۂ بینا نے وار کیا اور پار
یہ وہ ندی ہے کہ لا انتہا ہے اسکی دھار

نہ پوچھو ہم سے کہ تجھ کو کہاں کہاں پایا
جہاں نظر کی رسائی ہوئی وہاں پایا

رواں ہیں چار طرف موجہائے بے پایاں
جدھر نگاہ کرو بس خیال ہی ہے رواں
ہوا میں لیتے ہیں جسطرح سانس سب حیواں
اسی طرح ہیں خیالات ہر جگہ پنہاں

ہوا کی موج میں لیکن بہت کثافت ہے
خیال کی سی نصیب اسکو کب لطافت ہے

لطیف چیز ہیں ہوتی ہے سحر کی تاثیر
اثر سے گو متاثر جوان ہیں اور پیر
مگر خبر نہیں آ کر لگا کہاں سے تیر
کھلا نہ راز ہمیں کس نے کر دیا تسخیر

یہی خیال کی موجوں کا ہے اثر اے دوست
اگرچہ تجھ کو نہیں اسکی کچھ خبر اے دوست

کسی کو یاد جو کرتے ہیں ہم محبت سے
تو دیکھتا ہے ہمیں بھی وہ چشم الفت سے
بجائے اسکے جو دیکھیں کسی کو نفرت سے
پلٹ کے دیکھیگا وہ بھی ہمیں عداوت سے

تمام الفت و نفرت خیال کا ہے اثر
ذرا نگاہ کرو کس کمال کا ہے اثر

اگر یہ چاہو کہ نیکی ہی کوئی شخص کرے
بدی نہ اس سے ہو سرزد برائیوں سے بچے
تو اسکی سمت خیالات بھیجو نیکی کے
وہ اسکو نیک بنائینگے پر بنائینگے

خیال کرتا ہے تعلیم جا کے روحانی

خیال روکتا ہے جذبہائے شیطانی

ہماری بہتری و برتری کا دار و مدار
یہی خیال ہمارے دلوں میں ہو ہر بار
فقط ہمارے خیالات پر ہے اے ہشیار
کہ ہم ہیں بہتر و برتر کسی سے کیا سروکار

اسی خیالِ ترقی میں ہے ترقی بھی
اسی خیال میں معراج ہے بھلائی کی

سمجھ رہے ہو جسے تم نوشتۂ تقدیر
وہ بس تمہارے خیالات ہی کی ہے تاثیر
سمجھ رہے ہو جبیں کی جسے اٹل تحریر
اور اسکے دفع کی اے دوستو یہ ہے تدبیر

نکالو اپنے دلوں سے خیالِ پست ہر ایک
کرو خیال وہی جو تمہیں بنائیں نیک

بجا کہا ہے کہ پتلا ہے خاک کا انساں
زمین پر پڑا رہتا ہے قالبِ بیجاں
یہاں سے چلنے کا جس وقت ہو گیا ساماں
سپردِ خاک ہو یا نذرِ آتشِ سوزاں

غرضکہ مرتی ہے جو شے وہ جسم فانی ہے
یہ چیز وہ ہے کہ آنی ہے اور جانی ہے

خیالِ دل پہ جو حاوی تھے زندگانی میں
وہ بعدِ مرگِ بدن بھی جہانِ فانی میں
طفولیت میں کہ پیری میں یا جوانی میں
اسی طرح سے رہا کرتے ہیں روانی میں

نشان رہتے ہیں یاں یوں خیال کے باقی
کہ جیسے ریگ پہ نقشِ قدم رہے باقی

یہ سنگِ میل ہیں اور ان سے رہروانِ سبیل
یہ راہ گیروں کے حق میں ہیں خضر کی تمثیل
نشانِ راہ کو پاتے رہے ہیں صبح رحیل
برائے گم شدگاں راہ بے نشاں کی دلیل

اثر سے سب متاثر انہیں کے ہوتے ہیں
کوئی تو ہنستے ہیں دنیا میں کوئی روتے ہیں

اثر خیال کا جب اسطرح ہے عالم گیر
اثر میں اُس کے ہے جب ایسی سحر کی تاثیر

تو نیز افرضِ اہم اے جوان اورے پیر
یہی ہے بہرِ رفاہ و فلاح جسمِ غفیر

خیالِ بد نہ طبیعت میں زینہار آئیں
خیالِ نیک ہی جب آئیں بار بار آئیں

شمیم گل کی طرح دلفزا و جاں پرور
خیالِ نیک کا ہوتا ہے آدمی پہ اثر

خیال نیک سے بنتے ہیں نیک جنّ و بشر
خیالِ نیک سے تو بھی بنیگا نیکوتر

خیال ایسے طبیعت میں تیری پائیں نمو
چمن میں جیسے جھکتے ہوئے گلِ خوشبو

بتا مجھے کوئی مردِ خدا بھی تجھ سے ملا
بتا مجھے کہیں ست سنگ میں کبھی تو گیا

وہاں تو جاکے گھڑی دو گھڑی کبھی بیٹھا
وہاں کی کھائی گھڑی دو گھڑی بھی تو نے ہوا

ہوائے صحبت نیکاں ہے خوشگوار اسطرح
نسیمِ خلد کے جھونکے ہوں دلفزا جسطرح

وہاں جو بیٹھو طبیعت قرار پاتی ہے
وہاں جو بیٹھو کلی دل کی کھل ہی جاتی ہے

وہاں طمانیت طبع منہ دکھاتی ہے
وہاں سکون سا اور شانتی سی آتی ہے

طمانیت ہے وہاں شانتی ہے اور سکوں
فقط خیال کی تاثیر کا ہے یہ افسوں

خیال ہوتے ہیں ست سنگ میں بھلائی کے
خیال ہوتے ہیں زہد اور پارسائی کے

خیال یاں ہیں نکوئی کے اور صفائی کے
یہ وہ جگہ ہے کہ پر جلتے ہیں بُرائی کے

انہیں خیالوں کے رنگوں سے ہے رنگا جاتا
جو بھولا بھٹکا کوئی اسجگہ ہے آجاتا

اسی طرح ہوں خیالات سب کے نیک اگر
تو یہ جہاں ہو خوشی اور خرّمی کا گھر

غم و الم کہیں ڈھونڈھے بھی یاں نہ آئے نظر — سرور و سور میں ہو زندگی ہر اک کی بسر

زمیں بہشت بریں کی مثال بن جائے
ہر ایک شخص فرشتہ خصال بن جائے

وہ دن بھی آئینگے جب سب زمانہ بدلیگا — نظامِ دہر کا سب کارخانہ بدلیگا
خیالِ باطل و بیہودانہ بدلیگا — عقیدہ آج کا سب غافلانہ بدلیگا

جہانِ ستہ بہ نیکی ہی رخ دکھائیگی
بدی جہان میں ڈھونڈھے بھی نظر نہ آئیگی

زمانہ آج منتظر ہے وہ نہیں کچھ دور — اگر اسکو دور سمجھتے ہو فہم کا ہے قصور
خیال صاف رکھو دل میں اور پاک و غیور — انہیں سے چمکیگا سینے میں معرفت کا نور

کبھی خدا سے نہیں ہے کسی کو کچھ دوری
فقط خیال کے باعث ہے ہجر و مہجوری

نہ بھول پھر کہ دنیا ہے کارگاہِ خیال — ترے خیال کا چاروں طرف بچھا ہے جال
لگایا آپ ہی تو نے ہے اپنی جان کو وبال — تجھے خیال ہے کیا چھوڑ بھی یہ سب جنجال

خیال کر کہ تجھی میں ہے کائنات مقیم
خیال کر کہ ہے تیری ہی ذاتِ پاک قدیم

حمد الٰہی

برسات کا ہے موسم جگنو چمک رہے ہیں — تاروں سے کہ آسماں پر ہر سو دمک رہے ہیں
کلیاں چٹک رہی ہیں گلشن مہک رہے ہیں — کوئل کی ہیں صدائیں بلبل چہک رہے ہیں

سب میں ہے نور تیرا سب میں ضیا ہے تیری
سب کی زباں پہ یارب حمد و ثنا ہے تیری

تونے زمیں بنائی تونے زماں بنایا
تونے ہی چاند سورج اور آسماں بنایا
خود لامکاں ہو کر تونے مکاں بنایا
ان پر ہی حصر کیا ہے سارا جہاں بنایا

سب میں ہے نور تیرا سب میں ضیا ہے تیری
سب کی زباں پہ یارب حمد و ثنا ہے تیری

پانی کے بلبلے میں صنعت تری نہاں ہے
ظاہر ہمالیہ سے تیری ہی عز و شاں ہے
اور بحرِ بیکراں سے قدرت تری عیاں ہے
رائی کا دانہ دانہ اس طرح تر زباں ہے

سب میں ہے نور تیرا سب میں ضیا ہے تیری
سب کی زباں پہ یارب حمد و ثنا ہے تیری

شیروں کی شیر مردی جلوہ ترا جلالی
تحت الثریٰ سے لیکر تا سقفِ چرخِ عالی
عارف کا قلب صافی صورت تری جمالی
دیکھی ہے میں نے ہر جا تیری ادا نرالی

سب میں ہے نور تیرا سب میں ضیا ہے تیری
سب کی زباں پہ یارب حمد و ثنا ہے تیری

ہے قلۂ جبل کی تو شاہ رگ میں پانی
تو بحر میں ہے موتی کانوں میں لعل کانی
میدان میں اتر کر دریا کی ہے روانی
ڈھونڈے ہے غرض کہاں تک کوئی تری نشانی

سب میں ہے نور تیرا سب میں ضیا ہے تیری
سب کی زباں پہ یارب حمد و ثنا ہے تیری

پھولوں میں رنگ تیرا کلیوں میں تیری بو ہے
ہر اک شجر کی جڑ میں تو قوت نمو ہے
نکہت ہے تو صبا کی بلبل کا تو گلو ہے
کیسی فضا ہے گلشن واللہ تو ہی تو ہے

سب میں ہے نور تیرا سب میں ضیا ہے تیری

سب کی زباں پہ یارب حمد و ثنا ہے تیری

انساں کا نطق تو ہے دل تیری جا ہے یارب
کہتے ہیں سُرح جس کو تیری رضا ہے یارب
ہردم کی آمد و شد تیری ہوا ہے یارب
ہر اک اسی لئے تو یہ کہہ رہا ہے یارب

سب میں ہے نور تیرا سب میں ضیا ہے تیری
سب کی زباں پہ یارب حمد و ثنا ہے تیری

یہ کائنات کیا ہے تو ہی تو رونما ہے
جو یہ کہے غلط ہے دنیا سے تو جدا ہے
دیکھا ہے میں نے ہر جا جلوہ فقط ترا ہے
یاں روم روم میں بس تو ہی رما ہوا ہے

سب میں ہے نور تیرا سب میں ضیا ہے تیری
سب کی زباں پہ یارب حمد و ثنا ہے تیری

دھیانی کے دل میں ہردم رہتا ہے دھیان تیرا
دانی کا ہاتھ تو ہے اسمیں ہے دان تیرا
گیانی کے من کو دیکھا اسمیں ہے گیان تیرا
ہر اک مکیں میں تو ہے ہر اک مکان تیرا

سب میں ہے نور تیرا سب میں ضیا ہے تیری
سب کی زباں پہ یارب حمد و ثنا ہے تیری

پنڈت کی پوتھیوں کا تو راز محقق ہے
شاعر کے شعر تر میں تیری ہی شاعری ہے
سر خفئ صوفی تیری فسوں گری ہے
ناثر کی نثر خوشتر تیری لکھی ہوتی ہے

سب میں ہے نور تیرا سب میں ضیا ہے تیری
سب کی زباں پہ یارب حمد و ثنا ہے تیری

جلوے کئے دکھانے ہیں اسطرح سے آتے
تسبیح خواں ہیں طائر صبح و مسا ہیں گاتے
تیرے ہی رنگ ہر جا نیرنگ ہیں دکھاتے
گا گا کے آدمی کو گویا ہیں یہ سناتے

سب میں ہے نور تیرا سب میں ضیا ہے تیری
سب کی زباں پہ یارب حمد و ثنا ہے تیری

نام و صور کا بر قع رُخ سے ذرا ہٹا دے
محرم سے کیا ہے پردہ پردے کو تو اُٹھا دے

ہے مہر تیرا شیدا جلوہ اسے دکھا دے
پھر وہ فقیر تیرا ہر دم یہی صدا دے

سب میں ہے نور تیرا سب میں ضیا ہے تیری
سب کی زباں پہ یا رب حمد و ثنا ہے تیری

مبارکباد

یہ نظم کائستھ سلف امپرومنٹ سوسائٹی دہلی کے جلسۂ سالانہ منعقدۂ دسمبر سنہ ۱۸۹۶ء میں پڑھی گئی تھی۔

جو بالعموم بڑے دن کے دو تین روز بعد ہوا کرتا ہے

مبارک تجھ کو اے سوسائٹی یہ بزم آرائی
مبارک ممبرو کل سال کی تکلیف فرمائی

مبارک میہمانوں آپکی یہ قدر افزائی
مبارک مہر کی سب صاحبونکو خامہ فرسائی

مبارک پھر مبارک پھر مبارک آج کا دن ہے
بڑا دن ہو چکا لیکن ہمیں تو یہ بڑا دن ہے

مبارک سال وہ جسکا کہ یہ آخر مہینہ ہے
مبارک ماہ وہ جس ماہ کا یہ روز حصہ ہے

مبارک روز وہ جس روز یہ سالانہ جلسہ ہے
مبارک یہ گھڑی جسکو کہ خوش بختی نے لکھا ہے

خوشی اتنی بڑھی ہے آج کب دل میں سماتی ہے
مبارکباد بن کر زباں سے نکلی آتی ہے

بزرگوں کو مبارک نوجوانوں کی ترقی ہو
مبارک نوجوانونکو بزرگونکی بزرگی ہو

جو ہیں خورد اُن کو دونوں کی مبارک سرپرستی ہو
مبارک آج کے دنکی خوشی یہ سب کو سب کی ہو

خوشی وہ آج ہے پھولے نہیں سماتے ہیں
نہیں جامے سے تو کوڑوں سے اپنے نکلے جاتے ہیں

جہاں میں قاعدہ یہ ہے کہ دہقاں بیج بوتا ہے
نہ فرصت انکو ملتی ہے اور نہ وہ آرام سوتا ہے
اور اسکے فکر میں وہ عیش و آرام اپنا کھوتا ہے
نتیجہ سال بھر محنت کا آخر کو یہ ہوتا ہے

کہ اسکو فصل پر ایک ایک کے لاکھوں بیج پڑ جاتے
یہ سچ ہی جانتا ہیں محنتی محنت کا پھل پاتے

یہی تمثیل اس جا پر بھی صادق آج ہے آتی
یہاں فصلیں ہوا کرتی ہیں اصلاح و ترقی کی
نہیں سوسائٹی اپنی امید کی ہے یہ کھیتی
بہت سی کٹ چکی ہیں اور بہت سی کاٹی جائینگی

یہ وہ ایام ہیں خرمن یہاں کھلتے جاتے ہیں
کہ یہ محنت کے پھل ہیں دیکھئے کیا دام پاتے ہیں

یہاں جو جیسا بوئے گا پوچھئے ہو فائدہ اس کا
خریدا روپیہ مال ہاتھوں ہاتھ بکے جاتا
بتا دوں نیکنامی کہ جہاں آسائش عقبے
تمہارا یاں سے خالی ہاتھ گھر جانا نہیں اچھا

کہینگے اقربا تم سے بڑے تیرتھ سے آئے ہو
بھلا یہ تو بتاؤ واں سے کیا کیا ساتھ لائے ہو

کہو سوسائٹی سے لائے ہم وہ چیز اپنے گھر
غرض ہیکی ہے جو دولت امیروں کا ہے جو زیور
نہ جسکو چور کا کھٹکا نہ جسکو رہزنوں کا ڈر
کیا کرتے ہیں اہل عقل صیقل عقل کو جس پہ

خدا جس چیز سے ملتا ہے ہم وہ چیز لائے ہیں
وہ کیا ہے شوق علم و فضل جو گھر لیکے آئے ہیں

کہو خرمن خریدا ہمنے واں عالی خیالوں کا
طریقہ اس سے ہم حاصل کرینگے خوش خصالوں کا
ذخیرہ بھر لیا ہے سوشیل مارل مثالوں کا
چلن سیکھینگے اس سے علم و عقل و خلق والوں کا

خیال نیک یوں بھر بھر کے ہم لائے ہیں داماں میں

گلوں سے بھر کے دامن جس طرح گلچیں گلستاں میں

کہو لائے ہیں ہم تحریر اور تقریر کی طاقت
مگر تحریر وہ پڑھکر جسے خاطر کو ہو فرحت
کہ جو سوچیں اسے ظاہر بھی کر سکنے کی ہو عادت
نہ دُکھے دل کسی کا ایسی ہو تقریر کی رنگت

مزا تحریر اور تقریر کا اُس وقت آتا ہے
کہ اُس کو خویش و بیگانہ ہر اک شیریں بتاتا ہے

کہو دو اُن سے خیال و قول ہی نے کر نہیں آئے
فقط باتوں ہی باتوں سے بھلا کس نے ہیں پھل پائے
کچھ اِن سے اور بڑھکی عبث بھی ہیں جتا لائے ہم
مزا باتوں کا جب ہے آدمی کچھ کر کے دکھلائے

یہی ہیں مردیاں سب دم انہیں کا بھرتے ہیں
کہ جو کچھ مُنہ سے کہتے ہیں وہی ہاتھوں سے کرتے ہیں

کہو اُن کو کہ سچ سوسائٹی سے لیکے آئے ہم
بُرا کہنے پہ لوگوں کے ذرا ہم کان دینگے کم
نہیں ٹلنے کے ہم حق بات سے جب تک ہے دم میں دم
ہماری جان بھی جائے تو ہمکو کچھ نہ ہوگا غم

بھروسا حق پہ ہے اور ہمت مردانہ رکھتے ہیں
نہیں کس کا ہے ڈر ہم طبع بے باکانہ رکھتے ہیں

کہو اُن سے ہم نے اصلاح کا بیڑا اٹھایا ہے
سبق قومی ترقی کا بہت اچھا پڑھایا ہے
رفاہِ قوم میں سب اپنا تن من دھن لگایا ہے
فلاحِ قوم کا رستہ ک. دمہ کو دکھایا ہے

یہی رستہ ہمارا ہے اسی رستے چلینگے ہم
اور اپنی پائمردی سے نہیں تل بھر ہٹینگے ہم

کہو اخلاق کی سوسائٹی میں نہر جاری ہے
یہ لیجے راستی ہے اور یہ ایمانداری ہے
لئے کچھ ہم نے موتی واں سے اُن سے جیب بھاری ہے
یہ میٹھا بولنا ہے اور یہ الفت شعاری ہے

چمک ان موتیوں کی روزمرہ بڑھتی جاتی ہے
انہیں تم جتنا پہنو اور اُن میں آب آتی ہے

کہو سوسائٹی میں اک طرف تھا وہ ترم کا گلشن
عجب ہے رنگ بو اُسکی عجب ہے روپ اور جوبن

وہانسے پھول توڑے ہم نے اور اُن سے بھرا دامن
ثمر بھی اور بہار اور تتو گیاں اور مو کش کا ساوحن

یہ ایسے پھول ہیں جو اپنی پگڑی میں لگا لائے
تو وہ جس گھر میں بیٹھے گھر کا گھر سارا مہک جائے

کہو کا ہیجہ ہیں ہم آئے ہیں قومی خاصہ لیکر
بزرگوں نے اُٹھایا تھا دوشالہ گیت کے اوپر

اسی قومی خصوصیت سے ہو معمور اپنا گھر
ہماری جیب میں بھی ہو بزرگوں کا وہی جوہر

بتا دوں تجھ کو میں اے قوم وہ جوہر ترا کیا ہے
مثل ہے اتفاق قوم حصہ کا یتھوں کا ہے

کہو اپنے لئے بھی اس سے ہم لائے نہیں دولت
بزرگو یہ ادب ہے آپ کا خوردو یہ لو شفقت

ہر اک کیواسطے لائے ہیں سوغاتوں کی تھی کثرت
تمہارے واسطے اے بھائیو لائے ہیں یہ الفت

جو ہیں اہل محلہ ان کو بھی اور بھائی بندوں کو
یہ گٹھڑی بھائی جارے کی رکھی ہے سبکو بھجوا دو

یہ تحفے ہے تمہارے اقربا پوچھینگے پھر تم سے
تو کہدینا بہت اشعار تر اسنے سُنائے تھے

کہ ہر سوسائٹی میں گھر بھی تو سے اُس کیا لائے
رہا ہے ایک یاد انمیں سے لیجے اُس کو سُن لیجے

مدد حق اُنکی کرتا ہے مدد جو اپنی کرتے ہیں
مدد جو اپنی کرتے ہیں دم اُن کا ہم تو بھرتے ہیں

مُسبّعات

دُنیائے دل

دل انساں ہے وہ اے مہر عجائب خانہ
ایسا دیکھا نہیں دنیا میں کوئی کاشانہ
ساحتِ عرصۂ محشر ہے نہیں وسعتِ دل
اُسکو ماپے وہ مساحت میں نہیں پیمانہ
اسمیں سامان جو ہیں لامتناہی ہیں وہ
دیکھتے دیکھتے ہو جائے بشر دیوانہ
ایسی حیرت ہو کہ بیہوش ہو بے تابانہ

حکما کہتے ہیں دل کو کہ ہے دنیائے صغیر
قول اُن کا ہے غلط ہے یہی دنیائے کبیر
نہیں دنیائے کبیرہ میں یہ نیرنگ طلسم
جن کی دیکھی ہی نہیں دیدۂ بینا نے نظیر
یاں گذرتی ہیں نظر سے وہ عجائب چیزیں
فرط حیرت سے بنے دیکھنے والا تصویر
اور تصویر وہ دیکھا کرے بس چشم بصیرا

موجزن دل میں رہا کرتا ہے دریائے خیال
جام جمشید کی مانند ہے اُس کا یہ حال
منعکس ہوتے ہیں اشجار و گلستان و چمن
منعکس ہوتے ہیں صحرا و بیابان و جبال
شہر آباد یہاں ایسے کہ ہیں مردم خیز
اور ویرانے بھی ایسے کہ دل و جاں کو وبال
غرض آتی ہے نظر قدرتِ ربِّ متعال

ہفت افلاک سے ہے چرخ بریں یاں کا جدا
مہر تاباں ہے جدا ماہ مبیں یاں کا جدا
ابر آتا ہے یہاں برق چمکتی ہے یہاں
لیک دونوں کا ہے انداز متیں یاں کا جدا

یاں ستارے بھی درخشاں ہیں بہت نورنگن — ہے مگر نور نہایت ہی حسین یاں کا جدا
آسماں بھی ہے غرض مثل زمیں یاں کا جدا

جگمگیاں کچھ نظر آتے ہیں کہ نورانی ہیں — نقش کچھ ایسے کہ گر دیکھو تو ظلمانی ہیں
صورتیں یاں نظر آتی ہیں طلسماتی سی — اُن کے انداز ہیں باعث حیرانی ہیں
ہاں صدائیں بھی سنی جاتی ہیں اکثر ایسی — کہ سنے کوئی تو کہہ دے کہ پرستانی ہیں
یا کہ وہ نغمۂ یزدانی و رحمانی ہیں

دل نہ گھبرائے اسے ہے قدرت ربّ الاکبر — نہ فلو عالم اکبر ہے نہیں یہ اصغر
یہیں کونین کی ہے جلوہ نمائی ساری — ہے یہی دونوں جہانوں کا یہاں صورت گر
اس سے ہے عالم مثال کی [illegible] — [illegible] احمد جس سے [illegible]
جلوہ گر [illegible]

آسماں پر نہیں فردوس [illegible] — کوئی شے ہے جو موجود نہیں ایسا ہے
یاں فرشتوں کا ہوا کرتا ہے اکثر گشت — [illegible] سایۂ طوبےٰ سے زمیں اس جا ہے
حور و غلماں کے یہاں [illegible] — ایک سے ایک بہت [illegible] حسیں ایسا ہے
جو [illegible] ہو غرض ہم نے [illegible] ہے

جس کو کہتے ہیں جہنم وہ یہیں اور یہیں — اُس کے ہر طبقے کو گر دیکھو تو [illegible] ہیں
وہ یہیں ملتی ہے گر دیدۂ بینا دیکھے — کرۂ نار کی مانند جو تپتی ہے زمیں
روح فرسا جو سنے جاتے ہیں دوزخ کے عذاب — جن کے سننے سے کبھی انسان ہو مغموم و حزیں
اُن سے ہوتی ہے غضب تو یہیں جانِ حزیں

مطمئن ہے دل انسان تو ہے گلزار جناں — فرط حیرت سے ہو تصویر جو دیکھے غول
جو شجر ہے یہاں وہ بس شجر طوبےٰ ہے — جو ہے صورت یہاں وہ صورت حور و غلماں
نہر ہے راحت و آرام کی ہر دم جاری — بادِ تسکین و سکوں بہتی ہے ہر وقت وزاں

وہ سماں ہے کہ نہ فردوس بریں میں ہو سماں

مضطرب ہے دل انساں تو ہے دوزخ کی نار — کہ جسے دیکھ کے یاد آئے خدائے غفار
حسد و رشک و ندامت کی کہیں ہے جو دل — یا کہ جو غیظ و غضب اور ملامت کا شکار
یا کہ جس دل میں اٹھا کرتے ہیں ایسے جذبات — کہ دبائے نہ دبیں شعلۂ جوّالہ وار

نہیں دوزخ تو بتا کیا ہے وہ دل اے ہشیار

پھر تو نے بھی کچھ اس دل کا تماشا دیکھا — پوچھ مت مجھ سے کہ میں نے یہاں کیا کیا دیکھا
دیکھنے کو تو ہیں یاں قوس قزح کے نیرنگ — دیکھے یہ جس نے نہ کچھ اس نے اچھا دیکھا
دیکھنے والا ہے وہ جس نے کہ اپنے دل کو — نہ فقط قدرت اللہ کا جلوہ دیکھا

بلکہ اس آئینے میں نور خدا کا دیکھا

خدا کہاں ہے

خدا کہاں ہے شہنشاہ چرخ سے پوچھو — وہ جس کا نام زمانے میں مہر تاباں ہے
جو آپ کرتا ہے گشت اپنے ملک میں ہر روز — کہ اہل ملک ہیں خوش اور ہر ایک شاداں ہے
نظر کی تاب نہیں تو رخ پر اس کے تجھے — مگر وہ نور ہر اک ذی حیات کی جاں ہے

ہر ایک چیز کی نشو و نما کا ساماں ہے

خدا کہاں ہے سپہدار چرخ سے پوچھو — وہ کون نام ہے مشہور جس کا ماہ مبیں
سواد لشکر شب کا سراغ جو پا کر — سپاہ اپنی نکالتا ہے لیکے باآئیں
شکست دیتا ہے ظلمت کو اور کرتا ہے — جہاں کو نور منور سے اپنے نور آگیں

وہ نور بنتی ہے جس سے ہر ایک چیز حسیں

خدا کہاں ہے تم انجم کی فوج سے پوچھو | جو یوں چمکتے ہیں جس طرح دیدۂ بینا
جو یوں چمکتے ہیں ہے جگنوؤں کا بس جھرمٹ | کنار آب رواں گلستاں میں لطف افزا
جو یوں چمکتے ہیں جو یاسمین جیسے کھلی | اور اُس کے رنگ سے پھیلی ہو باغ میں یہ ضیا
کہ عالم آئے نظر ہر طرف چراغاں کا

خدا کہاں ہے ذرا گنبد فلک سے پوچھ | کھڑا ہے جو کہ معلّق کئے زمیں کو حصار
نہ جسکی وسعت لا انتہا کا اندازہ | نہ جس کی رفعت عالی کا کچھ حساب و شمار
زمیں کیطرح سے ہیں بیشمار جس میں کرے | اور اُن کو کہتے ہیں ہم تم ثوابت و سیّار
مگر کھلا نہیں اب تک کسی پہ کچھ اسرار

خدا کہاں ہے ذرا پوچھ برق و باراں سے | جب آسمان پہ آکر گھٹا اندھیری چھائے
جب آکے رعد کا یہ شور ہو کہ اک دم سے | ہزار توپ کی باڑ ایک وقت میں چھٹ جائے
جب آکے برق کا نظارہ ہو یہ نورانی | کہ آنکھ اُس پہ نظر ڈالنے کی تاب نہ لائے
جب آکے مینہ جھڑی سات سات دن کی لگائے

خدا کہاں ہے تو آندھی کے زور و شور سے پوچھ | وہ اپنے گرد کے لشکر کو لے کے آئے جب
چہار سمت اندھیرا جہاں میں چھا جائے | دل آدمی کا دہل جائے کانپ اُٹھیں سب
بنائے حصن حصین اسکے زور سے ہل جائے | درخت جڑ سے اُکھڑ کر گریں بشور و شغب
خیال سب کو ہو بس آگئی قیامت اب

خدا کہاں ہے نسیم بہار سے پوچھو | ہوا ہو اُسکے دم مشکبو سے جب خوشبو
وہ اُسکا دم کہ ہو غیرت دہ دم عیسےٰ | ہر اک خزاں زدہ پودے کے حق میں ہو یہ نمو
اور اُسکی چال میں اٹھکھیلیاں ہوں سب ایسی | کہ چہچہانے لگیں طائران زمزمہ گو
اور اُن کو سنکے لگیں جھومنے گل خوش رو

خدا کہاں ہے ذرا پوچھ بہتے دریا سے | جب اُسمیں زور ہوا اور شور اور طغیانی

بچھی جب اسمیں ہو کوسوں تک ایک چادر آب
بہا جب اُس میں چلا جائے ان تلا پانی
نظر جب آئے تجھے کوئی طاقت پنہاں
دھکیلے اُسکو لئے جاتی ہے بہ آسانی
مگر کھلے نہیں کیا ہے وہ سرِ پنہانی

خدا کہاں ہے پہاڑونکی چوٹیوں سے پوچھ
جو آسماں سے کھڑی کر رہی ہیں سرگوشی
نہ یہ خبر ہے کہ کبتک کھڑی رہینگی وہ
نہ یہ خبر ہے کہ کب سے وہ اسطرح ہیں کھڑی
ہزار بار تبدّل ہؤا ہے قوموں میں
ہزار بار ہے انساں کی سلطنت بدلی
مگر نہ آئی نظر اُن میں کوئی تبدیلی

خدا کہاں ہے تو میداں سے پوچھ جاکے ذرا
ہزار طرح کی نیرنگیاں ہیں جسمیں عیاں
کہیں ہیں کھیت کہیں باغ اور کہیں جنگل
کہیں ندی ہے رواں اور کہیں ہے ریگستاں
کہیں ہے نہر کہیں ڈیرا اور کہیں ہے شہر
کہیں ہیں آدمی رہتے کہیں فقط حیواں
کہیں زمین ہے کوسوں تلک پڑی ویراں

خدا کہاں ہے ذرا پوچھ پہنِ بحر سے تو
وہ بحر جس میں کہ پانی اتھاہ ہے بہتا
وہ بحر جسمیں جہانتک تری نظر جائے
سوائے آب کے دیکھے نہ کوئی شے اصلا
وہ بحر جس میں سحر شام مہر آئے نظر
اسی سے نکلا ہے اسمیں ہی ہے غروب ہؤا
وہ بحر قدرت خالق کا جو ہے آئینہ

خدا کہاں ہے ذرا جاکے پوچھ صحرا سے
کہ جسکو دیکھ کے وحشت ہو تجھ کو اور ہراس
زمین بھاڑ کی مانند ہو جہاں تپتی
شعاعیں مہر کی پڑتی جہاں ہوں سمت الراس
جہاں کہ ریگ رواں کا ہو بحر بے پایاں
جہاں درخت نہ پودے نہ جھاڑیاں نے گھاس
جہاں رہے نہ مسافر کو زندگی کی آس

خدا کہاں ہے نباتات سے ذرا پوچھو
فزوں شمار سے انواع جسکی اور اقسام
کسی کے رنگ سے پُرنور چشم حیرت ہے
کسی کے بوئے سمن بیز سے ہے تازہ مشام

لدا ہوا کوئی پھولوں سے باغ میں ہے کھڑا … کسی میں پھل ہیں لگے سرخ و سبز و پختہ و خام

ہے ایک چوب مگر دے رہی ہے کیا کیا کام

خدا کہاں ہے جمادات سے تو پوچھ ذرا … کہ جسکی کنہ کو پہنچا نہ کوئی دانشور

پہاڑ کھود زر و سیم کی ہے کان نہاں … سمندر آن کے چھان اور لے در و گوہر

جو غور کیجے تو الماس کو شیشہ ہے ایک … پھر انکی صورت سیرت ہے مختلف کیونکر

شجر تھے پہلے جو وہ کس طرح بنے پتھر

خدا کہاں ہے ذرا پوچھ نوع حیواں سے … کہ ہے ہر ایک کی جن میں جدا جدا صورت

وہ اُن کا رنگ وہ روپ اور تناسب اعضا … ہر ایک عضو میں خرچی ہوئی نئی صنعت

وہ عادتوں کا خلاف اور طبیعتوں کا خلاف … پھر ان پہ ویسے ہی سامان دینے کی حکمت

کہ جس سے قادر مطلق کی ہے عیاں قدرت

خدا کہاں ہے تو اپنے ہی دل سے پوچھ ذرا … کہاں ہے پھر تو اس طرح ڈھونڈتا پھرتا

تجھے تلاش ہے جسکی وہ خود تجھی میں ہے … اکیلا بیٹھ کے کر آنکھ بند دھیان لگا

کہ میں ہوں کون خدا سے مجھے ہے کیا نسبت … خدا ہے اصل میں کیا اور میں ہوں اصل میں کیا

نظر پھر آئیگا تجھ کو بھی نور عرفاں کا

مُثمّنات

خوابِ زندگی

کل رات عجیب خواب دیا مجھ کو دکھائی
حیرت میں ہوں وہ خواب تھا یا شانِ خدائی

چشمِ دلِ حیراں میں وہ عالم ہے ابھی تک
پھرتی ہے نگاہوں میں وہ نقشوں کی صفائی

ہرچند کہ سوچا دل دانا نے بہت سا
پر بات کتنی باریک سمجھ میں نہیں آئی

ہے ہدیۂ احباب مرا خواب شبینہ
تعبیر میں درکار ہے دانش کی رسائی

کیا دیکھتا ہوں باغ ہے اک دلکش و مرغوب
انہار رواں اور عمارات خوش اسلوب

نعمت ہے ہر اک قسم کی موجود و مہیّا
واں کوئی بھی شے ہو نہ کسی شخص کو مطلوب

ہر روز ہے عید اور ہر اک شب ہے شب قدر
آرام سے ایام گزرتے ہیں بہت خوب

یاد آیا ہے وہ عالم تسکین و سکوں جب
مایوسی و حسرت مری آنکھوں میں ہے چھائی

اس عالم راحت میں گزرتی ہے کہ اک پیر
آتا ہے مرے پاس زہے خوبیٔ تقدیر

بُشرے سے برستی ہے بڑی شان جلالی
چہرے سے عیاں نور جمالی کی ہے تنویر

ہے تیر قضا اسکی نگاہ غضب آلود
اور آنکھ ہے بس صولت و اجلال کی تصویر

وہ آکے مرے پاس یہ کہتا ہے کہ اے شخص
تو یاں سے نکل تیری تھی اتنی ہی کمائی

سکتے کا سا عالم ہُوا دل پر مرے طاری … یہ سُن کے کہ میعاد ہوئی ختم ہماری
میں پیر کے پاؤں میں پڑا بخشئے للہ … حضرت کو جزا رحم کی دے حضرت باری
کہنی نہ تھی جو مینے وہ کی منت بے سود … کرنی نہ تھی جو میں نے وہ کی گریہ وزاری
ہنستا رہا سُن سُن کے وہ اور اُسکی غرض میں … بیہوش ہُوا میں وہ دوا مجھ کو سنگھائی

ہوش آیا تو دیکھا کہ ہے اک کلبۂ احزاں … اُس کے در و دیوار سے ہے یاس نمایاں
ہے یاس فقط میری نگاہوں میں ہے ورنہ … شادی سی ہے اس گھر میں اک شخص ہے شاداں
باہر ہیں مبارک و سلامت کی صدائیں … کچھ بیبیاں اندر بدل شاد ہیں خنداں
اس گھر میں اک شاد ہے گریاں ہوں فقط میں … سنتا نہیں پر کوئی میری ہائے دہائی

بیکس ہوں نہیں اور ساتھ ہی بے بس ہوں نہایت … کروٹ بھی بدلنے کی نہیں جسم میں طاقت
رو دیتا ہوں از بس سر اچلتا نہیں کچھ بس … جب بھوک کی اور پیاس کی ہوتی ہے اذیت
ہے باعث تکلیف ہر اک شے کا مجھے لمس … پر کہ نہیں سکتا دل بیتاب کی حالت
حاجات جتانے کا ہے آلہ مرا رونا … سونے سے اگر مینے ہے فرصت کبھی پائی

ابعاد ثلثہ کے نہیں علم سے بہرہ … آنکھوں میں مری محض تصاویر ہیں اشیا
حرکات ہیں اعضا کی بہت غیر معیّن … پڑتا ہے کہیں ہاتھ کہیں قصد ہے اپنا
ہے بُعد بعیدی بھی قریبی مرے نزدیک … میں چاند کے لینے کو زمیں سے ہوں لپکتا
کھینچے لئے پھرتے ہیں مجھے گود میں بچے … کہتے ہیں انہیں سب یہ بہن ہے یہ ہے بھائی

چندے رہا اسطرح میں گودوں کا کھلونا … یا بستر راحت تھا پنگورے کا بچھونا

دانتوں کی اور آنکھوں کی تکالیف تھیں اکثر | خسرے کا کبھی تھا کبھی چیچک کا تھا رونا
چوٹیں بھی لگا کرتی تھیں چلنے میں بہت سی | تھا کار اہم صبح کو منہ ہاتھ کا دھونا
کھانیکی تسیا روز پڑی رہتی تھی مجھ کو | اور کھانے میں مطلوب تھی مرغوب مٹھائی

معصوم تھا اس عالم طفلی میں مرا دل | جس بات پہ میں چاہتا ہو جاتا تھا مائل
ملجاتا تھا اچھا سا کھلونا جو کسی روز | ہوتی تھی خوشی وہ کہ نہ ہو شاہ کو حاصل
سنتے تھے بہت چاؤ سے باتیں مری ماں باپ | گو بات کا کرنا تھا مرے واسطے مشکل
شک کا دلِ صافی میں کہیں زنگ نہیں تھا | جو بات کسی نے کہی باور مجھے آئی

اس ناز و نعم میں ہوئے جب ختم کئی سال | میں مدرسے جانے لگا تھا گرچہ برا حال
لڑکا تھا جماعت کا ہر اک بچہ شیطاں | اُستاد کا تھا جور مری جان کو جنجال
حیران بہت تھا کہ کہاں آن پھنسا میں | بھاگا بھی کئی بار پہ بے سود تھی یہ چال
پڑھتا رہا میں گرچہ نہ لگتا تھا مرا دل | ابجد تھی مجھے روز پہاڑوں کی چڑھائی

آخر کو یہ منزل بھی ہوئی طے بصد آزار | اُستاد جماعت میں سمجھنے لگا ہشیار
تھا شوق مجھے اوروں سے بڑھ چڑھ کے رہوں میں | اس واسطے محنت سے تھا ہر وقت سروکار
کرتا تھا اس طرح بتدریج ترقی | میں علم کے زینے پہ چڑھا کام تھا دشوار
انعام کے ملنے کی خوشی مجھ کو بہت تھی | جب ممتحن آتا تھا سُننے تا کہ پڑھائی

اسطرح جو اعلیٰ تھی جماعت وہاں پہنچا | انعام کبھی اور وظائف کبھی لیتا
دی علم کی تحصیل نے دل کو مرے وسعت | ورزش نے کئے چست و توانا مرے اعضا

پیدا کئے کچھ یار بہت سے کئی دشمن | تعلیم جماعت کا زبس خاصہ یوں تھا
اس روز مجھے تما بی اے تسلیم ملی تھی | جس روز کہ میں نے سند داخلہ پائی

شادی کیلئے میری اب آنے لگے پیغام | شادی ہوئی پُر تھا مئے عشرت سے مرا جام
بچپن تھا بس کھیل تھا یہی میرے نزدیک | وہ چہل وہ جلسے وہ خوش آیندہ ہر اک کام
وہ پہلے بزرگوں کی رسومات کی تحریک | وہ طرفہ تقاریب کہ آغاز نہ انجام
پھرتے ہیں نگاہوں میں وہ نقشے مرے ابتک | اور انمیں ہے ابتک وہی رنگ اور صفائی

شادی نہ ہوئی میرے لئے مانع تعلیم | کالج کے مدارج میں رہی عزت و تکریم
وسعت میں بڑھا اور مرا دائرہ علم | برجستہ تھی تقریر تو شگفتہ تھی ترقیم
جولانیوں پہ رہتی تھی طبع سخن آرا | کرتا تھا میں اکثر گہر تعلیم کبھی تنظیم
ڈالی تھی نظر میں سند حسن لیاقت | پھولا نہ سمایا مجھے جب ہاتھ وہ آئی

کالج سے نکلنا تھا اور اک عہدہ کا پانا | تنخواہ تھی معقول اور اچھا تھا ٹھکانا
تھا علم پہ غرہ مجھے اور طبع پہ اپنی | صحت پہ بھروسا تھا کہ تھا جسم توانا
آرام سے ایام گزرتے تھے بہت خوب | معلوم نہ ہوتا تھا کہ بدلے گا زمانہ
دیوانی ہے کہتے ہیں جوانی سو بجا ہے | جنت نظر آتی تھی خدا کی یہ خدائی

اسطرح گزرتی تھی کہ حق نے دیا فرزند | پہلے سے بھی اب میری خوشی ہوگئی دو چند
تقریب مبارک تھی وہ جلسے کئے میں نے | تعریف میں احباب کے لب ہونے لگے بند
اولاد ہوئی اور تو تازہ تھی خوشی اور | تھا فضل الٰہی سے مکرّر مجھے ہر قند

بشگفتہ رہا کرتا تھا بس غنچۂ خاطر | جو دل میں تھی امید سمجھتا تھا بُرائی

دنیا کا ابھی کوئی طمانچہ نہ لگا تھا | جو کھول دے آنکھوں کو وہ جلوہ ہُوا تھا
ناگاہ پدر کو مرے امراض نے گھیرا | امراض نہ کہئے کہ وہ پیغام قضا تھا
جب نزع کی حالت تھی اور احوال پریشاں | میں پاس کھڑا حالت غم دیکھ رہا تھا
دنیا تھی نگاہوں میں مری تیرہ و تاریک | یہ موت ہے کیا گھر میں مرے کس لئے آئی

پھونکا تو سہی نعش کو شمشان میں ہم نے | گھر کر لیا لیکن دل بیتاب میں غم نے
ہر چند کہ سمجھایا محبوں نے بہت سا | آنکھوں میں مگر اشک رواں پائے نہ تھمنے
رہتا تھا زبس آٹھ پہر ایک تصوّر | دیوانہ بنایا مجھے رنج پدر ہم نے
تسکین جو ہوتی بھی تو کس طرح سے ہوتی | پہلی ہی تھی یہ چوٹ دل زار نے کھائی

میرے دل مضطر کا مہینوں رہا یہ حال | پھیلایا تھا دنیا نے مگر چار طرف جال
جو کام تھے والد کے وہ کرنے پڑے مجھ کو | یہ کام مری جان کو تھے اور بھی جنجال
محسوس ہوئے پہلے تو اک بار گراں وہ | عادت سی مگر ہو گئی گزرے جو مہ و سال
کرنے لگا ہر کام ہُوا غم جو غلط سا | چلنے لگا جو چال کہ دنیا نے چلائی

بچوں کی خبرداریٔ بیماری و صحت | نگرانیٔ تعلیم و نگرانیٔ صحبت
تہوار و تقاریب یہ برتاؤ چلن کا | تھا گرچہ یہ برتاؤ مجھے سخت مصیبت
دن بھر تو وہ دفتر میں گزرنا بصد آزار | اور شام کو گھر آ کے وہی فکر معیشت
دنیا کے وہ دھندے تھے کہ توبہ ہی بھلی ہے | رستہ نہیں دیتا تھا نکلنے کو دکھائی

جتنی کہ بڑھی عمر بڑھے ساتھ ہی افکار
افکار بھی ایسے کہ ہیں ہنستا تھا دل افگار
اولاد کی شادی میں ہوا صرف اثاثہ
آخر کو ہُوا قرض کے پنجے میں گرفتار
تعلیم سے فارغ ہوئے لڑکے تو مجھے فکر
رہنے لگا ہر وقت کہ یہ بیٹھے ہیں بیکار
خلجان میں رہتی تھی غرض جان شب و روز
ہر روز تھی مشکل کی نئی عقدہ کشائی

گو کام کسی کا نہ رُکا ہے نہ رُکے گا
ہے وقت پہ موقوف ہر اک کام کا ہونا
انسان نے پائی ہے طبیعت مگر ایسی
صبر اسکو کسی حال میں دم بھر نہیں آتا
پاتا تھا سرا یوں تو ہر اک کام سرانجام
پر فکر سے خالی دل ناشاد نہیں تھا
ہو جاتا تھا کام ایک تو تھا دوسرے کا فکر
افکار کی تھی آٹھ پہر جلوہ نمائی

یوں کاوش و کاہش کا تھا گھر میرے لئے گھر
باہر تھا کچھ اس سے بھی سوا حال زبوں تر
محکوم مجھے دیکھتے تھے چشم حسد سے
حاکم کے بدل جاتے تھے ہر بات پہ تیور
رشتے میں قریبی تھے جو۔ کھنچتے تھے بہت دور
امید نہ تھی جن سے دغا دے گئے اکثر
ہم چشموں کی آنکھوں کو بدلتے ہوئے دیکھا
جب وقت پڑا کوئی بھتیجا تھا نہ بھائی

اک بات عجب اور مری آنکھ نے دیکھی
گر پوچھئے۔ انساں کی وہ خود غرضی تھی
دیکھا جسے پایا اُسے مطلب ہی کا بندہ
جو بات سُنی حرف غرض سے نہ تھی خالی
ہے حضرت انساں کا خمیر آپ خودی سے
گر ہو نہ خودی اُسمیں تو کیا بات ہے اُسکی
وہ شخص فرشتہ ہے نہ کہئے اسے انسان
دل میں نہ اُٹھے جسکے خیال من و مائی

دنیا میں خودی نے ہے زبس رنگ جمایا
ایک ایک سے بڑھ کر نظر آتا ہے سوایا

دمبازوں کی باتوں میں بہت آیا ہوں میں بھی — دھوکا ہے کئی بار بڑا مینے بھی کھایا
ان باتوں سے خفت بھی اٹھانی پڑی اکثر — ان دھوکوں سے نقصان بھی بہت مینے اٹھایا
ہاں کھاتا تھا جس وقت کوئی چوٹ بڑی سی — لگتا تھا دل زار پہ اک تیر ہوائی

دنیا ہے دنی اِسکی ہے ہر بات کمینی — چھوڑ دو بھی اسے آؤ کرو گوشہ نشینی
آلام ہیں افکار ہیں آزار ہیں اس جا — دنیا میں بہت رہ چکے اب لو رہ دینی
اُٹھتے تو ہے ایسے خیالات و لیکن — دنیا تھی وہی میری وہی بیہدہ بینی
کہنے سے کسی کے کبھی چھوٹی نہیں دنیا — جب تک نہوا ے فکر رسا تیری رسائی

اس تجربہ کاری نے دکھایا اثر اپنا — ایک ایک سفید آہ ہؤا موے سر اپنا
دنداں گئے آنکھیں گئیں اور گوش ہوئے کر — ہوتا تھا بس اوروں کے سہارے گزر اپنا
یوں صاف جواب آ کے دیا مجھ کو توے نے — گویا کہ نہ یہ جسم کبھی تھا مگر اپنا
پنشن مجھے سرکار نے دی لیک نہ پنشن — میں ایسا تھا بدبخت بہت مینے نہ کھائی

بیکاری اعضا سے ہوئے سینکڑوں کچھ آزار — ایسے کہ مداوا تھا بہت مشکل و دشوار
معلوم تھا سب کو مرض الموت ہے مجھ کو — تھا اسلئے بس محض دکھاوے ہی کا تیمار
ہر شخص کو یہ روز سیہ آئیگا در پیش — ہاں بوالہوس اس دن سے خبردار خبردار
تھا قابل عبرت وہ مرا حال پریشاں — انگشت بدنداں تھے پسر خواہر و بھائی

دوزخ سے بھی بدتر تھا مجھے نزع کا بستر — رہتی تھی بس اک یاس سی چھائی ہوئی دل پر
کام آئے جو اس وقت نہ وہ کام کیا تھا — بیہودگیوں میں تھی کٹی عمر سراسر

تیرے۔لئے اسے موت میں تیار نہیں تھا | پر ساتنا تجھ سے ہی تھا یہ دیکھو مقدر
جس وقت دم بازپسیں کھینچ رہا تھا | کرتے تھے مرے حال پہ سب نوحہ سرائی

اے بیخبر و موت نہیں حالت غفلت | مگر نظر آئی مجھے کچھ طرف حقیقت
آنکھوں میں خلاصہ تھا حیات گزراں کا | اس وقت ہوا کرتی ہے انسان کو عبرت
وہ نیک و بد افعال وہ اچھے برے اعمال | وہ خوف وہ رنج اور وہ خوشیاں وہ ندامت
نظارہ کچھ ایسا تھا مہیب اور خطرناک | میں خواب سے چونکا کہ بلا کیا نظر آئی

نیند اڑ گئی میری کہ یہ کیا سر نہاں ہے | یہ زندگی کس شخص کی تھی اب وہ کہاں ہے
میری بھی گزرتی ہے اسیطرح شب و روز | کچھ فرق نہیں خواب ہے یہ صاف عیاں ہے
دنیا میں رہا لیک کبھی میں نے نہ سوچا | کس شے میں سراسر ہے کشش میں یہاں ہے
کھولیگی تری آنکھ بھی جب موت تو اے مہر | پچھتائیگا کیا تم نے یہ سو گنوائی

خیرات

قیامت میں خدا پوچھیگا تجھ سے اے مرے بندے
میں بھوکا تھا مگر تو نے مجھے کھانا نہ کھلوایا
کہیگا تو ۔ الٰہی ۔ تو تو رب ہر دو عالم ہے
نہیں ممکن کہ تو بھوکا ہو ۔ یہ کیا تو نے فرمایا

جواب اس کا ملیگا یہ فلاں بندہ مرا اک دن
تیرے در پر تھا بھوکا ہوکے روٹی مانگنے آیا
دیا کھانے کی جا لیکن جوابِ صاف اُسے تونے
وہ میں ہی تھا بتا اپنے کئے سے اب بھی شرمایا

سوال اب تجھ سے یہ ہوگا خدا کا اے مرے بندے
میں پیاسا تھا مگر تونے مجھے پانی نہ پلوایا
کہیگا تو۔ الٰہی تُو تو ربِّ ہر دو عالم ہے
نہیں ممکن کہ تو پیاسا ہو یہ کیا تونے فرمایا
جواب اس کا ملیگا یہ فلاں بندہ مرا اک دن
تیرے در پر تھا پیاسا ہوکے پانی مانگنے آیا
دیا پانی کی جا لیکن جوابِ صاف اُسے تونے
وہ میں ہی تھا بتا اپنے کئے سے اب بھی شرمایا

سوال اب تجھ سے یہ ہوگا خدا کا اے مرے بندے
میں ننگا تھا مگر تُونے مجھے کپڑا نہ پہنایا
کہیگا تو۔ الٰہی تُو تو ربِّ ہر دو عالم ہے
نہیں ممکن کہ تو ننگا ہو یہ کیا تونے فرمایا
جواب اس کا ملیگا یہ فلاں بندہ مرا اک دن
ترے در پہ تھا ننگا ہوکے کپڑا مانگنے آیا
دیا کپڑے کی جا لیکن جوابِ صاف اُسے تونے

وہ میں ہی تھا بتا اپنے کئے سے اب بھی شرمایا

سوال اب تجھ سے یہ ہوگا خدا کا اے مرے بندے
مرض تھا مجھ کو لاحق پر نہ تو کچھ بھی دوا لایا
کہیگا تو۔ الٰہی تو تو ربِ ہردو عالم ہے
نہیں ممکن کہ تو بیمار ہو کیا تو نے فرمایا
جواب اس کا ملیگا یہ فلاں بندہ مرا اک دن
مرض سے ہو کے بے طاقت ترے در پر چلا آیا
دوا کی جا دیا لیکن جواب صاف اُسے تو نے
وہ میں ہی تھا بتا اپنے کئے سے اب بھی شرمایا

سوال اب تجھ سے یہ ہوگا خدا کا اے مرے بندے
میں حاجتمند تھا پر تُو مری حاجت نہ برلایا
کہیگا تو۔ الٰہی تُو تو ربِ ہردو عالم ہے
نہیں ممکن تجھے حاجت ہو یہ کیا تو نے فرمایا
جواب اس کا ملیگا یہ فلاں بندہ مرا اک دن
ترے در پر تھا حاجتمند ہو کر مانگنے آیا
دیا زر کی جگہ لیکن جواب صاف اُسے تُو نے
وہ میں ہی تھا بتا اپنے کئے سے اب بھی شرمایا

درست ایسا ہوا ہے الغرض اے مہرگر سوچیں

خدا سائل کے بھیسوں میں ہمارے پاس ہے آیا
ہمارے پاس جو کچھ ہے اُسی نے ہم کو بخشا ہے
گیا کوئی نہ کچھ لے کر نہ کوئی ساتھ کچھ لایا
مگر کیسا تعجب ہے کہ جو کچھ اس نے بخشا ہے
نہ محتاجوں کو اُس میں سے دیا ہم نے نہ دلوایا
قیامت میں نہ اُٹھیگا ہمارا سر خجالت سے
سوال اعمال کا گر اس طرح سے درمیاں آیا

مشرق و مغرب

نیرنگہائے قدرت کیا رنگ لا رہے ہیں — کیسے طلسم خانے ہم کو دکھا رہے ہیں
اس کائنات کا ہے کیا ہی عجیب چکر — جاندار اور بے جاں چکر میں آ رہے ہیں
پیدا ہوئے تو ظاہر جب گئے تو مخفی — نظروں میں دو نظارے ہر دم سما رہے ہیں
سب کا غرض پرکھا ہم نے کیا تو دیکھا — مشرق سے آ رہے ہیں مغرب کو جا رہے ہیں

اے آفتابِ تاباں اے بادشاہِ خاور — کرتا ہے نور سے تُو ارض و سما منوّر
اُٹھتا ہے صبحدم جب سوتے پڑے ہوں سب ہم — اُٹھتے ہی تُو سفر میں ہے گام زن ابر
کیوں ایسی تیز گامی کہہ عزم ہے کہاں کا — جاتا ہے تو کدھر کو آیا کہاں سے ہو کر
کہتا ہے مہرِ تاباں پوچھو نہ رازِ پنہاں — مشرق سے آ رہے ہیں مغرب کو جا رہے ہیں

اے آسماں کی زینت اے ماہِ نور افگن — پھرتا ہے رات بھر تو کرتا جہاں کو روشن

جب میں نے تجھ کو دیکھا گرمِ سفر ہی پایا
گویا سفر کی عادت تجھ کو مرض ہے مزمن
آفتاب تو کہاں سے جاتا ہے کس طرف کو
تیرا ہے روئے رفتن دائم نہ پائے ماندن
کہتا ہے ماہِ انور کر اس سخن کو باور
مشرق سے آرہے ہیں مغرب کو جارہے ہیں

شب تاب تم ہو کرمک اے آسماں کے تارو
اور شام سے سفر میں اس طرح اے پیارو
تم پاسباں ہو شب کے او گشت کر رہے ہو
اپنے سروں سے دم بھر بارِ سفر اتارو
مجھ کو ذرا بتاؤ آتے ہو تم کہاں سے
اور جا رہے کدھر ہو اے میرے دوستدارو
کہتے ہیں مجھ سے تارے دردِ سفر کے مارے
مشرق سے آرہے ہیں مغرب کو جارہے ہیں

میں نے زمیں کو دیکھا اور آسماں کو دیکھا
وا کر کے چشمِ عبرت سارے جہاں کو دیکھا
ہے کائنات مائل مشرق سے سوئے مغرب
سیارہ و ثوابت اور کہکشاں کو دیکھا
مطلع ہے شرق سب کا اور انتہا ہے مغرب
کون و مکاں کو دیکھا اور انس و جاں کو دیکھا
جاندار اور بے جاں انسان اور حیواں
مشرق سے آرہے ہیں مغرب کو جارہے ہیں

یہ مشرق اور مغرب ہے اس طرح کا چکر
سب ہیں اسی کے اندر کوئی نہیں ہے باہر
آتے ہیں اور جاتے چکر پڑے ہیں کھاتے
کب ہیں نکلنے پاتے آواگون سے چھٹ کر
سرگشتہ و پریشاں درماندہ اور حیراں
دریائے زندگی میں انسان ہیں شناور
گاتا ہے کل زمانہ ہر دم یہی ترانہ
مشرق سے آرہے ہیں مغرب کو جارہے ہیں

پیدا ہوا جو اس جا برحق ہے اس کو مرنا
مرنے کے سر پہ لیکن تہمت کبھی نہ دھرنا
اس زندگی میں مہلت کافی ملی ہے تم کو
مرنے سے پیشتر کچھ اپنا سدھار کرنا

پھر ہوگا جنم خوشتر پہلے سے بلکہ بہتر / بھولے سے بھی عزیزو مرنے سے تم نہ ڈرنا
ہے مرگ و زندگانی کی بس یہی کہانی / مشرق سے آرہے ہیں مغرب کو جارہے ہیں

جائے طلوع مشرق ہر ذی حیات کی ہے / جائے غروب مغرب کل کائنات کی ہے
مشرق میں ہے اُجالا مغرب میں ہے اندھیرا / یہ شکلِ روزِ روشن وہ شکلِ رات کی ہے
مشرق میں ہے حرارت مغرب میں ہے برفباری / صورت حیات کی یہ اور وہ ممات کی ہے
عالم ہے اس سے بستہ سب کا یہی ہے رستہ / مشرق سے آرہے ہیں مغرب کو جارہے ہیں

تعلیم اپنشد کی ہم کو یہی ہے ہمدم / مشرق پران مَے ہے مغرب نئی کا عالم
کامل اگر ترقی انسان کا ہے مقصد / تو ہو پران مل کر باہم نئی سے توام
سمبستراں سے حاصل ہوتا ہے اے عزیزو / یہ مہر کی صدا ہے ریشِ دروں کا مرہم
آرام سے رہو گے پھر تم نہیں کہو گے / مشرق سے آرہے ہیں مغرب کو جارہے ہیں

مثنویات

بیراگ

زندگی نہرِ گذر کا ہے بہاؤ — میں نے دیکھے بہت اتار چڑھاؤ
صاف جس وقت تک روانی ہے — دلفزا لطف زندگانی ہے
کس مزے کی ہے اسکی ہر اک بات — دن ہے عید اور شب برات ہے رات
مال ہو پاس تن میں صحت ہو — گھر ہو اچھا جہاں سکونت ہو
ساز و ساماں کی ہو فراوانی — احتیاجات میں ہو آسانی
اقربا کا سلوک ہو اچھا — اور یاروں میں دوستی و وفا
ہمسراں پیش آئیں عزت سے — دیکھیں ہم چشم چشمِ الفت سے
باادب نیک بخت ہوں فرزند — زن دلجو ہو دل ربا دلبند
گھر میں جائیں تو خانہ آبادی — باہر آئیں تو ہر طرف شادی
ایسی گزرے تو بات ہی کیا ہے — آدمی کو بہشت دنیا ہے
ترکِ دنیا وبال ہو جائے — یاں سے جانا محال ہو جائے
مگر ایسا ہے کون نیک نصیب — زندگی جس کی یوں ہو خوش ترتیب

بحر ہے زندگی کا طوفاں خیز — اس کے طوفاں ہیں بلا انگیز
دیکھئے جب جہازِ عمرِ رواں — ہے تلاطم میں سخت سرگرداں

یاں سکوں سے نہ بہرہ مندی ہے — کبھی پستی کبھی بلندی ہے
مدّو جزرِ زمانِ ناہنجار — کس کو ہیں باعث سکون و قرار
وہ مخالف ہوا ہے دنیا کی — سر اٹھانے کی کس کو فرصت دی
آدمی جب تھپیڑ کھاتا ہے — اس کو اللہ یاد آتا ہے
ہے مبارک بہت وہ نیک خصال — جس کو آئے تھپیڑ کھا کے خیال
جائے دلبستگی نہیں دنیا — گھر ہے یہ فکر و رنجِ پیہم کا
اس کی خوشیوں کا اعتبار نہیں — رنج و آلام کا شمار نہیں
فکر تازہ ہے روز دم کے ساتھ — ہے خوشی کا خمیر غم کے ساتھ
دل میں انساں کے اس طرح کے خیال — اُٹھتے رہتے ہیں آئے دن مہ و سال
خاصکر جب وہ کوئی ٹھوکر کھائے — اور دنیا سے اس کو نفرت آئے
دل میں ان کو مگر قیام نہیں — اُٹھتے بے شک ہیں پر دوام نہیں

کون میت کے ساتھ جاتا ہے — اور غم سے بھرا نہ آتا ہے
کس نے جھیلی نہ سخت بیماری — اور نہ دل پر الم ہوا طاری
کس نے دیکھا نہ زلزلہ و وبا — اور دل خوف سے نہ کانپ اُٹھا
بے ثباتی جہانِ فانی کی — بے بسی اپنی زندگانی کی
کون ہے وہ کھلی نہیں جس پر — تجربہ کب نہیں گواہِ بشر
وقت پڑتا ہے آدمی پر جب — اور ہوتا ہے دل میں رنج و تعب
کون اُس وقت اس کا ثانی ہے — اس کی مانند کون گیانی ہے
بات اس طرح کی بناتا ہے — کہ وہ عرفاں میں ڈوب جاتا ہے

ہیچ دنیا ہے ہیچ بود اس کی | چشم ظاہر میں ہے نمود اس کی
اس کے نقشے ہیں خواب کے سے تمام | جن کو ہرگز نہیں بقاے دوام
پسِ پردہ ہے کوئی بازیگر | شعبدے اس کے ہیں یہ سب یکسر
آدمی کا وجود ہی کیا ہے | دیکھئے تو حبابِ دریا ہے
قادرِ طلق و سمیع و خبیر | ہے یہاں ایک ذاتِ ربِ قدیر
وہی جو چاہتا ہے کرتا ہے | ناحق انسان غم میں مرتا ہے
کون ہے وہ کہ زندگی میں کبھی | جس نے باتیں نہ کی ہوں لیس السی
آدمی کی عجب کہانی ہے | جب پڑا وقت تو یہ گیانی ہے
ہوچکا وقت جب تو کس کو خیال | فکرِ عقبےٰ ہے پھر نہ فکرِ مآل
وہی دنیا اور اُس کے دھندے ہیں | وہی دنیا کے سارے بندے ہیں
پھر وہ اگلے برس کو بات گئی | بات کے ساتھ کائنات گئی

یہ ہے حالِ دلِ عوام الناس | نہیں پھٹکا قرار اُن کے پاس
فائدہ کیا ہے ان خیالوں سے | اٹھے جوں موج جبکہ بیٹھ گئے
یا مثالِ حبابِ دریائی | ہوئی دم بھر کو جلوہ فرمائی
یا کہ جیسی ہو برق کی چشمک | دم کے دم کو دکھا کے اپنی جھلک
پھر نہاں ہیں میانِ تاریکی | کیا امید اُن سے دوستداری کی
دوست وہ ہے جو بار بار آئے | تیری سُن جائے اپنی کہہ جائے
یاں مبارک ہی ہے نیک انجام | کہ کریں دل میں یہ خیال قیام

بزمِ دنیا کے اے تماشائی | تُو نے دیکھی بھی یاں کی رعنائی

کس طرح کی یہاں دورنگی ہے ۔۔۔ کیسی رنگوں میں خانہ جنگی ہے
مَیں نے شادی کے ساتھ غم دیکھا ۔۔۔ ہم رکابِ خوشی الم دیکھا
ساتھ نکہت کے ارجمندی ہے ۔۔۔ ساتھ پستی ہے اور بلندی ہے
ساتھ ہے قہقہوں کے شورِ فغاں ۔۔۔ ہے تبسُّم کے ساتھ دردِ نہاں
سرد کے ساتھ گرم ملتا ہے ۔۔۔ سخت کے ساتھ نرم ملتا ہے
کہیں شادی کہیں ہے بربادی ۔۔۔ کوئی شاداں ہے کوئی فریادی
ایک پیدا جہاں میں ہوتا ہے ۔۔۔ ایک مرنے کے غم میں روتا ہے
ایک ہنستا ہے شاد ہو ہو کر ۔۔۔ ایک کھوتا ہے جان رو رو کر
ہائے نیرنگیاں زمانے کی ۔۔۔ کیا دورنگی ہے کارخانے کی
ایک حالت کبھی نہیں رہتی ۔۔۔ ایک صورت کبھی نہیں دیکھی
انقلابات کا ہے وہ چکّر ۔۔۔ نہیں جمتی جمائیے جو نظر

وہ بزرگ اب نظر نہیں آتے ۔۔۔ تیرے بچپن میں جو مربّی تھے
اُٹھ گئے وہ جوان بھی کب کے ۔۔۔ جو کہ طفلی میں تو نے دیکھے تھے
یا کوئی ہے تو ہے چراغِ سحر ۔۔۔ اس کو درپیش آخرت کا سفر
جن کو بچّہ سا تو نے دیکھا تھا ۔۔۔ قد کشیدہ جواں ہیں وہ رعنا
دیکھئے جس طرف ہے تبدیلی ۔۔۔ کیا زمانے کی ہے ہوا پلٹی
حال اَوروں کا دیکھنا کیا ہے ۔۔۔ حال اپنا تمام بدلا ہے
اِک وہ دن تھا ہُوا تھا تُو پیدا ۔۔۔ اِک وہ دن تھا کہ تُو تھا بچہ سا
عنفوانِ شباب کی باتیں ۔۔۔ اب نظر میں ہیں خواب کی باتیں
کبھی تیری بھی نوجوانی تھی ۔۔۔ کبھی پرجوش زندگانی تھی

بڑھ کے تو اس سے پختہ کار ہوا
گھر کے دھندوں میں دلفگار ہوا

اب ترقی ہے یہ کہ ہے پیری
اور پیری کے ساتھ دلگیری

موے سر اس طرح سفید ہوئے
چہرے پر جس طرح سے برف پڑے

مضمحل ہیں قواے جسمانی
اور مختل قواے روحانی

کوئی پہلی سی تجھ میں بات نہیں
اب وہ اگلی سی کائنات نہیں

کیسی باتیں بدل گئیں ساری
خواب گویا تھی تیری بیداری

پہلے نقشے تھے خواب کے نقشے
یا کہ موجِ سراب کے نقشے

کبھی ظاہر میں تھی نمود ان کی
اب فقط ذہن میں ہے یاد ان کی

پھر بھی دلبستگی نہیں جاتی
نہیں پھر بھی طبیعت اکتاتی

وہی دنیا کا تجھ کو دھندا ہے
وہی دنیا کا آپ بندہ ہے

کام ایسے اُٹھائے ہیں تُو نے
ختم ہونے میں وہ نہیں آتے

تجھ کو مصروفیت بلا کی ہے
وقت کا تُو ہمیشہ شاکی ہے

یاں سے جانے کا کچھ خیال نہیں
فکرِ عقبیٰ سے کچھ ملال نہیں

اس طرح تُو یہاں پھنسا آکر
نہیں درپیش عاقبت کا سفر

یہیں رہنا ہے دائماً گویا
یاں سے جانا نہیں کہیں اصلا

اے گرفتارِ کارگاہِ خیال
تُو نے دیکھا بھی اس طلسم کا حال

تجھ سے دنیا نے کیا دغا کی ہے
کیسی وابستگی بلا کی ہے

ڈالا آنکھوں پہ تیری وہ پردہ
کہ ہٹائے سے ہٹ نہیں سکتا

جیسے کولھو کا بیل کوئی ہو
اُس نے چل چل کے جان کھوئی ہو

لیک گو عمر بھر وہ چلتا ہے — گھر سے باہر نہیں نکلتا ہے
راست تجھ پر بھی ہے یہی تمثیل — نہیں تیری نجات کی بھی سبیل
تو بھی کھاتا رہا یہاں چکّر — مگر آیا نہیں کبھی باہر
ٹھوکریں بھی بہت سی کھائی ہیں — آفتیں تجھ کو پیش آئی ہیں
پر وہی تو وہی ہے فکرِ عیال — وہی دنیا وہی ہے اسکا خیال

تُو جو غفلت میں ایسا بھولا ہے — بات کیا ہے وہ جس پہ پھولا ہے
مجھ کو رہ رہ کے ہے یہی حیرت — کس بھروسے پہ تجھ کو یہ غفلت
کیوں گرفتارِ بندِ دنیا ہے — تجھے رہنا نہیں ہے چلنا ہے
ساتھ جائیگا گھر نہ دولت و مال — جو تری جان کو ہُوا ہے وبال
پسر و زن نہ ساتھ جائینگے — قبر تک تجھ کو چھوڑ آئینگے
پاس تیرے کوئی نہ آئیگا — تُو اکیلا یہاں سے جائیگا
یاں جب آیا تھا ہاتھ تھے خالی — جب چلا پھر وہی ہے بےحالی

خواب میں جس طرح سے دولت و مال — زن و فرزند و اقربا و عیال
چھوڑ کر سب تعلقات اکبار — صبح ہوتا ہے آدمی بیدار
وہ بھی دن سامنے ہے اے غافل — کہ تجھے پیش ہے یہی منزل
زندگی کی نمود ہے بے بود — ایک دن خواب کی طرح مفقود
پھر غضب ہے نہ تیرے آنکھ کھلے — اس طرح میٹھی نیند تو سوئے
اے گرفتارِ کارگاہِ خیال — زندگی تیری خواب کی ہے مثال
آنکھ کھلنی ہے ایک دن تیری — کہ یہ دنیا نہ تھی کبھی میری

میں نے محض ایک خواب دیکھا تھا　　یا کہ نقشِ سراب دیکھا تھا
اس کے نقشوں میں یوں میں پھنسا اس طرح　　کوئی بھولے طلسم میں جس طرح
زندگانی سی چیز کی برباد　　میرے احوال زار پر فریاد
جنم بے سود کھو دیا میں نے　　ہائے کیسا غضب کیا میں نے
وہی میرے لئے پریشانی　　پھر ہے اگلے جنم میں پیش آنی
تجھے درپیش مرحلہ ہے یہی　　یاں سے جس روز ٹھہری چلنے کی
پر نہ اُس وقت کچھ بن آئیگی　　جاں پشیمانیوں میں جائیگی
وقت جب ہو چکا تو پچھتانا　　محض بے سود سب نے ہے مانا
جیب سے ہیں ابھی نکلتے ہاتھ　　کچھ کمائی بھی کرلے چلتے ہاتھ
تاکہ ہمراہ تیرے وہ جائے　　اور آخر میں تیرے کام آئے

راستے ہیں خدارسی کے بہت　　راستے تیری بہتری کے بہت
دیکھ یہ کس طرف ہے دل مائل　　دیکھ کس بات کا ہے دل سائل
دوڑتا ہے وہ جانبِ اعمال　　یا ریاضت کا ہے پسند خیال
عشق سے یا کہ شوق و الفت سے　　علمِ عرفاں سے یا کہ رغبت ہے
حاویِ کل یہ چار رستے ہیں　　سب مذاہب انہیں میں بستے ہیں
ان سے باہر نہیں کوئی انسان　　ان میں داخل ہر اک کا ہے میلان
طبعِ سالک کا اختیار رہا　　جونسا چاہتی ہے لے رستا
راہ ہیں چار ان کی غایت لیک　　ایک ہے کہہ گئے بزرگ ہیں ایک
ایک منزل پہ سب ہیں پہنچاتے　　ایک مرکز پہ سب ہیں مل جاتے

وجہ یہ ہے کہ سعی جتنی ہے
وہ صفائے قلوب میں ہی ہے
صاف کرنا ہے دل کا آئینہ
ایک درجہ ہے اسلئے سب کا
علم حق ہے کہ حق کی الفت ہے
ہیں عمل نیک یا ریاضت ہے
زنگ دل کے لئے ہیں سب صیقل
جو ہو مرغوب اُس پہ کر تو عمل

شرط اوّل ہے یاد رکھ بیراگ
شرط ہے یہ لگی ہو دل میں آگ
سانحہ جبکہ کوئی آئے پیش
اور دنیا سے دل سے ہو دل ریش
دل سے موقع یہ بس غنیمت جان
مغتنم ہے یہ طبع کا میلان
اس کو کوشش سے پختہ کاری دے
مشق پیہم سے استواری دے
کہیں ایسا نہ ہو کہ پھر مٹ جائے
تجھ کو بھولے سے بھی خیال نہ آئے
بلکہ یہ رنگِ سعئ پیہم کا
ہو کہ وہ ذات کا بنے حصّہ

دو تدابیر استواری کی
ہیں اگر دل نے سازگاری کی
ایک اُن میں سے فیض صحبت ہے
جس سے بڑھ کر نہ کوئی نعمت ہے
تیری صحبت ہو ایسے لوگوں سے
دل میں بیراگ استوار کرے
آدمی آدمی میں انتر ہے
کوئی ہیرا ہے کوئی کنکر ہے
اُس سے مل جو ہے رہ کا واقف کار
خفتہ را خفتہ کے کند بیدار

شوق پڑھنے کا دوسری ہے چیز
اس سے بڑھتی ہے عقل و فہم و تمیز
اُس کا دنیا میں ہے عبث آنا
اور بے فائدہ ہے غم کھانا
جس نے جانا نہ یہ خدا کیا ہے
میں ہوں کیا اور کیا یہ دنیا ہے

پڑھ کتب وہ کہ تجھ کو راہ دکھائیں
آدمی سے تجھے فرشتہ بنائیں

دل میں اُن سے ہو مستقل ہر اِک
لاگ اُن کی لگائے دل میں آگ

علم کا شوق بہتریں ہے شوق
مغتنم ہے اگر ہے یہ ذوق

ابتدا اس کی سیرِ باغِ جناں
انتہا شوق علم کی عرفاں

ابتدا انتہا ہیں دونو خوب
چیز ہے علم دلکش و مرغوب

غرض اے شخص تجھ کو یاد رہے
تجھے جانا ہے ایک دن یاں سے

وقت فرصت ہے اب غنیمت جان
کچھ کمائی بھی کر لے میری مان

وقتِ گزرا ہوا نہیں آتا
بعد میں آدمی ہے پچھتاتا

لوٹ دنیا نہیں کبھی اچھی
بات یہ سُن کہ ہے بڑی اچھی

مہر کی طرح یاں گزار اکر
آب میں جس طرح سے نیلوفر

بازارِ طلسم

کل عجب عالمِ رویا میں تماشہ دیکھا
پہلے دیکھا نہ تھا میں نے وہ نظارہ دیکھا

دیکھتا کیا ہوں کہ اک شہر بڑا بھاری ہے
مینا بازار کی اس شہر میں تیاری ہے

جا بجا چوک فراخ اور کشادہ بازار
سیر گاہوں کی وہ کثرت کہ حساب اور نہ شمار

شامیانے ہیں کھنچے اور قناتیں ہیں کھڑی
جس طرف دیکھئے بازار میں زینت ہے بڑی

دونو جانب ہیں دکانیں یہ ہے نقشا ایسا
اک طلسمات کا عالم ہے پرستاں کیسا

ان میں اجناسِ نفیسہ کے بھرے ہیں انبار
جن کی تفصیل میں قاصر ہے زبانِ گفتار

ایک جو جنس دکانوں میں تھی وہ ایسی تھی
کہ مری چشمِ ہنر بیں نے نہیں دیکھی تھی

جوق کے جوق تھے ہر سمت خریداروں کے
جو مزے واں تھے نہیں دیکھے وہ بیوپاروں کے

مضطرب لیک خریدار نظر آتے تھے
کچھ پریشان سے آثار نظر آتے تھے

چاہتا تھا یہ ہر اک شخص کہ میں پہلے بڑھوں
اور جو جنس ہے دکّان پہ ساری لے لوں

ان میں ہو جاتی تھی اس بحث میں اکثر تکرار
اور کبھی دور پہنچتی تھی بہت نوبتِ کار

اس سے بازار بھیانک بھی نظر آتا تھا
سہم بھی جاتا تھا جو شخص وہاں جاتا تھا

ٹھٹ کے ٹھٹ لیک خریداروں کے واں آتے تھے
اور جو چاہتے تھے آن کے لیجاتے تھے

دور سے میں نے بہت دیر تماشا دیکھا
شوق آخر کو مجھے کھینچ کے واں لے ہی گیا

ایک دکان پہ آتی تھی نظر بھیڑ بہت
قابلِ دید تھی واں خلقِ خدا کی کثرت

جو بشر تھا وہ ادھر ہی کو جھکا جاتا تھا
بھیڑ میں گرچہ ہر اک شخص پسا جاتا تھا

میں بھی لڑ بھڑ کے بڑھا دیکھوں تو اسرار ہے کیا
چشمِ بینا نے وہاں طرفہ تماشا دیکھا

یہ دکاں وہ تھی جہاں بکتا تھا مالِ دولت
یہی باعث تھا کہ تھی خلقِ خدا کی کثرت

جنسِ اعمال کی احباب یہاں لاتے تھے
تھیلیاں کندھوں پہ رکھ رکھ کے چلے جاتے تھے

مال ملتا تھا کسی شخص کو آسانی سے
اور کسی شخص کو دقّت و پریشانی سے

پہنچنے کوئی دکان پر بھی نہیں پاتا تھا
بھیڑ ایسی تھی کہ بس پس ہی کے رہ جاتا تھا

بعض لڑ بھڑ کے پہنچتے تو وہاں جاتے تھے
پر ہجوم ایسا تھا کچھ لینے نہیں پاتے تھے

جن کو کم ملتا تھا حسرت انہیں ہوتی تھی بڑی
گالیاں دیتے تھے اوروں کو دکاندار کو بھی

دیکھتا تھا میں یہ نظارہ پریشان کھڑا
کہ عقب میں مرے کچھ شور بہت سا اٹھا

مڑ کے دیکھوں تو نظر آتا ہے اک جمِّ غفیر
صورتِ حال مگر سب کی زبوں اور حقیر

غور سے دیکھا تو اس کوچے میں جو باتیں تھیں
دلربائی کی وہ بے ساختہ سب گھاتیں تھیں

دولت و عزت و انعام جو لے جاتے تھے
ان میں اکثر اسی کوچے میں چلے آتے تھے

جب نکلتے تو نہ زر پاس تھا کھانے کے لئے
ہاتھ میں نیم کی ٹہنی تھی ہلانے کے لئے

دل لگی کے بھی مشاغل کی یہاں کثرت تھی
جوق جوق اس جگہ تھے جمع تماشائی بھی

کہیں گھڑدوڑ کا چکر تھا کہیں پولو کا
ہار جیت اس میں تھی لاکھوں کی مگر تھا نہ جوا

تاش کے کھیلو میں ایک ایک سے اعلیٰ نکلا
پر دغا بازی سے بہتوں کا دوالا نکلا

کھیلنے والوں کی نظروں میں نہ تھا یہ بھی قمار
اور اس رائے سے ہمرائے تھے اکثر زردار

پانسے بھی پھینکتے تھے لوگ پہ گھبرائے ہوئے
روز کی ہار سے دل سب کے تھے مرجھائے ہوئے

مرغ بازی تھی کہیں اور کہیں لڑتے تھے پتنگ
اور رچا تھا کہیں کشتی کے اکھاڑے کا رنگ

جا بجا چوسر و گنجیفہ و شطرنج تھی واں
اور پہروں ہی نظر آتے تھے سب فکر کناں

تھے تھیٹر بھی بہت گرچہ وہ ناکارہ تھے
ان میں جو جاتے بہت ان میں سے آوارہ تھے

سین تھے فحش ڈراما تھا تصنع سے بھرا
شاعری کا نہ تھا کچھ لطف زباں کا نہ مزا

راگ کا ناس بری طرح سے گو کرتے تھے
انہیں باتوں پہ مگر لوگ وہاں مرتے تھے

شغل علمی بھی تھے پر کام کی کچھ بات نہ تھی
کہیں پڑھتے تھے فسانے کہیں تھی کج بحثی

ایک کمرے میں تھے ارباب تصانیف کئی
نظم و نثر ان کی مگر دیکھی تو روکھی پھیکی

نہ کچھ آزاد تفکر نہ کچھ آزاد خیال
اُن کی تصنیف نہ تھی بلکہ چرایا ہوا مال

اقتباسات تھے یا ترجمہ تھا یا تقلید
اور ملکوں کی تصانیف تھیں ان سب کی کلید

مشغلے اور بھی بہتیرے تھے بے حد و شمار
ان کی تفصیل میں قاصر ہے زبانِ گفتار

مگر اس بات کو میں دیکھ کے حیران ہوا
یعنی جس شخص کا جو شغل تھا یا مشغلہ تھا

تھی اُسی کو یہ شکایت کہ نہیں لگتا دل
سعی تھی اس کی شب و روز کی سب لاحاصل

شائقوں کی نظر آئی مجھے جب یہ حالت / میں بڑھا آگے کو ان شغلوں پہ کرتا لعنت

اور بہتیری دکانیں تھیں مگر سب کا حال / شرح اور بسط سے لکھئے تو ہے اک امر محال
کوئی اولاد کی شیدا تھا خریداری پر / جان دیتا تھا کوئی دوستی و یاری پر
یہ بہت چاؤ سے اجناس تو لے جاتے تھے / اکثر ان میں سے مگر روتے ہوئے آتے تھے
ان کی خواہش تھی یہی پھیر دیں سودا اُلٹا / یہ وہ سودا تھا مگر جو کہ نہ پھر سکتا تھا
بعض عادات و مشاغل کی اُلٹ پھیر میں تھے / کوئی آمادہ نہ تھا کرنے کو سودا اُن سے
اپنی اجناس یہ ہر سمت لئے پھرتے تھے / دیکھتے تھے جہاں گاہک کو وہاں گرتے تھے
بعض نسانوں کی تقریر سے دکھو کا کھا کے / مول لیتے تھے عقائد کہ تھے جھوٹے اکثر
ان کو دعوے تھا مگر یہ کہ کھرا ہے یہ مال / اور جو ہم نے خریدا ہے وہ سستا ہے کمال
شائقِ علم بھی آتے تھے نظر سرگرداں / کبھی جاتے تھے یہاں اور کبھی جاتے تھے وہاں
پر لیا بہتوں نے جو علم وہ کچھ نغز نہ تھا / دیکھا جب ان کی کتابوں کو تو کچھ مغز نہ تھا

دیکھتا بھالتا یہ سیر میں آگے جو بڑھا / ایک انبوہِ کثیر ایک دکان پر دیکھا
یہ دکان وہ تھی کہ بکتی تھی نمائش اس جا / یعنی ہر قسم کا دنیا کا دکھاوا یاں تھا
چوک تھا چونکہ فراخ اور کشادہ بازار / یاں پہنچنے میں کسی کو نہ تھی دقّت زنہار
یہی باعث تھا خریدار بکثرت تھے یہاں / اور ہر ایک خریداری پہ اپنی نازاں
جنسِ جو لیتا تھا ایک ایک کو دکھاتا تھا اسے / مدّعا یہ تھا کہ ہر اک مرے تعریف کرے
کوئی کچھ کارِ نمایاں تھے دکھاتے اپنے / کوئی باغات و مکانات بناتے اپنے
کوئی ہر کام میں دیتے تھے برابر چندے / تا کہ یاد ان کو کریں لوگ بھلے چندے
کوئی شادی میں لٹا دیتے تھے دولت اپنی / اور عدالت میں کوئی ثروت و حشمت اپنی

جامہ زیبوں کے نظر آتے تھے یہں غول کے غول
اور باقی تھی بڑا بھاری خود آرائی مول

منعقد یہاں سامان تھے آرائش کے
فرنیچر بکتا تھا اور بکتے تھے بگھی گھوڑے

میں نے بکتے ہوئے دیکھے یہاں ٹیچے مکاں
پختہ کاری کا مگر ان میں نہ تھا نام و نشاں

ان مکانوں میں بہت ہوتی تھی لکچر بازی
اور تقریروں میں ہوا کرتی تھیں لمبی چوڑی

اکثر ان جلسوں میں اصلاح کا نام آتا تھا
اور یہ نام بہت وقت پہ کام آتا تھا

گرچہ تقریر بہت چست ہر اک کرتا تھا
پر عمل کرنے میں کچھ سست تھا اور ڈرتا تھا

کام ہوتے تھے بُرے آڑ میں مذہب کی بہت
نیتیں الٹی ہوئی الٹی ہوئی تھیں سب کی بہت

مصلح قوم بہت گرچہ تھے کہلانے کو
دانت ہاتھی کی طرح ان کے تھے دکھلانے کو

اشتہاروں کی یہاں گرچہ بہت کثرت تھی
جنس جو ملتی تھی ہوتی نہ تھی ہرگز اچھی

کارخانوں سے نکلتا تھا نرا کھوٹا مال
پھر ملاوٹ تھی دکانداروں کی اک وبال

روغن قاز مگر ملتے تھے وہ ہر اک چیز
نظر آتی تھی بہت دلکش و مرغوب و عزیز

ایک ہی شے کو نظر آتا تھا ہر سمت فروغ
اور اس چیز کا گر پوچھیے تو نام دروغ

کان میں پڑتا تھا اس جا بھی غل و شور بہت
اور تکراروں کا آپس میں تھا یاں زور بہت

ایک جرگہ میں زیادہ سی جو تکرار ہوئی
ناگہاں خواب پریشاں سے مری آنکھ کھلی

اُٹھ کے دیکھوں تو نہ بازار کہیں ہے نہ دکاں
نہ خریداروں کا جمگھٹ نہ کہیں نام و نشاں

اپنے کمرے میں اکیلا ہوں میں بستر پہ دراز
پاس کوئی نہیں جس سے کہوں اس خواب کا راز

لیکن اس طرح کے تھے خواب کے سارے نقشے
جاگ اُٹھا تھا نگاہوں میں مگر پھرتے تھے

میں نے سوچا کہ نہیں خواب بشارت ہے یہ
نظم تازہ کے لئے مجھ کو اشارت ہے یہ

آؤ لکھ لیں اسے ہیں مہر نے بھی خواب لکھے
ہم بھی حضرت کو سنائینگے کچھ اشعار اپنے

سیر سراب

مسافر ہے تنہا شتر پر سوار
نہایت پریشاں بہت دلفگار

نہ آرام سے رات سویا غریب
اٹھا تھا یہ کل نصف شب کے قریب

رواں جب سے صحرائے اعظم میں ہے
جہاں دیکھنے کو نہیں کوئی شے

مگر ریگ کا ایک بحرِ رواں
کنارا اس کا پائیں نہ وہم و گماں

چپ و راس کیا اور کیا پیش و پس
جدھر دیکھئے ریگ ہے اور بس

کہیں اونچے اونچے ہیں ٹیلے کھڑے
کہیں ہیں کفِ دست میداں بڑے

ہویدا ہے موجوں کا اُن میں نشاں
ہویدا ہے چلتی ہیں یاں آندھیاں

جب اڑتی ہے صحرا میں گرد اس قدر
کہ آتا نہیں آنکھ کو کچھ نظر

یہ ٹیلے کھڑے رہتے پاتے نہیں
ہیں اُڑ اُڑ کے جاتے کہیں کے کہیں

ہوا میں وہ ہوتا بلا کا ہے زور
قیامت کا آتا ہے کانوں میں شور

کہا گرد کا حال جاتا نہیں
وہ گھُٹتا ہے دم سانس آتا نہیں

شتر ریگ میں کھودتا ہے گڑھا
کہ لے اپنی تھتنی کو اس میں چھپا

چھپاتا ہے چادر میں منہ کو سوار
وہیں بیٹھ جاتا ہے زار و نزار

کہاں لینے دیتی ہے ریگ ان کو دم
نہیں کھیت رہتے ہیں دونو بہم

غرض ہڈیوں سے ہے صحرا سفید
رکھے کوئی جینے کی کیونکر امید

مسافر کے دل میں ہیں ایسے خیال
نہایت زبون اور پریشاں ہے حال

اکیلا ہے پہنائے صحرا میں ہائے
وہ صحرا کہ آنکھوں سے دیکھا نہ جائے

پرندہ تلک پر نہیں مارتا
کہاں آدمی زاد کا واں پتا

وہ بہت ساندنی پہ چلا جا رہا	اور اک ہو کا عالم نظر آ رہا
ہے درماندہ خود اور تھکی ساندنی	و لیکن ہے منزل بہت دور ابھی
نہیں یہ بھی معلوم ہے اس کو آہ	کہ سرگشتہ ہے وہ غلط کردہ راہ
کدھر جا رہا ہے کدھر راہ ہے	یہاں تو بس اللہ ہی اللہ ہے
وہ گرمی سے ایسا ہے گھبرا گیا	لبوں پر ہے دم پیاس سے آ گیا
زباں خشک ہے ہونٹ سوکھے ہوئے	کہاں جا کے بے چارہ پانی پیے
پھر اس سب پہ طرہ بلا کی ہے دھوپ	نہ دیکھا کہیں دھوپ کا ایسا روپ
شعاعیں نہ کہیے انہیں مہر کی	نگاہیں ہیں اللہ کے قہر کی
انہیں ہے وہ انساں جہاں سے لاگ	بدن پھونکے دیتی ہیں جس طرح آگ
جلا جاتا کپڑوں سے یوں ہے بدن	زرہ گرم لوہے کی ہے زیب تن
مسافر کا عمامہ گو ہے بڑا	دلے کب یہاں اس سے پورا پڑا
شعاعوں میں حدت ہے اس قسم کی	گھسی جاتی ہیں سر میں بس تیر سی
پھرا جاتا ہے سر نظر خیرہ ہے	زمین و زماں آنکھ میں تیرہ ہے

مسافر ہے جب اس طرح سے نڈھال	نہایت پریشاں بہت خستہ حال
نظر سامنے اس کو آیا یہ کیا	کہ غنچے کی مانند دل کھل گیا
اٹھا کر نظر دیکھتا ہے یہی	کہ منزل ہے آنکھوں کے آگے کھڑی
وہ پانی سے پُر اک بڑی جھیل ہے	نہیں دور کچھ نصف ہی میل ہے
کھجوریں کناروں پہ سایہ فگن	وہ سایہ کہ پانی میں ہے موجزن
مکانوں کا بھی عکس پانی میں ہے	وہ پانی کہ جو خود روانی میں ہے
مکانوں میں پکتا ہے کھانا مگر	دھواں صاف آتا ہے اٹھتا نظر

ہے اس کا بھی پانی میں سایہ پڑا
نظر ہو بہو آنکھ کو آ رہا

کناروں پہ ہیں اونٹ بھی کچھ کھڑے
مزے سے ہری گھاس چر رہے ہے

کوئی قافلہ بھی ہے یاں خیمہ زن
پڑے پھرتے ہیں ہر طرف مرد و زن

ہے گھوڑوں کو پانی پلاتا کوئی
کھڑا ہو کے دانہ کھلاتا کوئی

عجب لطف رکھتا ہے سبزہ یہاں
عجب لطف رکھتا ہے آب رواں

اُسے دیکھ کر آئے آنکھوں میں نور
اِسے دیکھ کر جان و دل میں سرور

مسافر اگرچہ ابھی دور ہے
سرورِ دلِ زار موفور ہے

وہ پہنچے کا پہنچا ہے دم میں وہاں
کھجوریں نظر آ رہی ہیں جہاں

اُٹھاتا ہے خوش خوش شتر کی مہار
کہ چل طے ہوئی منزلِ ناگوار

مصیبت کہاں ریگ اور دھوپ کی
کہاں سبزہ و آب کی تازگی

چل اب میری پیاری قدم تو بڑھا
وہ منزل ہے کہتی تجھے مرحبا

وہاں چل کے بھر پیاس پانی تو پی
وہاں چل کے چر گھاس تازہ ہری

مجھے بھی نہایت ستاتی ہے پیاس
مگر اب نہیں کچھ مرا دل اُداس

چل اب چلکے پانی پیوں میں بھی واں
کہ آئے میری جانِ محزون میں جاں

وہاں چل کے کھانا بھی کچھ کھاؤں میں
وہاں چلکے آرام کچھ پاؤں میں

پیوں چلکے دو ایک قہوہ کے جام
تھکن راستے کی اتاریں تمام

وہاں میرے ہمجنس انسان ہیں
وہاں تیرے ہمجنس حیوان ہیں

وہاں چلکے ہمجنس سے تو ملے
وہاں چل ملوں میں بھی ہم جنس سے

کہوں آدمی زاد سے حالِ دل
مرے دل کی جس سے کلی جائے کھل

اُٹھائی ہے تکلیف صحرا بہت
بہت طے کیا تو نے رستا بہت

مگر بعد تشویش آرام ہے — تکان کا بھی تو انجام ہے
جو میں کلفتیں راہ کی سب تمام — رہیگا اب آرام سے تجھ کو کام
بس اس طرح خدمت کرونگا تری — اُتر جائیگی سب تھکن راہ کی

سوار اس طرح سے جو جب شاد کام — شتر کس طرح سے نہ ہو تیز گام
خوشی کا سبب یہ کعبہ تھا سو وہ — کہ ہوتا ہے خوش ایک سے دوسرا
نہایت ہی دلشاد ہے سانڈنی — سنیں چونکہ باتیں بہت پیار کی
قدم تیز کیسا اُٹھاتی ہے وہ — بڑی تیز گامی سے جاتی ہے وہ
سوار اس کو شاباش ہے دے رہا — سواری کے بیٹھا مزے لے رہا
مگر کیا غضب ہے کھڑی پھر ہوئی — اسی طرح منزل ہے آگے کھڑی
ذرا بھی نہیں کم ہوا فاصلہ — شتر گو بہت تیز ہے جا رہا
نظر آرہی ہے اُسی طرح جھیل — اور اُس کا وہی فاصلہ نصف میل
کھجوریں کھڑی ہیں اُسی طرح واں — اُسی طرح ہر شے ہے جلوہ کناں
سوار آنکھ ملتا ہے کیا ہے یہ راز — ہوئی کس طرح راہ اُتنی دراز
نظر کا تو میری نہیں کچھ قصور — کہ نزدیک کی چیز سمجھا ہوں دور
پھر آنکھیں وہ ملتا ہے پھر دیکھتا — خدایا ہوا کیا نزولِ بلا
نہیں میری آنکھوں کا ہرگز قصور — ابھی مجھ سے منزل ہے اُتنی ہی دور
یہی دل میں آتا ہے اسکے خیال — کہ ممکن نہیں دیکھتا ہوں جو حال
مگر میرا اندازۂ اوّلیں — غلط تھا سو اس کے چارہ نہیں

اُٹھاتا ہے پھر وہ شتر کی مہار — کہ پہنچے جہاں جھیل ہے خوشگوار

نظر سے ہے وہ فاصلہ ماپتا
کہ دھوکا نہ پھر ہو کہیں دوسرا

تہِ دل سے اب اسکو یہ ہے یقیں
غلط میرا اندازہ اس دم نہیں

ہیں پہنچے کا پہنچا ہوں میں یہاں
اسی طرح گر سانڈنی ہے رواں

سہارا ہے امّید اسے دے رہی
کہ مشکل تری حق نے آسان کی

تکالیف سے پُر ہے راہِ سفر
اسی واسطے تو سفر ہے سقر

مگر اب صعوبت کا انجام ہے
چل اے شخص منزل پہ آرام ہے

جب امّید کی اس کو ڈھارس ہوئی
سکوں سا طبیعت میں آئے نہ کیوں

وہ خوش خوش ہے بیٹھا چلا جا رہا
کہ منزل کے نزدیک ہوں آ رہا

مگر ہو گئی اور بھی اک گھڑی
اسی طرح منزل ہے آگے کھڑی

نظر آ رہی ہے اسی طرح جھیل
اور اس کا وہی فاصلہ نصف میل

نہایت ہی حیراں ہے، دل میں سوار
کہ یارب ہوئی کیا بلا رد بکار

گھڑی ایک کیا ختم دو ہو چکیں
ہوئی راہ لیکن ابھی طے نہیں

ستم ہے کہ تھوڑی ہے یہ سرزمیں
مگر ختم ہونے میں آتی نہیں

ستم ہے کہ منزل ہے پیشِ نظر
نہیں ہے وہاں لیک میرا گزر

غرض اسکو حیرت بہت سخت ہے
نہایت پریشاں وہ کمبخت ہے

نہیں چونکہ اس جھیل تک دسترس
شتر پر خفا ہو رہا ہے وہ بس

کبھی اس کو دیتا ہے وہ گالیاں
کبھی لکڑیاں مارتا ہر زماں

کلامِ عتاب اور لکڑی کی مار
شتر کو ہے مہمیز پائے سوار

ولے چونکہ پہروں سے ہے چل رہی
نہایت ہی درماندہ ہے سانڈنی

قدم تیزیوں تو اٹھاتی ہے وہ
مگر ٹھوکریں سخت کھاتی ہے وہ

اس اثنا میں جو ایک ٹھوکر لگی … تو وہ منہ کے بل ریگ پر آ رہی
مسافر بھی اک گرا ساتھ ہی … گرے چھت سے جیسے کوئی آدمی
گرا اس طرح سے جو وہ لوٹ پوٹ … لگی بازوے راست میں سخت چوٹ
نہیں چوٹ کا لیک اس کو خیال … نہیں اپنی تکلیف سے جی نڈھال
اٹھا تا کہ اُڈکر شتر کو اٹھائے … پہنچ جس طرح سے ہو منزل پہ جائے
کہ بس تھی مگر اس طرح سانڈنی … کہ اب گر کے ہرگز نہ وہ اٹھ سکی
مسافر کے چھکے گئے آہ چھوٹ … جو دیکھا کہ اس کی گئی ٹانگ ٹوٹ
کرے تو کرے کیا کہ تنہا ہے ہائے … اکیلا ہے اور بہن صحرا ہے ہائے
اسے اپنی حالت پہ افسوس ہے … وہ حالت کہ جینے سے مایوس ہے

یہ ہے حالتِ زار اس کی مگر … پڑی سامنے کی طرف جب نظر
تو دیکھا کہ منزل ہے آگے کھڑی … دکھاتی اسی طرح رونق بڑی
وہی اس کا نظّارہ حیرت فزا … وہی منظرِ دلکش و خوشنما
نظر آ رہی ہے اُسی طرح جھیل … اور اُس کا وہی فاصلہ نصف میل
ہوئی دیکھ کر اس کو ایسی خوشی … کہ ہمت بندھی اور ڈھارس بندھی
گیا بھول بازو کی وہ چوٹ سب … کہ پہنچا وہاں پا پیادہ میں اب
شتر کو وہیں چھوڑ اس نے دیا … چلا اور منزل کا رستا لیا
اُٹھائے قدم وہ چلا تیز تیز … کرے جیسے دشمن سے کوئی گریز
مگر کیا کرے ہے بہت دل حزیں … قدم ریگ میں تیز اُٹھتا نہیں
وہ ہمت سے ہے گو چلا جا رہا … مگر پیاس سے لب پہ دم آ رہا
اسے دھوپ بھی ہے ستاتی بہت … تمازت بھی ہے جان کھاتی بہت

ولے چونکہ منزل ہے پیشِ نظر
نہیں ہے کسی بات کی کچھ خبر

اُٹھاتا ہے وہ یوں قدم سوئے آب
شرابی چلے جیسے پیکر شراب

کئی بار وہ راہ میں ہے گرا
کئی بار اٹھ کر ہے آگے چلا

ولے اس طرح سے گرا اب کی بار
اٹھائے نہ اُٹھّے کبھی زینہار

مسافر کا تُو نے پڑھا سارا حال
ہے اب مہر یہ تجھ سے میرا سوال

سمجھ میں بھی آیا تری ماجرا
مسافر ہے وہ کون صحرا ہے کیا

مسافر ہے صحرائے دنیا میں تُو
تجھی کو ہے منزل کی بس آرزو

وہ منزل ہے کہتے ہیں جسکو خوشی
اور ایسی خوشی ہو نہ زائل کبھی

خوشی چاہیئے تجھ کو وہ لایزال
کہ دیکھے نہ زنہار روئے زوال

ولے تُو نے صحرائے دنیا میں آہ
بُری طرح ناداں غلط کی ہے راہ

جسے تُو نے سمجھا ہے منزل کا آب
وہ ہے بے خبر محض موجِ سراب

خوشی کا نہیں گھر کبھی تیرا گھر
خوشی کا نہ باعث ہیں زن اور پسر

خوشی کب ملی دولت و مال میں
خوشی کب ملی ایسے جنجال میں

خوشی عزّت و جاہ میں ہے کہاں
خوشی خیل و بنگاہ میں ہے کہاں

خوشی نام و شہرت میں ملتی نہیں
خوشی تن کی صحت میں ملتی نہیں

یہ صحرائے دنیا کے ہیں سب سراب
نظر آرہے تجھ کو مانندِ خواب

عبث دوڑتا انکے پیچھے ہے تُو
عبث ہے خوشی کی تجھے آرزو

خوشی تجھ کو دنیا میں ملتی نہیں
خوشی کی نہیں مہر یہ سرزمیں

خوشی چاہیئے لایزالی اگر
تو اللہ سے لو لگا بیٹھ کر

ظہورِ ذاتِ پاک

سکوں کا وقت ہے اسدم زوالِ رحمت ہے
سماں ہے رات کا ہر سو نزولِ رحمت ہے

اٹھا تھا ابرِ سیہ شام ہونے آئی جب
سیاہی اسکی بھی ہے ہمکنارِ ظلمتِ شب

سوادِ لشکرِ ابرِ سیہ نے گھیرا ہے
جہاتِ ستہ میں چھایا ہوا اندھیرا ہے

ادھر ہے رات اُدھر ابرِ سیاہ اسکے ساتھ
سماں ہے وہ نظر آتا نہیں ہے ہاتھ کو ہاتھ

صدائے رعد کی ہے گوش زد کڑک اسطرح
ہزار توپ کی باڑ ایک دم چھُٹے جس طرح

برستا مینہ چھما چھم ہے خوب زور کے ساتھ
جہاں میں آج ہوا چل رہی ہے شور کے ساتھ

غرضکہ رات ہے اور اسکے ساتھ بارش و باد
اندھیرا ایسا ہے آتا ہے بس خدا ہی یاد

کبھی جو اس شبِ تاریک میں چمکتی ہے برق
دکھائی دیتے ہیں پُر نور اس سے غرب اور شرق

خیال آتا ہے دل میں عجیب ہے یہ نور
عجیب طرح جہاں میں دکھا رہا ہے ظہور

کہا جو برق سے میں نے ذرا بتا مجھ کو
عطا کہاں سے ہوئیں یہ تجلیاں تجھ کو

ڈھلا ہے نور کے سانچے میں تن بدن تیرا
ہمارے دل پہ بھی ہو راز مبرہن تیرا

کہا یہ برق نے مجھ سے کہ میں نہیں کوئی شئے
ظہور مجھ میں فقط ایک ذاتِ پاک کا ہے

چمک اُسی کی ہے مجھ میں دمک اُسی کی ہے
نہیں ہے مجھ میں کوئی شئے سب جھلک اُسی کی ہے

جوابِ برق کا سن کر ہوا مجھے سکتہ
وہ بیخودی ہوئی کچھ عرض کر نہیں سکتا

نہ ہوش آیا بہت دیر تک رہا بے ہوش
شراب پی کے کوئی جس طرح سے ہو خاموش

کھلی جب آنکھ تو کچھ اور ہی سماں دیکھا
کچھ اور رنگ سے نیرنگ آسماں دیکھا

وہ ابر و باد کا اب چرخ پر نہیں ہے مصاف
کھلا ہے ابرِ سیہ اور ہوا ہے مطلع صاف

دکھا رہے ہیں بہار آسمان پر تارے
کوئی ہیں ان میں ثوابت کوئی ہیں سیارے

کہا یہ میں نے ستاروں سے ظلمتِ شبِ تار
تمہارے روئے منوّر سے ہے فنا فی النّار

غلط ہے میں جو کہوں تم کو کرمکِ شب تاب
تم آسمان کی آنکھیں ہو بے شمار و حساب

فلک پہ جب نہیں ہوتا ہے ماہ و خور کا ظہور
جہاں میں روشنی کرتا ہے بس تمہارا نور

مسافروں کا ہو دل کیوں نہ تم سے وابستہ
تمہیں دکھاتے ہو صحرا و بحر میں رستہ

مسافروں کے لئے ہی نہ تم غنیمت ہو
تم آسمان کی چھت کی بھی زیب و زینت ہو

کہیں چراغ کی مانند تم درخشاں ہو
کہیں بسانِ قنادیل نورِ تاباں ہو

کہا ستاروں نے مجھ سے کہ ہم نہیں کوئی شے
ظہور ہم میں فقط ایک ذاتِ پاک کا ہے

چمک اُسی کی ہے ہم میں دمک اُسی کی ہے
نہیں ہیں ہم کوئی شے سب جھلک اُسی کی ہے

نہ ختم ہونے میں آئی تھی یہ ابھی تقریر
کہ شرق میں نظر آئی مجھے عجب تنویر

تمام عرصۂ مشرق تھا اس طرح روشن
کہ آگ لگنے سے جس طرح دہکے بن کا بن

ہوا طلوع سرِ چرخِ پیر ماہِ منیر
بنے زمین و زماں اس سے نور کی تصویر

ہوا جو نور فشاں آسماں کے اوپر چاند
تمام روشنی تاروں کی ہوگئی بس ماند

مہِ منیر کا جلوہ تھا یوں ستاروں میں
سپاہدار کوئی جس طرح سواروں میں

مہِ منیر ستاروں میں یوں تھا جلوہ فگن
امیروں اور وزیروں میں جیسے شاہِ زمن

ہوا بلند تو یوں روشنی نظر آئی
جہاں میں نور کی چادر بچھی نظر آئی

وہ نور اس کا کہ آنکھوں کو بخشتا تھا نور
وہ نور اس کا کہ آتا تھا اس سے دل میں سرور

سرور و نور سے پُر دل کا جب ایاغ ہوا
میں دیکھ دیکھ کے خوش اور باغ باغ ہوا

کہا میں نے کہ اے چاند تجھ پہ رحمت ہو
تری ضیا سے سکون و سرور ہے دل کو

مگر ضیا تری عارف کا فیضِ صحبت ہے
سکوں ہے دل کو سکّن مری طبیعت ہے

کہا یہ ماہ نے مجھ سے کہ میں نہیں کوئی شے
ظہور مجھ میں فقط ایک ذاتِ پاک کا ہے

چمک اُسی کی ہے مجھ میں دمک اُسی کی ہے
نہیں ہوں میں کوئی شے سب جھلک اُسی کی ہے

مسکّن ایسا ہُوا چاندنی میں میرا دل
کہ خواب نے مجھے دنیا سے کر دیا غافل

خبر نہیں کہ میں سویا پڑا رہا کب تک
مگر جب آنکھ کھلی اور دیکھا سوئے فلک

نہ آسمان پہ تارے تھے اور نہ ماہِ منیر
وہ دریچۂ خاور تھا نور کی تصویر

اگرچہ خسروِ خاور ابھی نہ نکلا تھا
ضیا سے اس کی مگر شرق میں اُجالا تھا

سماں تھا ایسا سہانا سکوں کا وہ عالم
بیان کر سکے اس کو نہیں مجالِ قلم

میں دیکھتا رہا کچھ دیر تک کھڑا حیراں
طلوعِ مہرِ جہانتاب کا عجیب سماں

نکالا خسروِ خاور نے سر جو مشرق سے
تو آسمان و زمیں نور سے چمک اُٹھے

شعاعِ مہرِ جہانتاب سے زمین و زماں
پہن کے خلعتِ نور الغرض ہوئے تاباں

کہا یہ میں نے کہ اے آفتابِ عالمتاب
ترے ہی دم سے ہے آباد یہ جہانِ خراب

ترا ہی نور ہر اک ذی حیات کی جاں ہے
ترے ہی نور سے یاں زندگی کا ساماں ہے

ہر ایک چیز کی نشو و نما تجھی سے ہے
غرض قیام ہر ایک چیز کا تجھی سے ہے

کہا یہ شمس نے مجھ سے کہ میں نہیں کوئی شے
ظہور مجھ میں فقط ایک ذاتِ پاک کا ہے

چمک اُسی کی ہے مجھ میں دمک اُسی کی ہے
نہیں ہوں میں کوئی شے سب جھلک اُسی کی ہے

سماں تھا دلکش و زیبا سماں تھا روح فزا
ہُوا یہ شوق کہ نظارہ کیجے گلشن کا

وہاں جو پہنچا تو گلزار تھا وہ خوش منظر
کہ اک طلسم کا نقشہ تھا میرے پیشِ نظر

فضائے صحنِ چمن میں ہُوا تھی عنبر بیز
سمندِ شوق کے حق میں بجائے خود مہمیز

پرند بیٹھے سرِ شاخ چہچہاتے تھے
ثنا و حمدِ الٰہی کے گیت گاتے تھے

کوئی درخت پھلوں سے لدا کھڑا تھا وہاں — کسی میں پھول کھلے تھے کسی میں تھیں کلیاں
غرضکہ لطف تھا ہر سمت رنگ کا بو کا — مزید اُس پہ مزا طائروں کی کوکو کا
شجر ثمر گل و طائر سے سب سے میں نے کہا — یہ ہاتھ اٹھا کے تمہیں دے جزائے خیر خدا
تمہارے رنگ میں ہے اس طرح درخشانی — کہ شرمسار ہے الماس و لعل رمانی
تمہاری صورتِ زیبا ہے دلکش و مرغوب — تمہاری وضع بہت دلفریب و خوش اُسلوب
تم اس جہاں میں بڑا نیک کام کرتے ہو — جو غمزدہ ہو اُسے شاد کام کرتے ہو
کہا اُنھوں نے یہ مجھ سے کہ ہم نہیں کوئی شئے — ظہور ہم میں فقط ایک ذات پاک کا ہے
چمک اُسی کی ہے ہم میں دمک اُسی کی ہے — نہیں ہیں ہم کوئی شئے سب جھلک اُسی کی ہے

پھرا جو باغ سے گھر کی طرف میں با دلِ شاد — ہر ایک بات وہ رہ رہ کی مجھ کو آئی یاد
کلامِ برق کا تاروں کا ماہِ روشن کا — کلامِ مہر کا اور طائرانِ گلشن کا
خیال میری طبیعت میں بار بار آیا — کہ کائنات کا جتنا ہے کُل یہ سرمایہ
نہیں ہے چیز کوئی ماسوائے صورت و نام — جو دیکھے دیدۂ بینا اسے بغور تمام
نہیں ہے چیز جمادات کچھ نہ کچھ حیواں — نہیں ہے چیز نباتات کچھ نہ کچھ انساں
سوائے اسکے کہ ہیں نام جن کو کان سنیں — اور ایسی صورتیں آنکھوں سے جن کو ہم دیکھیں
تمام عالمِ امکان و عالمِ اسباب — برائے دیدۂ بینا ہے مثلِ عالمِ خواب
کہا ہے خواب جسے وہ بھی ایک دنیا ہے — وہاں بھی نام کا اور صورتوں کا جلوہ ہے
غرض عوام کی نظروں میں جو ہے بیداری — وہ عارفوں کی نگاہوں میں خواب ہے ساری
وہاں ہے جس طرح خلاق خواب بیں کی نظر — اُسی طرح پسِ پردہ ہے یاں بھی بازیگر
اُسی کا ہے یہ تماشہ اُسی کا جلوہ ہے — یہی سبب ہے کہ اے مہر جس سے پوچھا ہے
کہا اسی نے یہ مجھ سے کہ میں نہیں کوئی شے — ظہور مجھ میں فقط ایک ذاتِ پاک کا ہے

چمک اُسی کی ہے مجھ میں دمک اُسی کی ہے
نہیں ہوں میں کوئی شے سب جھلک اُسیکی ہے

تازیانۂ ہوس

تھا ملک گدہ میں اک شہنشاہ
کیواں رتبہ سپہر درگاہ

لشکر مور و ملخ سے افزوں
مانندِ ستارگانِ گردوں

فیلانِ مست کوہ پیکر
گھوڑے خوش رنگ پاک گوہر

شیرانِ وغا تھے افسرِ فوج
تھی فوج بذاتِ خود ظفر موج

لقمان تھا ہر وزیر اُس کا
قاروں تھا ہر اک امیر اُس کا

خوشحال تھی ملک میں رعایا
نقشہ تھا وہ عدل نے جمایا

تاجر جتنے تھے سب غنی تھے
خوش کسبِ کمال کے دھنی تھے

کیسہ دہقان کا بھی پُر تھا
ہر کھیت تھا سیم و زر اُگلتا

آباد تھے شہر ملک آباد
رہنے والا ہر ایک دل شاد

سیم و زر سے تھا پُر خزانہ
دولت کا نہ اُس کی تھا ٹھکانا

قلعے سنگیں محل تھے سنگیں
ہیروں کی جڑت سے لوزاگیں

تخت و کرسی ظروف و زیور
تھے باعثِ رشک کانِ پُر زر

گھر حسن کا ہر محل سرا تھی
بیگم ہر ایک مہ لقا تھی

حق نے فرزند بھی دئے تھے
جو حسن ادب لئے ہوئے تھے

بھرپُور تھا خاندانِ شاہی
اور ایک پہ دوسرا مباہی

اسبابِ نشاط جا بجا تھے
باغات شکار اور جلسے

ارباب کمال اپنے جو ہر	دکھلاتے تھے ہر ہنر میں آکر
ہر شام تھی عید ہر سحر عید	محفل تھی ہر ایک قابلِ دید

ہر چند کہ کچھ نہ تھا اُسے فکر	دربار میں ایک دن ہُوا ذکر
اقبال فزوں حضور کا ہو	دن دونا رات چوگنا ہو
لشکر دولت مکان باغات	شہرت عزّت غرضکہ ہر بات
ہے فضلِ خدا سے سب مُیسّر	کوئی نہیں آپ کے برابر
ہیں باج گزار آپ کے شاہ	اختر ہیں وہ اور آپ ہیں ماہ
سکّہ کل ہند میں ہے جاری	قبضے میں ہے سرزمین ساری
یہ سلطنتِ وسیع و پُرزر	کمتر شاہوں کو ہے مُیسّر
کچھ کیجئے اور تاکہ ہو نام	ہوں اوروں سے بڑھکے آپکے کام
نیپال کو چل کے فتح کیجے	راجہ سے ملک چھین لیجے
ہیں سر بفلک پہاڑ اُس جا	کوئی اب تک وہاں نہ پہنچا
یہ فتح کہ روبکار ہو گی	تاریخ میں یادگار ہو گی
پھر یہ بھی حضور پر ہے روشن	مخزن ہے کوہ بہرِ معدن
واں ہونگے لعل اور جواہر	کان پُرسیم وکان پُرزر
جو خرچ کہ اِس مہم میں ہوگا	لے لیجے ہزار چند اُس کا
انجم سے فزوں ہے شہ کا لشکر	آباد خزانہ ہائے پُرزر
ہو بہرِ جنگ حکمِ عالی	یہ عرض نہ جانے پائے خالی

شہ نے بھی رائے پر کیا صاد	تحریک تھی نیک دل سے دی داد

سوچا کہ ہے اپنا نام اس میں   اور نام کے ساتھ کام اس میں
تیارئ جنگ کا کیا حکم   ہر امر کو سوچ کر دیا حکم
دنیا میں ہے زر طلب مہمات   آسانی سے ہو گئی ہر اک بات
وہ فوجِ بے کرانِ شاہی   آخر ہوئی بہرِ جنگ راہی
ہاتھی گھوڑے سوار پیادے   توپیں وہ کہ توڑ دیں ارادے
پل بندھ گئے دم کے دم میں یکسر   دشوار گزار راستوں پر
دریا کے چڑھاؤ کی طرح سے   یہ فوج بھلا جہاں سے گزرے
رہنا کیا اس جگہ ہے باقی   تھے گاؤں کے گاؤں دم میں خالی

بھاگے بیچارے سب پہاڑی   سمجھے قزاق ہیں یہ دھاڑی
کب دیکھے ہیں ایسے بیکسوں نے   افواج بے کراں کے حملے
پہنچے راجہ کے پاس گریاں   با حالِ زبون و نفس بریاں
کندھوں پہ تھے چھوٹے چھوٹے بچے   پاؤں میں پڑے تھے سب کے چھالے
اسباب کے ٹوکرے کمر پر   صد داغِ الم دل و جگر پر
بھوکے پیاسے غریب نالاں   بے گھر بے خانماں پریشاں
دی جا کے عرض وہاں دہائی   فریاد بلا ہے ہم پہ آئی
دیکھی نہیں آنکھ نے جو آفت   کانوں نے سنی نہ جو مصیبت
وہ ہم پہ ہوئی ہے آج نازل   حل کیجیے ہماری سخت مشکل

راجہ نے فوج کی اکٹھی   دشمن کے مقابلے کو بھیجی
بیچارے پہاڑیوں سے لیکن   کب شہ کا مقابلہ تھا ممکن

بندوق اُنہوں نے کب تھی دیکھی | توپوں کی گرج کہاں سنی تھی
دو چار ہی ہونے پائے تھے فیر | بہتیرے ہو گئے فلک سیر
باقی جو تھے سمت شہر بھاگے | اور ایک سے ایک اُن میں آگے

جب دیکھا مقابلہ ہے بے سود | مطلوب نہ اس سے کچھ ہے مقصود
پیرانِ کہن کی اک کونسل | راجہ نے جمع کی بمشکل
حرفِ مطلب زباں پہ لایا | یہ ہمیں ہے کیا وبال آیا
یہ خصم قوی ہے ہم ہیں کمزور | ناری ہیں دیو ساتھ پُر شور
اک دم میں ہزار کو اڑا دیں | ہم دادِ مقابلے کی کیا دیں
اب اس میں صلاح ہو جو سب کی | کیجائے وہ بات جو ہو ڈھب کی
جس طرح ہو اس بلا کو ٹالو | دشمن کو کسی طرح نکالو

اُٹھا اک پیر خرقہ پوشاں | سرکردۂ بزم تیز ہوشاں
پیری نے منڈھی تھی سر پہ چاندی | دانائی تجربے نے دی تھی
تھا ہند کی جاترا کر آیا | واں اُس نے پڑھا تھا اور پڑھایا
واں اُس نے نگدھ کی سیر کی تھی | دولت تھی بے قیاس دیکھی
بولا ہے طلسم پاس میرے | آتی نہیں پاس یاس میرے
ہے مجھ کو یہ امیدِ کامل | اس کی برکت سے حل ہو مشکل
ٹل جائے بلائے ناگہانی | خوش اپنی بسر ہو زندگانی
دو مجھ کو برائے شہ تحائف | پھر تم نہ رہو گے اُس سے خائف
جو جو مانگا دیا سب اُس کو | راجہ نے کمال مطمئن ہو

سب تحفہ و پیش کش کو لے کر | آیا بُڈھا بسوے لشکر

دربار میں شاہ نے بُلایا | عزت سے سفیر کو بٹھایا
تحفے بُڈھے نے آگے رکھے | لیکن وہ عجیب طور کے تھے
خرس و آہو کی چند کھالیں | پشمینے کی موٹی جھوٹی شالیں
کچھ پشم بُز کی لوئیاں تھیں | سادی کوئی اور کوئی رنگیں
اخروٹ کے تیل کا قرابا | چلغوزوں کا کچھ مہین آٹا
موٹے جھوٹے ظروف چوبی | کہسار کی کچھ عجیب بوٹی
جو چیز غرضکہ پیش کش کی | اُس سے تھی مفلسی برستی

پھر ہاتھ کو باندھ کر یہ کی عرض | اے حضرتِ شاہ میرا ہے فرض
جو بات ہے راست سب بتاؤں | تا یاں سے نہ شرمسار جاؤں
ہم لوگ غریب ہیں پہاڑی | ہوتا نہیں یاں اناج تک بھی
موٹا ہے پہنا موٹا کھانا | یاں اور نہیں کوئی ٹھکانا
ناحق تکلیف خود اُٹھائی | کی ہم پہ جو آپ نے چڑھائی
بخ بستہ ہیں چوٹیاں ہماری | دشوار گزار راہ ساری
جز سنگ نہیں یہاں کوئی شے | ہاں بوٹیوں کا یہ ملک بن ہے
جو چاہیں بس حضور کا ہے | اس ملک میں پر دھرا ہی کیا ہے
جان بخشئے ایک بیکسوں کی | بس عرض یہی ہے بےبسوں کی
دعوے نہیں یاں مقاومت کا | ہم ہیں دریشہ پہ ناصیہ سا

اس بات پہ شہ نے ترس کھایا
اس حال پہ سخت رحم آیا

فرمایا سخن ہے تیرا معقول
معروض تری ہے ہم کو مقبول

پھر دیکھینگے عہد اور شرطیں
الطافِ شہنشہی دکھالیں

کہہ شاہ سے اپنے ہو نہ خائف
لے ساتھ سفیر اور تحائف

یہ کہہ کے ذرا کیا اشارا
خیمہ تحفوں سے پُر تھا سارا

اسباب نفیس و بیش قیمت
شہروں کے نمونہائے صنعت

زیور کپڑے ظروف آلات
بڑھ کر اک دوسرے سے ہر بات

جگمگ جگمگ تھے خوان کرتے
تعریف تھے مدح خوان کرتے

شہ نے کیا حکم اِن کو لیجاؤ
راجہ کو میری طرف سے پہنچاؤ

گردن پھر پیر نے جھکائی
یہ سوچ کے بات اب بن آئی

بولا اے ہند کے شہنشاہ
اس سے بھی فزوں ہو عزّت و جاہ

ہیں آپ کی شان کے ہی شایان
اجناس گراں بہا کے یہ خوان

اتنا بھی نہیں ہمیں سلیقہ
کس کس کام آتی ہیں یہ اشیا

اِن کو پاس اپنے رہنے دیجے
کچھ اور عطا ہمیں تو کیجے

شہ نے کہا مانگتا ہے تُو کیا
بڈّھے نے کہا ذرا سا سونا

سونا اس ملک میں نہیں ہے
خواہش ہے یہی جہاں کہیں ہے

خلقت جس چیز پہ ہے مفتوں
ہوتے ہیں جس کے واسطے خوں

ہم بھی دیکھیں وہ چیز کیا ہے
اچھی ہے کہ یا بُری بلا ہے

درگاہ سے کچھ مجھے عطا ہو
دکھلاؤنگا شہر جاکے سب کو

یہ سُن کر شاہ مسکرایا
درباریوں کو تعجب آیا

بولا یہ زیور اور سکّے
سونے کے ہیں جتنے چاہے لے لے

اُس نے کہا چاہئے ذرا سا
درکار نہیں مجھے زر اتنا

بٹ دیتا ہوں اس کو آپ لیجے
سونا ہم وزن کر کے دیجے

کیسے میں یہ کہہ کے ہاتھ ڈالا
ڈبّا اس میں سے اِک نکالا

کپڑے کی تہ کو جب کہ کھولا
نکلا ہڈّی کا ایک ٹکڑا

جانچا ہاتھوں سے اُس کو شہ نے
ہوگا کوئی پانچ سات ماشے

ہنس کر کہا کوئی لاؤ کانٹا
دو ہیر کو وزن کر کے سونا

انگلی سے انگوٹھی اک نکالی
پلڑے میں بدست خویش ڈالی

اونچی رہی لیک وہ انگوٹھی
پاڑا رہا استخواں کا بھاری

ڈالی انگشترئے دیگر
غالب رہی استخوان اُن پر

ابزادے مُہر سے بھی اصلا
اُس کا پاڑا ہوا نہ اونچا

شہ نے کہا اِس میں کچھ ہے جادو
لاؤ کوئی بڑی ترازو

توڑے رکھے اس میں اشرفی کے
اس میں رکھے زیوروں کے ڈبّے

برتن رکھّے کہ تھے وہ بھاری
اینٹیں جتنی تھیں رکھیں ساری

لیکن ہڈّی طلسم کی تھی
سب پر غالب رہی اکیلی

شور ہل من مزید اُس کا
دوزخ کی آگ کی طرح تھا

تھی شاہ زماں کو سخت حیرت
اونچا نہ ہوا سر خجالت

پوچھا بڈھے سے بھید ہے کیا
وہ شاد ہو مسکرا کے بولا

پوری اتریگی اور نہ اُتری
ہڈّی ہے یہ ہوس کے سر کی

ایسے ایسے ہزار ٹکڑے ہیں اور ہوس کی کھوپری کے
اقبال فزوں حضور کا ہو دن دونا رات چوگنا ہو
لشکر دولت مکان باغات شہرت عزت غرضکہ ہر بات
ہے فضل خدا سے سب میسّر کوئی نہیں آپ کے برابر
ہیں باج گزار آپ کے شاہ اختر ہیں وہ اور آپ ہیں ماہ
سکّہ کل ہند میں ہے جاری قبضے میں ہے سرزمین ساری
یہ سلطنتِ وسیع و پُر زر اکثر شاہوں کو ہے میسّر
اِس پر بھی ہوس بھری ہے سر میں لے لوں جو کچھ ہے بحر و بر میں
تھوڑی ہیں آدمی کی حاجات گر صبر کرے تو کچھ نہیں بات
لیکن نہیں انتہا ہوس کی وہ چیز ہے یہ کبھی نہ بس کی
شورِ ہل من مزید اس کا دوزخ کی طرح سے کب ہے تھمتا

بڈّھا تو ہوا یہ کہہ کے چُپکا آنکھیں کھلیں شہ کو ہوش آیا
سمجھا دنیا گزشتنی ہے دولت دو دِن کی چاندنی ہے
آخر سب چھوڑنا پڑیگا پہلے ہی سے چھوڑ دوں تو اچھا
یہ کہہ کے سُنی نہ ایک کی بھی تخت شاہی پہ لات ماری
دربار سے آیا صومعے میں جس طرح کہ مست میکدے میں

توفیق تجھے بھی مہر حق دے
تو بھی یوں ہی ہوس کو چھوڑ دے

نوحۂ وفات

نظم بر وفات رائے بہادر کنہیا لال سابق اکزکٹو انجنیر لاہور

میں نے سنا ہے مہر کہ دنیا سراب ہے
اور آج ہو رہا ہے جو یاں کل وہ خواب ہے

ہاں تجربے کی آنکھ کو کھول اور بہار دیکھ
نیرنگہائے کارگہِ اعتبار دیکھ

مصروف کس طرح ہے ہر اک کاروبار میں
محنت میں جد و جہد میں سودائے یار میں

یاں سب کو کچھ نہ کچھ ہے غرض لگی ہوئی
اور اس کے ماحصل کی تک و دو لگی ہوئی

دفعِ مضار و جذبِ منافع کے چاؤ ہیں
نفع و ضرر اگرچہ خیالی پلاؤ ہیں

آرام چاہتا ہے کوئی کام کوئی نام
اور کہتے ہیں کہ ہے یوں ہی دنیا کا انتظام

ان کا ہے مدعا کہ سپاہی ہوں سورما
اور ان کی یہ ہوس کہ ملے مسندِ قضا

میری یہ آرزو ہے کہ شہرت نصیب ہو
اور تم یہ چاہتے ہو وصالِ حبیب ہو

دولت کی ہے امید کہیں عز و جاہ کی
نفرت کا خوف ہے کہیں چاہت ہے چاہ کی

انجام دیکھئے تو ہے انجامِ کار ہیچ
دنیا ہے ہیچ اور یہ سب کاروبار ہیچ

گویا ہماری ہستئ موہوم خواب ہے
انساں کی زندگی نہیں موجِ سراب ہے

پیدا ہوا جہاں میں رہا کام کر گیا
کاموں سے اپنے آکے یہاں نام کر گیا

جب اٹھ گیا تو خواب کی سی بات ہو گئی
اک دم میں ختم ساری کرامات ہو گئی

اور خواب کیا ہے اک عملِ وہمیہ ہے وہ
گو دیکھ کر یہ کہہ نہیں سکتے کہ کیا ہے وہ

اس میں بھی صورتیں نظر آتی ہیں سر بسر
وہ صورتیں ہیں گو صورِ وہمیہ مگر

دل کی نظر سے دیکھئے اشکالِ مختلف
اقوال اور خیال اور اعمالِ مختلف

بے بود گرچہ اصل میں اُن کی نمود ہے
اس وقت لیک ذہن میں سب کا وجود ہے
جب آنکھ کھل گئی تو نہ ہستی نہ کچھ وجود
بے اصل سب وجود ہے بے بود سب نمود
حالت یہی ہے عالمِ اسباب کی جناب
نظّارہ اس جہاں کا بھی اک طرح کا ہے خواب
اس خواب سے کھلی نہیں لیکن کسی کی آنکھ
جب تک کہ بند ہو نہ گئی آدمی کی آنکھ

گو فلسفہ کہے کہ یہ باتیں غلط نہیں
دل پر کسی کا زور چلا ہے مگر کہیں
یہ جذبہائے دل بھی عجب شے ہیں پُر اثر
جن سے کہ فلسفے کے بھی جلتے ہیں بال و پر
الفت ہے یا کہ رشتۂ قومی ہے یا ادب
لیتے ہیں چٹکیاں سی کلیجے میں آکے سب
اس وقت جبکہ کوئی زمانے سے اُٹھ گیا
اور اس سے اپنا خاص تعلق ہے دیر کا
جس شخص کا کہ فیضِ سخاوت عموم ہے
یا جس کے علم و فضل کی دنیا میں دھوم ہے
یا جو کہ فخر ملک ہے کسبِ کمال سے
یا فخر اپنی قوم کا ہے جاہ و مال سے
یا اپنے خاندان میں جو نیک مرد ہے
اخلاق اور مہر و محبت میں فرد ہے
اپنا عزیز دوست ہے یا ہے بزرگوار
مرجانا ایسے شخص کا کرتا ہے دل فگار
اس وقت فلسفی کی بھی ہوتی ہے چشم تر
لگتا ہے ایسا تیر دلِ بے قرار پر
ایسا ہی آج یاں بھی ہے اک حادثہ ہُوا
ہر شخص رو رہا ہے کہ ہے ہے یہ کیا ہُوا

کیوں آج اہلِ قوم کی چشم اشکبار ہے
کیوں آج ہر بشر بہ دلِ سوگوار ہے
اہلِ برادری کو یہ کس کا الم ہے آج
ہاں کس کا غم ہے آج کہ ہر چشم نم ہے آج
لاہور میں یہ آج قیامت بپا ہے کیوں
چاروں طرف سے نالہ و غم کی صدا ہے کیوں
پژمردگی سی کیوں گلِ عارض میں آگئی
کیوں کائیتھوں کے رخ پہ اداسی سی چھا گئی
عالم کا آہ رنگ دگرگوں ہُوا ہے آج
وہ حادثہ ہوا ہے کہ دل خوں ہُوا ہے آج

کیا سمجھے ہی کیا یہ رنج ہے وہ ملک غم کرے
پنجاب ساتھ ہند کے ملکر الم کرے

آنسو بہائے اس طرح ہر ایک چشم تر
پنجاب ایک اور ہو پیدا زمین پر

ماتم میں اہل ہند ہوں یکسر سیاہ پوش
افغان یاں خراش ہر دل میں ہو خروش

وہ اٹھ گیا زمانہ نا پائیدار سے
جس کا اٹھے نہ رنج دلِ داغدار سے

وہ کون صاحبِ حشم و عزت و کمال
وہ فخرِ قوم رائے بہادر کنھیا لال

اے رائے صاحب آپ یہاں انتخاب تھے
اور خاندان و قوم کے آپ آفتاب تھے

وہ آفتاب جو کہ ہو نصف النہار پر
اپنے کمال اوج پہ اپنی بہار پر

یا تنک کر اس کی اشعۂ نور بار سے
ہر ایک چیز بحر و بر و کوہسار سے

چاندی کی طرح ہو کے مصفا چمک اٹھے
ہیرے کی طرح ہو کے مجلا دمک اٹھے

گو اصل میں وہ روشنئ آفتاب ہے
اس سے ہزار چیز کی پر آب و تاب ہے

ایسے ہی آفتاب تھے بس آپ قوم میں
ایسا ہی آپکا بھی تھا پرتاپ قوم میں

فیض آپ کا یہاں وہ برادر نواز تھا
جسپر کہ بھائیوں کو بجا فخر و ناز تھا

نام آوری میں آپ کی شہرت تھی قوم کی
اور منزلت میں آپ کی عظمت تھی قوم کی

تھے آپ خاندان میں تھے وہ فخر خاندان
جو اپنے فیض و ہمت ذاتی سے بیگماں

کرتے ہیں خاندان کا روشن جہان میں نام
اور اس طرح کہ یاد رکھیں اسکو خاص و عام

اے رائے صاحب آپ کی ہمت عظیم تھی
لازم ہے یہ کہ ہم کریں تقلید آپ کی

جو کچھ کیا وہ اپنے بھروسے پہ آپنے
پہنچی مدد نہ آپ کو غیروں کے ہاتھ سے

ہاں شرط بھی یہی ہے اگر مردِ کار ہو
انساں کا اپنی ذات پہ دار و مدار ہو

ہمت سے اپنی آپنے پیدا کیا کمال
محنت سے اپنی منزلت و عز و جاہ و مال

یاں تک کہ آپ اک بڑے انجینیر ہوئے
اور وہ ہوئے کہ صاحب علم و ہنر ہوئے

جو جو عمارتیں کہ بنائی ہیں آپ نے
یا وہ بنائیں جو کہ اٹھائی ہیں آپ نے

وہ اس طرح کی ہیں کہ زمانِ دراز بھی
انساں کی دست برد کی سب ترکتاز بھی

یا دست برد حادثۂ روزگار کی
اُن کو مٹائیگی تو بہ مشکل مٹائیگی

دیکھینگے ان کو آکے زمانے کے پُرہنر
حیران ہونگے آپ کے کسبِ کمال پر

پھر یہ کہینگے آپ کی ہمّت عظیم تھی
لازم ہے یہ کہ ہم کریں تقلید آپ کی

* * *

صنّاع گو کہ آپ بہت باکمال تھے
ایسے تھے بس کہ آپ ہی اپنی مثال تھے

اور گو کہ اس میں آپنے پیدا کیا ہے نام
منصب لئے خطاب لئے جاہ اور مقام

ان کے سوا جناب میں اک وصف اور تھا
اور وصف وہ کہ تاج ہے اوصاف نیک کا

آپ اس جگہ مصنّفِ عالی مقام تھے
ناثر تھے اور شاعر معجز کلام تھے

بچتا تھا کاروبار سے جو وقت آپکا
اور یہ عیاں ہے وقت زیادہ وہ کچھ نہ تھا

اس پر بھی آپ کی ہیں تصانیف بے حساب
اور اپنی اپنی طرز میں بے مثل و لاجواب

تاریخ اور تصوّف و اخلاق و شاعری
علم ادب حساب ریاضی غرض سبھی

احسانمند آپ کی فکرِ رسا کے ہیں
ممنوں کمالِ جدّت و حسنِ ادا کے ہیں

جس نے کہ قفل کھولا ہے دریاے راز کا
تا جبکہ ناظرین کو فرصت ملے ذرا

بہلائیں دل کو چار گھڑی انکی سیر سے
ماہر ہوں یا نتائج اخلاق و عقل کے

* * *

یہ عزّت و کمال تھا یہ منصبِ بلند
اس پر مزاج آپ کا تھا سادگی پسند

وضع و لباس و عادت و اخلاق اور خو
برتاؤ اور طرزِ معیشت و گفتگو

جو بات آپ کی تھی غرض سادگی لئے
کایتھ بزرگ جیسے کہ پہلے کے ہوتے تھے

اسکی جاہ اور جلال پہ شیخی کی خو نہ تھی — نخوت نہ تھی غرور و تکبر کی بو نہ تھی
مشہور خاص و عام تھے اخلاق آپکے — نزدیک و دور عام تھے اشفاق آپکے
احسان آپ کا نہ تھا ابرِ مطیر تھا — اور فیض یاب اس سے صغیر و کبیر تھا
اربابِ احتیاج کے ہاں آپ دست تھے — شیخی نمود سے نہیں چپ چاپ دوست تھے
اپنے کرم سے آپ کو شہرت غرض نہ تھی — ہر دل عزیز اس سے ہوئے آپ ورنہ بھی
اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب آپکا بمان — بازار سے گزرتا تھا با فر و عزّ و شان
لوگوں نے آکے اسپہ لٹائے ہیں خوانچے — خالی کئے ہیں اسپہ قرابے گلاب کے

—◆—

ہاں سچ ہے یہ کہ مرد وہی نیک مرد ہیں — انسانیت سے جو کہ زمانے میں فرد ہیں
اے رائیصاحب آپکا یہ وصف کم نہ تھا — داخل انہیں میں نام گرامی ہے آپکا
تھے فخرِ قوم آپ گرامی وقار سے تھے — سچ یہ کہ آج مغتنمِ روزگار تھے
اربابِ قوم کو تو امیدیں بہت سی تھیں — افسوس ہے کہ موت نے پوری نہ ہونے دیں
ہے ہے اجل غضب ہی کیا تو نے آکے آج — تو یاں سے آہ لے گئی کس کو اٹھا کے آج
عالم کا تو نے رنگ دگرگوں بنا دیا — کیسا غضب کیا کہ جگر خوں بنا دیا
اس دستبرد سے تری پہنچا ہے جو الم — محسوس جو ہوا ہے دلِ زار کو ستم
وہ اس قبیل کا ہے کہ تابِ رقم کہاں — اس کو بیاں کرے یہ مجالِ قلم کہاں
یہ رنج وہ ہوا ہے کہ تابِ بیاں نہیں — وہ لب ہے آہ کون سا جس پہ فغاں نہیں

اس حادثے کا رنج زبس دل پہ تیز ہے
سمت ۱۹ ۴۴ بکرمی
تاریخ بھی غمِ اجلِ رنج خیز ہے۔

—◆—

صریرِ قلم

جبکہ گجر بجتا ہو آدھی یہ رات
خواب میں سرمست ہو کل کائنات

تارے ہوں چھٹکے ہوئے افلاک پر
نور برستا ہو سرِ خاک پر

رات بھی وہ ہو کہ ہو تاروں بھری
چلتی ہو آہستہ سے بادِ شبی

ایسی کہ پتّا بھی نہ کھڑکے کہیں
محوِ خموشی ہوں زمان و زمیں

چار طرف ہو وہ خموشی کا زور
چلنے میں دیتا ہو صدا پائے مور

چھوڑ کے سب محنتِ فردا پہ کام
نیند کے لیتے ہوں مزے خاص و عام

اور مسافر کہ ہوں ہارے تھکے
سوتے سراؤں میں ہوں آرام سے

بھول کے سب راہ کا رنج و محن
دیکھتے غربت میں ہوں سیرِ وطن

بس یہ سماں جبکہ ہو راحت فزا
لیمپ مری میز پہ ہو جل رہا

اور میں مصروف ہوں تحریر میں
صیدِ خیالات کی تسخیر میں

اسپِ قلم ہو کہ روانی دکھائے
طبع رواں ہو کہ روانی دکھائے

کوئی صدا آئے نہ وقتِ رقم
اور جو آئے تو صریرِ قلم

کیوں نہ خیال آئے کہاں کیا ہے یہ
کیسی صدا اے دلِ دانا ہے یہ

ہاں دلِ دانا یہ ہے کس کی صدا
شوق فزا روح فزا دل فزا

ہے یہ پرانا کوئی افسانہ گو
یا کہ مغنّی ہے کوئی خوش گلو

یا کہ کوئی طوطیٔ شیوا زباں
گلشنِ قرطاس میں ہے نغمہ خواں

یا کہ کوئی بلبلِ نالاں ہے یہ
تختۂ کاغذ پہ گل افشاں ہے یہ

یا کہ کسی کا ہے دل دردمند | اور بآواز حزین و بلند
گرم فغاں ہے لب غمناک سے | نالہ سرا سینۂ صد چاک سے

اے قلم خوش رقم و خوش ادا | تجھ پہ رہے رحمتِ حق دائما
تو ہے پرانا میرا یار شفیق | گوشۂ تنہائی کا اکثر رفیق
گاہ مرا مونس و دمساز تو | گاہ مرا ہمدم و ہمراز تو
تو ہی سمجھتا ہے مرے دل کی بات | مجھکو غنیمت تری اے دوست ذات
تجھ سے کہا کرتا ہوں میں حالِ دل | تاکہ مرے دل کی کلی جائے کھل
تو اسے کرتا ہے زباں سے ادا | مرحبا اے دوست تجھے مرحبا
ایسی مرے دل سے تجھے راہ ہے | حالِ دلِ زار سے آگاہ ہے
میری طبیعت ہے وہ عزلت گزیں | مجمعِ احباب میں جاتا نہیں
گوشۂ عزلت ہے دل سے پسند | چونکہ ہے رہتا ہوں بہت گھر میں بند
اور مشاغل ہیں مرے تین چار | باعثِ تفریحِ دلِ سوگوار

ایک کتابیں ہیں مشاہیر کی | ان سے مری رہتی ہے دلبستگی
ان کو پڑھا کرتا ہوں بیٹھا ہوا | گوشۂ تنہائی میں سب سے جدا
بعض کا ہے قول کہ شوقِ کتاب | ہے پئے جان و دلِ محزوں عذاب
مان لیا میں نے کہ یہ ہے مرض | مجھ کو نہیں لیک کچھ اس سے غرض
میرے کتب خانے کی الماریاں | میرے لئے باعثِ آرامِ جاں
یاں مجھے ملتی ہے جو سوسائٹی | مجلسِ احباب میں وہ کب ملی
لطف ہے صحبت کا یہاں دل فزا | روح کو یاں ملتی ہے تازہ غذا

بیٹھا ہوں اس کمرے میں دو دو پہر — اس طرح دنیا کی نہیں کچھ خبر
لطف اٹھائے ہیں وہ میں نے یہاں — جن کو بیاں کر نہیں سکتی زباں

یا ہے رفیقِ دلِ محزوں ستار — راگ سناتا ہے مجھے خوشگوار
چھیڑئے جب اسکو تو شیریں کلام — ہوتا ہے ایسا نہ رہے غم کا نام
اسکی صدا میں ہے نزاکت بھری — سُر میں بلا کی ہے لطافت بھری
اے ستارِ دلّی کے پرانے ستار — تجھ پہ رہے رحمتِ پروردگار
کان نے تیری وہ صدائیں سنیں — گلشنِ فردوس میں ہیں ملتی نہیں
کان میں پڑ جائیں ترے سُر تو ہاں — آن کے بیعت کریں کرّوبیاں
پردوں میں تیرے مرا پردہ نشیں — رہتا ہے نظروں سے چھپا جاگزیں
تیری صدا ہے مجھے آوازِ دوست — دوست ہوں میں مجھکو ستار از دوست

یا کہ میں بیٹھا ہوا گھر میں خموش — بند کئے آنکھ کو اور تیز ہوش
لطف اٹھاتا ہوں بہت دھیان کے — اور مزے لیتا ہوں عرفان کے
جب نہ ہو دنیا کا طبیعت میں فکر — لطف عجب رکھتا ہے کچھ دل کا ذکر
طبع میں اوہام سے حرکت نہ ہو — محض سکّن ہو دل کا کام جو
پوچھ مت اس حال میں کیا لطف ہے — لطف ہے یہ وہ کہ بڑا لطف ہے

یا کہ کیا کرتا ہوں جب کچھ رقم — کان میں آتی ہے صریرِ قلم
چار طرف جب ہو خموشی کا زور — لطف عجب دیتا ہے مجھ کو یہ شور
سنتا ہوں میں اس میں نوائے راز — کیا ہی صدا میں ہے بلا کا گداز

میں یہ سمجھتا ہوں کوئی دردمند | نالہ سرا ہے بصداے بلند
درد محبت سے ہے سینہ فگار | گرم فغاں با دلِ شوریدہ وار
میرے ہی دل کی تو نہیں یہ صدا | عشق ستمگر کے ستم کا گلہ
یعنی جلایا مجھے اس آگ نے | پھونک دیا دل کو اسی لاگ نے
کچھ ہو غرض مہر ہے سر بر قلم | کان میں میرے ہے صداے الم

خطاب از قوم

یہ نظم کایستھ سبھا شملہ کے جلسۂ سالانہ ۲ اکتوبر سنہ ۱۸۹۶ء میں پڑھی گئی تھی

کرتا ہے دعا مہر یہ با عجز تمام | مقبول کرے خدا بلطف و اکرام
جس طرح کہ ہے بلند شملے کا مقام | یارب ہو بلند اس سبھا کا بھی نام

اے مہر انجمن ہے یہ اربابِ قوم کی | مجلس ہے اس مکان میں اصحابِ فہم کی
ہے رنگِ بارگاہِ معلےٰ جما ہوا | اور دھیان ہر بشر کا ہے تم پہ لگا ہوا
نامِ خدا یہ مجمعِ اہلِ کمال ہے | یاں راستی کی قدر نہ ہو کیا مجال ہے
کہنا وہی کہ اس میں بجز راست کچھ نہ ہو | اور راست وہ کہ اسمیں کم و کاست کچھ نہ ہو
میزانِ عقل و عدل میں جب تولتے ہیں بات | اس وقت اہلِ راے کوئی بوجھتے ہیں بات
دیتے ہیں داد نیک عدالت کے ہاتھ سے | یاں تل کے عدل بٹتا ہے رحمت کے ہاتھ سے

اے ممبرانِ انجمن اے صدرِ انجمن
کرتا ہوں عرض خدمتِ عالی میں یہ سخن

کچھ آپ کو خیال ہے پہلے تھے آپ کیا
یا اقتدارِ وقت نے سب کچھ بھلا دیا

بس آپ کی ہی دھوم تھی ہندوستان میں
بس آپکی ہی دھاک تھی سارے جہان میں

تھا اک جہاں میں آپ کا مشہور اتفاق
اور قوم میں نہ ملتا تھا ڈھونڈھے سے بھی نفاق

نزدیک و دور عام تھے اشفاق آپکے
مشہور خاص و عام تھے اخلاق آپکے

تھا علم و فضل آپ کا دولت تھی آپکی
تھا رعب و داب آپ کا ثروت تھی آپکی

کرتے تھے ملک و مال کا سب انتظام آپ
اور تھے ریاستوں کے مدار المہام آپ

تھے آپ سنسکرت میں علامۂ زماں
تھے آپ فارسی میں سخن سنج و نکتہ داں

تیغ قلم میں آپ کی اب تک وہ آب تھی
لوہا کوئی نہ مانتا اس کا یہ تاب تھی

شہرہ غرضکہ قوم کا سارے جہاں میں تھا
سکّہ اسی کے نام کا ہندوستاں میں تھا

اور آج اپنے حال کو دیکھیں کیا ہیں آپ
مطعونِ خلق و موردِ رنج و بلا ہیں آپ

کیجے گلہ زمانۂ خانہ خراب سے
کیا تھے اور آج آپ ہیں کیا انقلاب سے

صورت ہی قوم میں نہیں اب اتفاق کی
اک آگ ہے لگی ہوئی گھر گھر نفاق کی

اخلاق اور علم و ادب کو زوال ہے
ہاں جہل اور بے خردی کو کمال ہے

بیٹھا ہوا ہے سکۂ افلاس گھر بہ گھر
ڈوبا ہوا ہے قرض میں ہر ایک سر بسر

عنقا ہے روزگار اور عنقا ہے کاروبار
ہاں قرض کو سمجھتے ہیں اب نصف روزگار

دولت کی جائے آج فلاکت کا زور ہے
عزّت کی جائے آج مذلّت کا زور ہے

اولادِ خاندانِ ذوی الاقتدار کی
اور نسل کایستھانِ گرامی تبار کی

حیف اس کی یوں زمانے میں مٹی عزیز ہو
نے عزّت و شرف ہو نہ عقل و تمیز ہو

اے قوم جائے شرم ہے اے قوم جائے شرم — کیوں تیرے حالِ زار پہ آنسوں بہیں نہ گرم
افسوس آج وہ تیرے ارمان کیا ہوئے — اس اتفاق قوم کے سامان کیا ہوئے
اے قوم آج کل تری غیرت کو کیا ہوا — اس جوشِ خون و چشمِ مروّت کو کیا ہوا
اے قوم آج وہ تری ثروت کہاں گئی — وہ تمکنت وہ شان وہ شوکت کہاں گئی
ہاں کیا وہ کیف اب تری مے میں نہیں رہا — ہاں کیا وہ خوں انہیں رگ و پے میں نہیں رہا
کیا ہم میں وہ کمال کا جوہر نہیں ہے اب — کیا وہ وطن وہ نسل وہ گوہر نہیں ہے اب
سب کچھ وہی ہے نسل وہی اور وہی گھر — سب کچھ وہی ہے ہم ہیں وہی تم وہی مگر
برباد کر کے اپنے تمہارے نفاق نے — کھویا جہاں سے ہم کو ہمارے نفاق نے
مشہور ایک قول ہے سارے جہان میں — میوہ ہے پھوٹ گلشنِ ہندوستان میں
بویا گیا ہے بیج یہاں تو نفاق کا — اس باغ میں درخت نہیں اتفاق کا

یہ اتفاق فتح و ظفر کی کلید ہے — جس جا ہے اتفاق وہاں روزِ عید ہے
تاثیر سحر کی ہے تو بس اس عمل میں ہے — طاقت ہے اتفاق میں ضرب المثل میں ہے
قطروں کے اتفاق سے دریا کا ہے وجود — ذرّوں کے اجتماع سے صحرا کی ہے نمود
کچھ اصل بھی ہے سوت کے باریک تار کی — رسّی اگر بنائے لے کر ہزار کی
اللہ رے اتفاق ترے حوصلے بڑے — ہاتھی کے بند بند جکڑ لے کھڑے کھڑے
اے قوم بس اگر تجھے عظمت کا ہے خیال — پھر چاہتی ہے گر وہی عظمت وہی جلال
تو پہلے اتفاق کا ساماں ضرور ہے — پھر عشرت و نشاط ہے سور و سرور ہے

ہاں شرط ہے کہ یکدل و یکجان ہو کے سب — سوچیں ذرا تنزل و ادبار کا سبب
ڈھونڈھیں رفاہ اور ترقی کی راہ کو — ان بن کو چھوڑ چھوڑ کے برتیں نباہ کو

ہر شہر میں سبھا ہو بصد عظمت و جلال — اور ممبروں کو اس کی ترقی کا ہو خیال
کسبِ کمال و مال کا چرچا ہو قوم میں — اور جنس علم و فضل کا سودا ہو قوم میں
پھر ہم بھی دیکھیں آپ کا کیونکر نہ نام ہو — اور ساتھ عزّ و نام کے کیونکر نہ کام ہو
مشتق یہ روگ ایک کے بس کا مگر نہیں — جب تک کہ ساری قوم کی ہمت اِدھر نہیں
قطرے کا کیا وجود ہے دریا کے سامنے — ذرّے کی کیا نمود ہے صحرا کے سامنے
تنہا بھی کھیت جیتتا ہے سورما کبھی؟ — اور بھاڑ پھوڑتا ہے اکیلا چنا کبھی؟
کچھ بھی نہیں کہیں جو دلوں میں نفاق ہے — سب کچھ ہے ایک آن میں گر اتفاق ہے
جب تک تمام قوم نہیں ہوگی ہم خیال — یہ خوب یاد رکھو ترقی بھی ہے محال

فکرِ فردا

شہد کی مکھیوں کے در پر جا — کسی جھینگر نے یوں سوال کیا
مائیو میں ہوں اک غریب فقیر — دردِ افلاس سے بہت دلگیر
آج کل کس غضب کا پالا ہے — مجھے سردی نے مار ڈالا ہے
تمہیں اللہ نے دیا سب کچھ — بھیک دو مجھ غریب کو اب کچھ
راہِ مولا ذرا سا شہد پلاؤ — دین و دنیا کا تم ثواب کماؤ

مکھیوں نے کہا میاں جھینگر — جسم میں تم ہو ہم سے بڑھ چڑھ کر
دست و پا گر ہلاتے گرمی میں — مرتے ہرگز نہ بھوکے سردی میں
یا کہ برسات کے تھے جب ایام — اُن میں محنت سے تم جو کرتے کام
جمع اچھا ذخیرہ ہو جاتا — آج کل وہ تمہارے کام آتا

بولا جھینگر بہت ہوں میں کم بخت   مجھ کو قسمت کی ہے شکایت سخت
جبکہ گرمی تھی یا کہ تھی برسات   میں نے گانے میں کھوئے دن اور رات
نہیں جاڑے کا کچھ خیال آیا   جمع کرتا کہاں سے سرمایہ
اب مجھے کچھ خدا کی راہ پہ دو   بھاگوانو بھلا تمہارا ہو

مکھیاں اس سے بولیں اے جھینگر   چین سے جاؤ بھائی اپنے گھر
جب جو گاتا رہا تو اب بھی گا   اور کھانے کی جا ہوا تو کھا
کل کا جو فکر آج کرتے ہیں   کبھی بھوکے نہیں وہ مرتے ہیں

نہ سمجھ مہر یہ کہانی ہے   گر تجھے شوق راز دانی ہے
جھینگروں کی ہے یاں فراوانی   ان کا جامہ ہے گرچہ انسانی
جب جوانی کی ہوتی ہے برسات   کھوتے لہو و لعب میں ہیں دن رات
یا کہ پھرتے ہیں مست گلیوں میں   رہتے بے خود ہیں رنگ رلیوں میں
نہیں دل پر ذرا ملال آتا   نہیں پیری کا کچھ خیال آتا
فکرِ عقبٰی نہیں پھٹکتا پاس   نہیں مرنے سے دل کو خوف و ہراس

ہیں جوانی کے دن مگر گزراں   اور پیری کی آنے والی خزاں
سخت پڑنے لگیگی جب سردی   سخت محسوس ہوگی بے دردی
جمع ہوگا نہ جب ذخیرہ کچھ   بیٹھ کر گھر میں کھائینگے کیا کچھ
بے کسی اور ضعف کا پالا   جب پڑیگا تو ہو سکیگا کیا
موے سر برف کی طرح سے سفید   ہو گئے جب تو کیا رہیگی امید

مفصّل جب ہوئے تو نے سارے	سوچ تو کیا کرینگے بیچارے

جیب سے ہیں ابھی نکلتے ہاتھ	کرلے کچھ مہر تو بھی چلتے ہاتھ
چھوڑ ابھی سے خیال دنیا کا	کر ابھی سے تو فکر عقبےٰ کا
ورنہ کیا ہو سکیگا اے بھائی	موت کی جب گھڑی قریب آئی
مجھے اس دن کا آج رونا ہے	تجھ سے کیا بیکسی میں ہونا ہے
وقت آیا ہؤا نہیں ٹلتا	زور انسان کا نہیں چلتا
یاد آتا ہے مجھ کو قولِ حکیم	کر عمل اس پہ تو اگر ہے فہیم
زندگی کا یہی آل رہے	تجھے آگے کا کچھ خیال رہے

قطعات

تدبیر و تقدیر

جہاں میں آدمی ملتے ہیں دو طرح کے مُہر	وہ کون قائلِ تدبیر و قائلِ تقدیر
مقولہ ایک کا یہ ہے ہر ایک فردِ بشر	خدا نے خلق کیا محض بستۂ زنجیر
مشیّتِ ازلی میں جو ہو چکا مرقوم	مجال کس کی ہے جو کر سکے اُسے تغئیر
اگر ارادۂ انساں پہ حصر کام کا ہو	تو حرف آتا ہے بر قدرتِ خدائے قدیر

اسی سبب سے ہے کل سعی سعیٔ لاحاصل | کبھی جبیں کی مٹائے نہیں مٹی تحریر

فریقِ ثانیہ کو اتفاق اس سے نہیں | وہ مانتے ہیں کہ ہے مایۂ ظفر تدبیر

نہ کیجے سعی تو بے سعی کام کیونکر ہو | بلا دوا نہیں ہوتا مرض علاج پذیر

نہ کامیاب ہوا انساں اگر ارادے میں | تو یوں سمجھ لو کہ کوتاہ اس کی تھی تدبیر

کھلی ہے راہِ ترقی جہاں میں چار طرف | کوئی نہ اس پہ چلے تو اسی کی ہے تقصیر

خدا نے ہم کو دیا اختیار و آزادی | کیا نہ خلق ہمیں مثلِ مجرمانِ اسیر

جو مجھ سے پوچھو تو نیکی کا راستہ ہے وسط | نہ راستی یہ ہے یہ اور نہ اُس کی سچ تقریر

کچھ ایسے کام ہیں وابستہ ہیں مقدر سے | یہ کچھ ایسے ہیں کہ ہیں محتاجِ ناخنِ تدبیر

سبب جو پوچھو تو فکرِ معاش و فکرِ معاد | جہاں میں ہوتے ہیں دو آدمی کے دامنگیر

زبسکہ فکر ہیں دو چاہئیں علاج بھی دو | علاج ایک ہے تدبیر دوسرا تقدیر

معاش کا جو تفکر ہے چھوڑ دو اس کو | معاش چیز ہی کیا ہے کہ ہو قلیل و کثیر

جو دیکھو کھود کے شاہ و گدا کی قبروں کو | سوائے خاک نہ دیکھے گی خاک چشمِ بصیر

غرض تفکرِ دنیا و فکرِ مال و منال | بغیر فکر کے کر دو حوالۂ تقدیر

رہی معاد سو یہ چیز جاودانی ہے | بجا ہے اس میں جو ہو صرفِ ہمتِ تدبیر

یہاں ہے کام جو تدبیر کا ہے کام کہیں | یہاں ہے چارۂ تدبیر نسخۂ اکسیر

تین دوست

کہتے ہیں ایک شخص کے تھے تین دوست مہر | ان میں سے ایک پر وہ دل و جاں سے تھا فدا

ہر بات میں تھا اُسکی رفاقت کا اعتماد
ہر کام میں اُسی کی مدد کا تھا آسرا

رکھتا تھا اُس کو جاں سے زیادہ عزیز
دم بھر کا بھی فراق طبیعت کو شاق تھا

تھا دوسرا بھی یوں تو عزیز اس کو بیشتر
پہلے کا ایک نمبرِ اول رہا سدا

دونوں میں ہمدگر تھی یہ نسبت کہ جس طرح
ماہ منیر کسب کرے مہر سے ضیا

وقعت نہ تیسرے کی تھی اسکی نگاہ میں
اس کو نہیں سمجھتا تھا وہ یارِ باوفا

اب سنئے اتفاق کہ اس شخص پر کبھی
دائر مقدمہ جو عدالت میں ہو گیا

ازبسکہ اعتماد تھا یاروں کے ذات پر
تینوں کو اس نے بہرِ گواہی طلب کیا

یارانِ باصفا جو صفائی کے ہوں گواہ
ملزم کے صاف چھوٹنے میں شک نہیں ذرا

لیکن وہ پہلا دوست کہ تھا جان سے عزیز
اور جس کا اعتبار تھا اور اعتماد تھا

وقت آیا جب تو حقِ رفاقت کو چھوڑ کر
ہمراہِ یار کے نہ کچہری تلک گیا

ساتھ آیا تو کچہری کے دروازے تک مگر
اندر نہ ساتھ اُس کے گیا یار دوسرا

دونو عزیز یاروں نے دھوکا دیا جو یوں
اس کو نہ تیسرے کا بھی کچھ آسرا رہا

لیکن گیا کچہری کے اندر وہ اسکے ساتھ
حق حق جو بات تھی وہ کہی است و بر ملا

حاکم سے اپنے دوست کی سب خوبیاں کہیں
اور اس طرح کہ ہو گیا وہ جرم سے رہا

سمجھا بھی پھر کون ہے، وہ شخص کون دوست
احوال جن کا نظم میں یکسر رقم ہوا

وہ شخص تو ہے اور کوئی دوسرا نہیں
وہ یار بھی ترے ہی ہیں سمجھے اگر ذرا

زر ہے تری نگاہ میں سب سے عزیز دوست
پر یہ نہ کام آئیگا تو یاں سے جب چلا

سمجھا ہے دوسرا جسے تو یارِ دلنواز
لے بے خبر وہ ہیں ترے یارانِ اقربا

ہمراہ تیرے جائینگے وہ قبر تک مگر
آگے نہ کوئی ساتھ گیا ہے نہ جائیگا

وہ یار تیسرا کہ نہیں جس کی تجھکو قدر
اعمال ہیں ترے کہ ہیں ہمراہ وہ اٹھا
تجھ کو جو بخشوائینگے تو یہ نہ کوئی اور
یہ یارِ غمگسار ہیں یہ یارِ باوفا
اعمالِ نیک کرکہ ان اعمالِ نیک سے
یاں بھی ترا بھلا ہو وہاں بھی ترا بھلا

نظارۂ عجیب

صبح گلگشت کو اک باغ میں جب میں گزرا
مظہرِ صنعتِ صانع نظر آیا گلزار
جلوۂ رنگ میں تھے قوس قزح کے نیرنگ
کہیں زردی کہیں سرخی کہیں سبزی کی بہار
دیکھنے سے متعلق تھا بیاں کیا کیجے
سبز پتّوں میں عروسِ گلِ خوش رو کا نکھار
نہیں اٹھتی تھی نظر جاکے جہاں پڑتی تھی
دلکشی حسن کی اور رنگ کی تھی جادو کا
یوں تو ہر تختۂ گلشن نظر آتا تھا طلسم
لطف رکھتے تھے مگر ایک طرف کے اشجار
یاں تھی چوڑی سی سڑک اور نہایت لمبی
دونو اطراف میں تھی سبز درختوں کی قطار
ان کے پتے تھے زمرد کی طرح سے خوشرنگ
رات بھر برسا کی رہی رحمتِ حق قطرہ بار
انمیں کلیاں بھی تھیں اور پھول بھی تھے پھل بھی تھے
ایسی کثرت سے کہ عاجز ہے زبانِ گفتار
طرفہ تر یہ کہ سب اشجار تھے نارنگی کے
مجھکو حیرت تھی کہ قدرت کے عجب ہیں اسرار
رنگِ شاخ اور تنے کا وہ عجب مٹیا لا
سبز پتّے وہ کہ بالیدہ ہو نورِ ابصار
پھول اور کلیوں کی پھر اسپہ سفیدی ایسی
گویا برسا رہے ہیں اخترِ تاباں انوار
یوں نظر آتی تھیں نارنگیاں لٹکی مجھکو
کہ قنادیل لٹکتی ہیں درختوں میں ہزار
تھا یہ نظّارہ مری آنکھ میں نیرنگِ طلسم
مظہرِ صنعتِ بےمثل خدائے غفّار
یاد آیا مجھے رہ رہ کے وہ سعدی کا شعر
سن کے جو محو نہ ہو صفحۂ دل سے زنہار
کز تواند کہ دہد میوۂ رنگیں از چوب
یا کہ داند کہ برارد گل صدبرگ از خار

ادائے فرض

کل اک گلاب کا پودا مجھے نظر آیا
کسی کھنڈر میں کھڑا تھا شہر اور باغ سے دور

پڑے ہیں برگ اٹے گرد کس مپرسی میں
برائے نام ہے شاخوں میں کچھ نمی کا ظہور

بس ایک پھول شگفتہ ہے اسکی ٹہنی پر
کہ اسکو دیکھ کے آتا ہے جان و دل میں سرور

نہ دیکھتا تھا کوئی ایک اسکا رنگ تھا شوخ
نہ سونگھتا تھا کوئی بو تھی عطر بیز ضرور

خیال دل میں مرے بار بار یہ آیا
کہ دیکھئے تو ہے کیا قدرتِ خدائے غفور

کھڑا ہے یہ گل خوش رنگ یکہ و تنہا
نہ دیکھنے کو جہاں آدمی ہیں اور نہ طیور

مگر اسے نہیں پروا کہ میں کھڑا ہوں کہاں
سراہتے ہیں مجھے یا نہیں جنہیں ہے شعور

ادائے فرض میں بے شک و شبہ ہے سرگرم
کہ رنگ و بو کی نمایش میں ہو نہ جائے قصور

ادائے فرض میں سرگرم ہے مگر اس کو
نہ ہے خیال ستائش نہ مدح کچھ منظور

یہی طریقۂ نیکاں ہے یاد رکھ اے مہر
کہ کام کام سے ہو نام گو رہے مستور

(از انگریزی)

محبِّ خلق و محبِّ خدا

کرتے ہیں ذکر مہر کسی نیک مرد کا
سوتا تھا ایک رات وہ اپنے پلنگ پر

نیکوں کا قاعدہ ہے کہ آنکھوں کے سامنے
آتے ہیں ایسے خواب کہ دل خوش ہو سربسر

کیا دیکھتا ہے روضۂ رضواں کا در کھلا
بارہ دری میں حور و ملائک ہیں جلوہ گر

ان میں سے سامنے ہے دھری ایک کتاب
تحریر اس میں کرتا ہے کچھ سوچ سوچ کر

پوچھا ملک سے بڑھ کے پاس نیک مرد نے
کیا لکھ رہے ہو کیجئے مجھ کو بھی با خبر

بولا فرشتہ نام محبانِ حق کے ہیں
مجھ کو بڑی تلاش سے ملتے ہیں وہ مگر

پوچھا جو نیک مرد نے میرا بھی نام ہے
گردن ہلائی اس کو فرشتے نے دیکھ کر

پھر بولا نیک مرد محبانِ خلق میں
لکھ لو مجھے نہیں ہوں محبّانِ حق میں گر

تحریر اس کا نام فرشتے نے کر لیا
فہرست گرچہ اور تھی اور صفحۂ دگر

جب رات دوسری ہوئی سو یا وہ نیکمرد
خوابِ شبینہ پھر وہی آیا اُسے نظر

کیا دیکھتا ہے نامِ محبانِ حق میں ٹھہر
فہرست میں اسی کا ہے نام آج زیب سر

(از انگریزی)

دلِ مکدّر

نگاہِ غور سے دیکھا دلِ مکدّر کو
نظارہ ایسا تھا حیرت فزا کہ ہو نہ بیاں

بڑا ہو جیسے کسی شہر میں کوئی بازار
بہت سوار پیادوں کا ہو ہجوم وہاں

اِدھر اُدھر ہوں زن و مرد سب پڑے پھرتے
ہر ایک جا ہو خرید و فروخت کا ساماں

سواریوں سے ہٹو اور بچو کی آئے صدا
پیادہ پا اسے سُن کر ہوں مضطرب سے رواں

اِدھر سے آتی ہو گھبی اُدھر سے یکّا آئے
جدھر نظر پڑے انساں رواں ہوں اور حیواں

کسی کو روک نہ ہو آئے جائے بے کھٹکے
کسی سے کوئی بھی پرسش نہ کرنے پائے وہاں

غرض ہجوم ہو خلقت کا اور گرد و غبار
وہ شور و غل ہو کہ سن کر ہو آدمی حیراں

خیال تیری طبیعت میں بار بار آئے
الٰہی آن پھنسا گھر کو چھوڑ کر میں کہاں

یہی ہے حال جو دیکھو دلِ مکدّر کا
خیالہائے پریشاں کا ہے ہجوم یہاں

کسی کو روک نہیں یاں بھی آنے جانے کی
کسی سے کچھ نہیں پرسش کہ آ گیا تو کہاں

ہر ایک جا ہے زن و مرد کا ہجوم بہت
ہر ایک جا ہے ہر اک قسم کا یہاں ساماں

یہاں بھی دوڑتے پھرتے ہیں گھبیاں گھوڑے
یہاں بھی گرد ہے ایسی کہ جس کا ہو نہ بیاں

غرض یہاں بھی اسی طرح شور و غل ہے بہت
کہ جس کو سن کے تو بازار میں تھا سر گرداں

مگر خیال کبھی مہر یہ نہیں آتا — الٰہی آن پھنسا گھر کو چھوڑ کر یں کہاں

دلِ صافی

دل صافی پہ ہو اے مہر خدا کی رحمت — میں نے محسوس کیا ہے بہت آرام یہاں
گوشۂ عافیت اسکو کہیں تو زیبا ہے — کیسی تسکین کا ہے کیسے سکوں کا یہ مکاں
جس طرح شہر سے کچھ دور کوئی معبد ہو — شارع عام سے ہٹکر کہ نہ ہو بھیڑ وہاں
کوئی جائے بھی جو اس جا تو ارادہ کرکے — یہ نہ ہو ہر کس و ناکس ہو وہاں گشت کناں
جائے تنہا ہو مکاں گوشۂ عزلت سا ہو — جس طرف دیکھو نظر آئے خموشی کا سماں
سایہ افگن ہوں کہن سال درخت اُس جا پہ — ایسی ٹھنڈک کہ بس آئے وہاں جان میں جاں
صحن میں آبِ مصفا کا بڑا حوض بھی ہو — اور وہ ایسا مسکن کہ نہ ہو جس کا بیاں
گرد میں ہوں روشیں بیش بہا پتھر کی — صاف ایسی کہ نہ تنکا بھی نظر آئے وہاں
سامنے آنکھ کے معبد کا ہو برج سنگیں — جس کی تعمیر کو برسوں ہوئے ہوں یا صدیاں
غرض ایسا ہو مکاں اور تو واں بیٹھا ہو — اور خموشی و سکوں چار طرف سے ہو عیاں
تو وہاں بیٹھا ہو آرام سے اور تیرے سوا — آدمی زاد کا ڈھونڈھا نہ نظر آئے نشاں
دیکھ کر آنکھ میں ہو نور طبیعت میں سرور — تو یہ سمجھے کہ زمیں پر ہے یہی باغِ جناں
ہے یہی حال جو دیکھو تو دلِ صافی کا — وہی تسکین و سکوں اور وہی راحت ہے یہاں
وہی ٹھنڈک ہے، وہی نور و سرور موفور — ہے یہاں بھی وہی تسکین و خموشی کا سماں
میں یہاں بیٹھ کے اے مہر مزے لیتا ہوں — اور سمجھتا ہوں زمین پر ہے یہی باغِ جناں

بے حدی

شبِ گرما کا ذکر ہے اے مہر — میں ٹہلتا تھا رات کو ٹھے پر
تھی شبِ تار اور نہ نکلا تھا — پردۂ شرق سے مہِ انور
روشنی تھی فقط ستاروں کی — اُن پہ پڑتی تھی بار بار نظر
دیکھتے دیکھتے خیال آیا — ہیں عجب چیز چرخ کے اختر
ان کی دوری کی انتہا نہ ملی — حکما مارتے رہے ٹکّر
ان کی تعداد بے شمار و حساب — پھر یہ لطف اور بہرِ دانشور
دور بینوں سے جب نظر کیجے — ہوتا ہے وہ شمار افزوں تر
فلسفے کا ہے قول ہر تارا — شمس کی طرح ہے شہِ خاور
گرد اس کے نظام کے سیّار — اپنے اپنے لگاتے ہیں چکّر
کُرۂ ارض کی طرح یہ بھی — ہونگے مخلوق بے حساب کے گھر
وسعت کائنات بے حد ہے — نہیں جمتی جمائیے جو نظر
جبکہ دنیاؤں کا شمار نہیں — رہا مخلوق کا شمار کدھر
کیا کچھا کچھ ہے یہ جہان بھرا — آدمی کے گمان سے باہر
مشرق و مغرب و جنوب و شمال — تحت و بالا غرضکہ ہر منظر
جا بجا بے نہایتی کی ہے — اور بے غایتی کا بے حد گھر
نہیں حد زمان و حد مکاں — غیر محدود کے ہیں یہ مظہر
بے حدی ہے کہ جلوہ فرما ہے — جس طرف دیکھئے نظر بھر کر
بے حدی کا ہر اک طرف ہے ظہور — بے حدی شش جہت میں جلوہ گر
تو بھی اے مہر ذات بے حد ہے — اور دل تیرا عالمِ اصغر

سطح پرستی

اے مہر نہ جا سطح پرستی پہ تو ہرگز
یہ سطح پرستی کبھی اچھی نہیں ہوتی

باتیں جو خوشامد کی کیا کرتے ہیں آکر
وہ ان کی خوشامد کبھی سچّی نہیں ہوتی

جو منہ پہ کیا کرتے ہیں تعریف ہمیشہ
تعریف پسِ پشت وہ انکی نہیں ہوتی

جھوٹ وعدہ جو کرلیتے ہیں پورا نہیں کرتے
پوروں کی کبھی بات ادھوری نہیں ہوتی

بڑھ چڑھ کے کیا کرتے ہیں شیخی کی جو باتیں
نامرد ہیں اُن میں کبھی مردی نہیں ہوتی

دعوے جو کیا کرتے ہیں صدق اور صفا کے
دل ان کے جو دیکھو تو صفائی نہیں ہوتی

صورت نہیں آئینۂ سیرت کبھی ناداں
جو سطح پہ ہے چیز وہ بھاری نہیں ہوتی

جس طرح حباب لبِ دریا ہے شناور
دریا میں کبھی تیرتی سیپی نہیں ہوتی

موتی جو لیا چاہے لگا قعر میں غوطہ
وہ تہ میں ہے جا سطح پہ اسکی نہیں ہوتی

ناز بر سامانِ دنیا

کل ایک طفل کو دیکھا اڑا رہا تھا پتنگ
اور اپنی دھن میں بہت مست وہ ماہ جبیں تھا

خوشی سے جامے میں پھولا نہیں سماتا تھا
نظر ہوا پہ تھی لیکن خیال اور کہیں

کبھی وہ بڑھتا تھا پیچھے کبھی وہ ہٹتا تھا
کبھی یہاں تھا کبھی واں کبھی بیاں وہیں

اُسے خیال تھا میں کر رہا ہوں ایسا کام
کہ دوسرے سے سرانجام ہو سکا ہی نہیں

گزرنے والوں سے وہ چاہتا تھا داد و ثنا
کہ اس کے کارِ نمایاں پہ سب کریں تحسیں

پتنگ اس کی نظر میں تھا دولتِ عظمےٰ
پتنگ اس کا تھا ایمان پتنگ اس کا دیں

نہ کھینچے ڈور کہ اس وقت اسکے ہاتھ میں تھی
زمامِ سلطنت ملکہائے روئے زمیں

بہت سے طفل محلے کے گرد و پیش تھے جمع ہر ایک دل تھا مگر رشک و حسد کی کمیں
نگاہِ رشک سے ہر ایک دیکھتا تھا اُسے کہ اس کے پاس ہے جو شے کسی کے پاس نہیں
یہ حال دیکھ کے مجھ کو بہت ہنسی آئی کہ آفریں تجھے اے طفلِ سادہ لوح حسیں
تجھی پہ حصر نہیں تیری طرح دنیا میں جوان و پیر ہیں اتنے کہ کچھ شمار نہیں
کسی کو مال و مناصب ہے اپنا باعثِ ناز کوئی ہے عزت و دولت پہ طالبِ تحسیں
مگر مآل ہے مثلِ پتنگ بالکل ہیچ نظر میں اسکی کہ رکھتا ہے مہرِ عقلِ متیں

دعا کیا مانگنی چاہیئے

تجھ کو ہو مہرِ صفا قلب کی حاصل کیونکر جاگزیں دل میں شب و روز ہے دنیا کا خیال
اپنے دھندے بہت اولاد کے جھگڑے بے حد غم اقارب کا کبھی اور کبھی یاروں سے ملال
باعثِ فکر ترے واسطے تیری عزت باعثِ خوف ترے واسطے تیرا زر و مال
غرض اس طرح سے ہوتی ہے بسر عمرِ عزیز کر نہ کچھ فکرِ معاد اور نہ کچھ فکرِ مآل
دم کے دم یادِ الٰہی میں جو مصروف ہو تو واں بھی رہتا ہے خدا سے وہی دنیا کا سوال
ہاتھ اٹھا کر یہی کرتا ہے دعائیں پیہم میری عزت ہے ترے ہاتھ خدائے متعال
یا الٰہی مرے بچے ہیں خوش میں ہوں خوش ہو نہ دولت کو زوال اور نہ صحت کو زوال
کام اٹکا ہے فلاں بار خدایا ہو جائے بات بگڑی ہے مری۔ رحمت سے اُسے اپنی سنبھال
یہ خدا کی نہیں طاعت کبھی اے مردِ خدا یہ عبادت نہیں اللہ کی اے نیک خصال
جائے اللہ کی درگاہ میں دنیا مانگے آج دنیا میں نہیں تجھ سا کوئی بد اقبال
مانگ یہ حق سے تعلّق رہے نہ دنیا سے مانگ یہ حق سے نہ دل میں رہے دنیا کا خیال
قرب حق حق سے طلب کرتے ہیں مردانِ خدا نہ کہ دنیائے دنی جاں کا اپنی جنجال

قطعات متفرق

کھُلا ہے ابر ابھی اور رہو لیے عطر آگیں
چلی ہے باغ سے کیسی قدم بڑھائے ہوئے

برہمنی کوئی جیسے کنارِ گنگا سے
علے الصباح چلے شہر کو نہائے ہوئے

گلے میں ہار ہوں پھولوں کے اور جبیں پہ گلو
دکن کے صندل خوشبو میں ہو بسائے ہوئے

دماغ ان سے معطّر ہو راہ گیروں کا
جو اتفاق سے ہوں رہگزر میں آئے ہوئے

و لے خیال خود اسکو ہو یہ کسی سے میں
چھوئی نہ جاؤں چلے آپ کو بچائے ہوئے

سائل کبھی جو آن کے تجھ سے کرے سوال
دے اسکو تیرے پاس اگر کچھ ہے اے عزیز

کیا سوچتا ہے تُو کہ گدائی ہے اسکا کام
مانا وہ مال دار ہے اور دھوکہ باز نیز

لیکن انہیں میں ہوتے ہیں اربابِ احتیاج
آسان دھوکہ بازوں سے جنکی نہیں تمیز

کیا سوچے ظن سے فائدہ بس کر خدا کا شکر
موقع ملا سخا کا کہ موقع بڑی ہے چیز

وہ جامِ مئے بے خودی و عشق پیا ہے
میں بند علائق سے بھی دلگیر نہیں ہوں

اعمال کی اے شیخ جزا تیرے لئے ہے
میں قابلِ انعام و تعذیر نہیں ہوں

کیا جنّت و دوزخ کے سناتا ہے فسانے
آزاد ہوں میں بستۂ زنجیر نہیں ہوں

ہمدم تجھے جو جامۂ انساں عطا ہُوا
حق یہ کہ تجھ پہ رحمتِ حق بر ملا ہوئی

اخلاق اور عقل سے بہرہ ملا تجھے
ایمان و دیں کی نعمتِ عظمےٰ عطا ہوئی

عزت ملی وہ جس سے بٹھاتے ہیں سر پہ سب
رہنے کے واسطے تجھے اچھا مکاں ملا
اولاد باسعادت و یاران باوفا
سب کچھ غرض خدا نے دیا اپنے فضل سے
سب نعمتوں کو دیکھ خدا کی جناب میں

دولت ملی وہ جس سے کہ عزت سوا ہوئی
اسباب میں بھی مرحمت کبریا ہوئی
ان کو بھی لیں تو حال پہ تیرے سخا ہوئی
ہر شے میں تجھ پہ بخشش لاانتہا ہوئی
گر تو کرے نہ شکر تو پھر بات کیا ہوئی

رحمت حق سے نہ مایوسی تجھے زیبا ہے پھر
فکر دنیا سے غنی رہتا ہے تو کیا فکر ہے
زنگ کلفت دل کے آئینے پہ ہے بے شک ترے
کر مصقل صیقل عرفاں سے اور ہمت نہ ہار
رفتہ رفتہ جلوہ افگن ہوگا عکس یار بھی

میں نے مانا معرفت کا پاس سرمایہ نہیں
یہ فزوں ہو جائیگا سب تو جو گھبرایا نہیں
لیکن اس آئینے کو زنگار نے کھایا نہیں
وقت مایوسی ابھی تک یاں در کھ آیا نہیں
جس نے ڈھونڈا اس نے کب اسے بے خبر پایا نہیں

کباڑی کی دکاں بازار میں جس نے نہیں دیکھی
نکلتے ہی نہیں جو حسرت و ارمان آتے ہیں
بھرے ہیں حسرت و ارماں بھرے ہیں تیغ اور حرماں
پھر اس پہ لطف یہ ساماں ہے بے ترتیب اور ابتر
نیا مال آتا رہتا ہے یہاں ہر روز باہر سے
خلاصے طبع میں کر جہد مرشد کی ہدایت تھی
ہلاؤں ایک کونے جا سے تو گرتی چار چیزیں ہیں

ہمارے دل کو وہ دیکھے کہ یاں سامان کیا کیا ہے
کوئی ہے تازہ وارد اور کوئی برسوں سے آ پڑا ہے
ضرورت ہو جسے جس چیز کی وہ یاں مہیا ہے
یہاں کچھ اور رکھا ہے وہاں کچھ اور رکھا ہے
بڑا بھاری غرض گودام گھر ہے کیا ٹھکانا ہے
مگر میں کیا کروں گھر میں مرے اسباب اتنا ہے
مکاں کو دیکھئے جب تو وہ بھرا بیسے کا دیا ہے

خوگر جور و جفا ہوں عادی ظلم و ستم

زندگی میں دل نشانہ تھا جفا کے تیر کا

بعد مردن بھی چلی جائے وہی مشقِ ستم	کام میرے استخواں سے لیجئے قطگیر کا

جھوٹا ہے وہ حکیم کہ لالچ سے مال کے	اچھّا کہے مریض کے حالِ خراب کو
سچّے وہی ہیں دوست کہ آئینے کی طرح	منہ پر ترے کہیں ترے عیب و صواب کو

مری تقدیر میں جینے قفس کا آب و دانہ تھا	نہ پوچھو ہم صفیرانِ قفس کیونکر چمن چھوٹا
وطن کے چھوڑنے میں مہر جو دل پر گزرتی ہے	اُسی کمبخت سے بس پوچھئے جس سے وطن چھوٹا

شکرِ نعمت کے ہیں یہ معنی اگر سمجھے کوئی	دے اگر خالق تو دے بندہ بھی اُس کی راہ میں
حق تجھے توفیق دے تو مستحق لوگوں کو دے	مستحق نا تو بھی ہو اللہ کی درگاہ میں

وہ چال چل کہ عمر خوشی سے کٹے تری	وہ کام کر کہ یاد تجھے سب کیا کریں
گر تیرا ذکر ہو تو ہو وہ ذکرِ خیر مہر	گر تیرا نام لیں تو ادب سے لیا کریں

ہنسنے کی جا نہیں ہے تر دامنی ہماری	وہ شے ہے لوثِ دنیا دیکھو جسے بڑی ہے
ہُشیار ہو کہ ناداں کالک لگیگی سب کو	اے غافلو یہ دنیا کاجل کی کوٹھڑی ہے

رباعیاتِ معرفت

باب اوّل۔ در نفرت از دنیا

دُنیا

آئے ہو تو کچھ یاں کا تماشا دیکھو
دنیا ہے چار دن کا میلا اے مہر
رہ کر دُنیا میں سیرِ دنیا دیکھو
اور اس میں غضب کا یہ جھمیلا دیکھو

دنیا کے لئے دین کو کھویا تو نے
لازم ہے کہ سب تیرا تماشہ دیکھیں
غافل اچھی کمائی دنیا تو نے
گھر پھونک کے دیکھا ہے تماشہ تو نے

تحریر کی ہم نے نکتہ دانی دیکھی
دنیا وہ معمّا ہے کبھی حل نہ ہوا
تقریر کی اعجاز بیانی دیکھی
اے طبع رواں تیری روانی دیکھی

مرئی ہے عینِ ذات ناظر اے دل
دنیا کا معمّا ہے تعجب انگیز
ناظر مرئی ہے۔ ہے یہ کہنا باطل
گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

ہے علّت و معلول میں یکسانیّت	معلول عدم ہے۔ گر عدم ہے علّت
دنیا ہی کو ثابت نہ کیا اس نے مہر	جس نے اس کی کہی عدم سے خلقت

جھوٹی دنیا کی ہے کہانی ساری	ہے نقش بر آب زندگانی ساری
یہ عالمِ تمثال ہے نیرنگِ خیال	اے طبعِ رواں تری روانی ساری

کیوں چھوڑ کے عیش جا وہاں آتا ہے	انسان سے کوئی کہو کہاں آتا ہے
دنیا ہے دنی رنج و الم کا گھر ہے	رونا ہوا آیا جو یہاں آتا ہے

جب سوئے عسل کوئی مگس آتی ہے	دیکھا ہے کہ بالعموم پھنس جاتی ہے
دنیا سے ہے اے مہر کنارہ ہی بھلا	پھنس کر نکلیگا کس کی یہ چھاتی ہے

دنیا میں پھنس کے مہر کیا لینا ہے	اک روز وہ آئیگا کہ چل دینا ہے
دریا میں بھی ٹھیرا ہے کوئی اے غافل	تجھ کو اُس پار ناؤ کو کھینا ہے

غافل دنیا میں دل نہ زنہار لگا	ورنہ یہ سمجھ جان کو آزار لگا
کس کس کا کریگا رنج کس کس کی خوشی	آنے جانے کا ہے یہاں تار لگا

آخر کچھ بھی خیال عقبیٰ کا ہے	کچھ بھی تجھے خوفِ حق تعالےٰ کا ہے
رہنا ہے یہیں کہ یاں سے چلنا بھی ہے مہر	بندہ اس طرح تو جو دنیا کا ہے

اے مہر کھڑا ہے حوض میں نیلوفر
ہوتے نہیں پانی سے مگر پتّے تر
دنیا میں رہے تو تُو بھی اس طرح سے رہ
رنگِ وابستگی نہ آئے دل پر

دنیا میں آکے مہر کیا تُو نے لیا
اور یہ بھی بتا مجھے دیا تُو نے کیا
لینا تھا خدا کا نام اے مردِ خدا
دینا تھا اگر تُو چھوڑ دیتی دنیا

ہے بیم و رجا و رنج و آلام کا گھر
چھوڑ و بھی اسے یہ نہیں آرام کا گھر
چل کر رہو لامکاں میں اے حضرتِ مہر
دنیا جسے کہتے ہیں نہیں کام کا گھر

انسان و دلِ انسان

گل باغ ہے اے مہر سراسر یہ زمیں
کلیاں اور پھول پھل ہیں انسان نہیں
اپنی اپنی بہار دکھلاتے ہیں سب
جب تک آتا نہیں اجل کا گل چیں

پیدا ہو کر بڑھا ہے بڑھکر ہے پکا
پک کر یہ سوکھا ہے سوکھ کر پھر ہے گرا
انساں جسے کہتے ہیں وہ انسان نہیں
اے مہر ثمر ہے شجرِ دنیا کا

کہتے ہیں جسے جسم ہے امراض کا گھر
کس کس کا کریگا تو مدا وامت کر
صحت کوئی شے ہے یہ سنا ہے بیشک
دیکھی نہ مگر زمین کے پردے پر

ہے صابر و خشمناک و مسرور و ملول
عالم بھی ہے اور محض ظلوم اور جہول
انساں نہ کہو اس کو ہیولے ہے مہر
کرتا ہے ہر ایک رنگ و صورت کو قبول

پردے پہ زمیں کے کوئی حیواں نہیں
جس کا منہ ہاتھ آنکھ اور کان نہیں
عقل و اخلاق سے ہے انساں کو شرف
جس میں کہ یہی نہیں وہ انسان نہیں

چلنا پھرنا ہے یا غذا کھانا ہے
خواب و آرام یا کہ مرجانا ہے
ہیں مہر یہ باتیں تو بہائم میں بھی
انساں ہے وہ جس نے حق کو پہچانا ہے

ہے بیم و رجا و شوق و حرماں اس میں
کیا کیا ہیں بھرے حسرت و ارماں اس میں
یارب مرا دل بھی ہے عمر کی زنبیل
موجود ہے ہر طرح کا ساماں اس میں

مسرور کوئی ہے اور کوئی غمگیں ہے
بے تاب کوئی ہے کوئی با تسکیں ہے
جس رنگ سے دیکھئے غرض رنگیں ہے
انسان کا دل بھی سبدِ گل چیں ہے

تحصیلِ علوم اور تحصیلِ معاش
دنیا کا خیال فکرِ عقبیٰ کی خراش
سر ایک ہے اور ہزار سودائے مہر
کس کس کا ہو فکر اور کس کس کی تلاش

دنیائے دنی کے رنج و حرماں کب تک
بیم اور رجا حسرت و ارماں کب تک
دم بھی لینے دے مجھ کو اے وسعتِ دل
کب تک یہ خیالاتِ پریشاں کب تک

ہوس

رسوا مجھے کو بکو لئے پھرتی ہے
ہر سمت برنگ بُو لئے پھرتی ہے
اے جذب منافع کی ہوس در در ہیں
پھرتا نہیں بلکہ تُو لئے پھرتی ہے

ہم پیر ہوئے مگر تیری بُو نہ گئی
دل سے تیری عادت نہ گئی خُو نہ گئی
دنداں گئے آنکھیں گئیں اور عمر گئی
لیکن نہ گئی تو اے ہوس تُو نہ گئی

جو نخل سدا بہار کہلاتا ہے
دیکھا ہے کہ وہ بھی خشک ہو جاتا ہے
لیکن شجرِ ہوس بلا کا ہے مہر
جب دیکھئے شاداب نظر آتا ہے

ہیں ضعف کے عقل و حافظے میں آثار
چشم و دندان و گوش ہیں دُور از کار
اے مہر گئے حواس لیکن نہ ہوس
یہ نشہ ہے ایسا کہ نہیں اس میں خمار

خم پشت ہوئی ہے جسم ہے دُور از کار
محتاج عصا ہے بو الہوس کی رفتار
اس پر بھی پئے حرص رواں ہے ہر سو
پڑھ فاعتبروا یا اولے الابصار اے یار

بے کار ہوئے حواس پر محسوسات
دل سے جاتے نہیں ہمارے ہیہات
بڈّھے ہوئے ہم مگر نہ بڈّھی ہوئی حرص
اس کا ہے وہی حال وہی پہلی بات

جس طرح کہ شیر سے ہے آہو کو گریز
کر مہر زر و زمین و زن سے پرہیز

کس امن سے زندگی بسر ہو سب کی
یہ زر اے تلشہ نہ ہو گر شر انگیز

جو شخص کہ دنیا کی ہوس کرتا ہے
تحصیل میں کب وہ پیش و پس کرتا ہے
ساری دنیا بھی اس کو مل جائے جو مہر
دیکھو گے کہ اس پر بھی نہ بس کرتا ہے

ما و منی

کیوں جامہ و ناں کا فکر ہے دامنگیر
کیوں ہے زن و فرزند کی الفت میں اسیر
اے مہر یہ باتیں نہیں آزادوں کی
پا میں ہے ابھی ماؤمنی کی زنجیر

میرا ہے مال اور میرا ہے مکان
میرے زن و فرزند میری عزت و شان
میرا میرا اسی طرح سے کرتے
غافل تری ایک روز نکل جائیگی جان

آئینے میں مہر رخ نظر آتا ہے
آئینہ نہ ہو تو رخ بھی چھپ جاتا ہے
دنیا بھی جبھی تک ہے کہ ہے ماؤمنی
تو چھوڑ تو اس کو دیکھ کیا پاتا ہے

اے راہ روِ ملکِ بقا بے کاہل
تنہا چلنا ہے تجھ کو سوئے منزل
سازو ساماں کی گٹھڑیاں باندھ نہ تو
یہ ٹھاٹھ یہیں پڑا رہیگا غافل

ہے دور و دراز مہر عقبیٰ کا سفر
کیونکر طے ہوگا تجھ سے غافل کیونکر
بھاری ہے بہت ماؤمنی کی گٹھڑی
اور تو نے رکھا ہے اس کو اپنے سر پر

یہ ماومنی ہے مرضِ جوع بقدر
سیری ممکن نہیں ہے جو چاہے سوکر
اے مہر مرض ہے یہ ذیابیطس کا
جاتا نہیں جب تک نہ ہو دنیا سے سفر

کیوں کہتا ہے ہر چیز کو تو میری ہے
اے مہر نہ میری ہے نہ یہ تیری ہے
دنیا سے چلا جانا ہے اک دِن اس طرح
گویا کہ کسی فقیر کی پھیری ہے

لذّات

دلکش ہے حسن چشمِ بینا کے لئے
آواز اچھی ہے گوشِ شنوا کے لئے
لذّات ہیں تابع حواس اے غافل
سُپنے کی سی باتیں دلِ دانا کے لئے

محسوس کیا ہے آج جن کو لذّات
کل مہر تصوّر میں ہے وہ خواب کی بات
دونو یکساں ہیں اس لئے اے غافل
لذّات ہیں یا تصوّرِ محسوسات

کس واسطے تو ہے مائلِ محسوسات
جو حس ہے آج کل ہے کہنے کی بات
سچ کہتا ہوں خواب کے سے نقشے ہیں یہ
لذّات نہیں ہیں مہر قائم بالذّات

لذّات میں دل اگر لگایا تُو نے
ناحق تگ و دو میں رنج اُٹھایا تُو نے
دنیا ہے سراب اس میں لذّات میں آب
دھوکا اے دل غضب کا کھایا تُو نے

لذّات ہیں راہ معرفت کی رہزن	رہزن کیسی کہ ہیں نہایت پُر فن
سالک کے لئے بچاؤ ہے ان سے ضرور	منزل لینی وگرنہ ہے مہر کٹھن

منزل لینی اگر ہے تجھ کو منظور	رستے میں بچا فئے ٹھگوں سے بھی ضرور
ٹھگ ہیں رہ معرفت کی لذّات اے مہر	لے جائیں کہیں نہ تجھکو رستے سے دوُر

لذّات ہیں بے شمار اے حضرتِ دل	نا ممکن ہے کہ ہوسکیں سب حاصل
ہاں ترک اگر چاہے تو ہوسکتا ہے	کیا وجہ کہ ایک ہے نہیں ہے مشکل

فکرِ مکاں

لکھ رکھ اے مہر بات حکمت کی ہے	دنیا ے دنی جا نہ اقامت کی ہے
آثارِ ضاوید سے آتی ہے صدا	کچّی بنیاد ہر عمارت کی ہے

آثارِ ضاوید ہیں کیا عالیشاں	لیکن مسمار منہدم اور ویراں
گویا کہ زبانِ حال سے کہتے ہیں	دنیا میں عبث ہے فکرِ تعمیرِ مکاں

دنیا اک کارواں سرا ہے اے دل	یاں رات کی رات ٹھیرنا ہے غافل
جب صبح ہوئی یاں سے چلا جانا ہے	اتنا سا قیام اور فکرِ منزل

کچھ لطف نہ ۔ تنگ وخشت میں آئیگا
راحت نہ بوقت مرگ تو پائیگا
اے مہر مکاں بنا کے لینا ہے کیا
کیا سر پہ اٹھا کے ساتھ لے جائیگا

کیسے کیسے مکان ہیں عالیشاں
کیسے کیسے ہیں جمع ساز و ساماں
شاید اے مہر ہے مکینوں کو یقیں
چلنا نہیں رہنا ہے ہمیشہ ہی یہاں

اے ہم سفر قافلۂ ملکِ فنا
مت بھول کہ کارواں سرا ہے دنیا
طاقِ ایوانِ جم پہ کندہ تھے یہ حرف
یاں کوئی رہیگا نہ کبھی کوئی رہا

کیوں رہتا ہے تجھکو فکرِ تعمیرِ مکاں
بنوا بھی لیا تو چھوڑ جانا ہے یہاں
دنیا کی سرا میں پانچ دن کا ہے قیام
کر لے جس طرح ہو گزارہ ناداں

دنیا کی سرا میں پانچ دن کا ہے قیام
سودائے عمارات ہے سودائے خام
کیا سر پہ مکاں اُٹھا کے لے جائیگا
جب آئیگا اے مہر اجل کا پیغام

مال و زر

کام آئیگی خیرات جو کر جائیگا
خیرات سے گھٹ تیرا نہ زر جائیگا
پیاسا پانی جو پی لے دریا سے مہر
پانی دریا کا کیا اُتر جائیگا

صندوق میں بند کیسۂ زر ہے اگر	یا اس میں مقفّل ہے بڑا سا پتھّر
دونو یکساں ہیں پھر دونو یکساں	محتاج کو دے تا کہ کُھلے قیمتِ زر

توفیق عطا کرے اگر تجھ کو خدا	اوروں کو کھلا بیٹھ کے اور خود بھی کھا
چلتی پھرتی ہے چھاؤں دولت اے مہر	جب تک ہے پاس اس سے کچھ نفع کما

دولت کے روز بیٹھ کر کھائیگا	یا ساتھ اسے باندھ کے لیجائیگا
کیا کرتا ہے صندوقِ مقفّل میں بند	کر راہِ خدا میں خرچ پھل پائیگا

زردار کو فکر زر بڑھانے کی ہے	محتاج کو فکر روز کھانے کی ہے
منعم ہے گدا گدا ہے منعم ان میں	تفریق فقط مہر دکھانے کی ہے

تحصیل کیا تو ہے تحفّظ کا خیال	محفوظ رہا تو صرف کا ہے جنجال
آنے میں بھی رنج اور جانے میں بھی رنج	لعنت تجھپر ہزار لعنت اے مال

چاہت دولت کی محض رسوائی ہے	تو نے کس سے طبیعت اٹکائی ہے
آغوش میں آج اسکی ہے کل اسکی ہے	ناداں یہ بیسوا تو ہرجائی ہے

غرّہ دولت پہ محض نادانی ہے	یہ چیز ہے وہ کہ آنی اور جانی ہے
کل تک تھے جو مہر لکھ پتی ساہوکار	آج اُن ہی کے گھر بے سرو سامانی ہے

ہرجائی سے کی ہے آشنائی تونے
دیکھی نہیں اسکی بے وفائی تونے
ہوگی نہ ہوئی نہ ہے کسی کی دولت
اٹکایا ہے دل کو کس سے بھائی تونے

شہرت وعزت

شہرت کی ہوس کمال نادانی ہے
کس کی رہی یاد کس کی رہجانی ہے
دنیا میں رہیگا نام اللہ کا بس
باقی جو شے ہے مہر وہ فانی ہے

اے مہر عبث ہے ہوسِ عزت وجاہ
رہتا نہیں حال ایک سا شام وپگاہ
دیکھے ہیں بہت صاحبِ عالم ہم نے
اب بھیک بھی مانگی نہیں ملتی للہ

جو نام کا یاں قیام بتلاتا ہے
یہ یاد رہے وہ غلطی کھاتا ہے
چلتا رہتا ہے کچھ دنوں تک بے شک
پھر نام کا بھی نشان مٹ جاتا ہے

مشہور ہے مونگ موٹھ میں کون بڑا
ہے شاہ وگدا کا مہر یکساں رتبہ
جب تک جیتے ہیں آدمی ہیں دونوں
جب مرگئے خاک میں بتا فرق ہے کیا

ہے چونکہ حصول کا ذریعہ خفّت
عزّت دنیا میں ہے سراسر ذلت
سچی عزّت کا گر طلبگار ہے تو
اے مہر وہ ہے طاعت ربّ العزت

عزت اک چیز آنی اور جانی ہے
انجام اس کا نقطۂ پشیمانی ہے
جس شے کو قرار ایک حالت پہ نہیں
دل بستگی اس میں محض نادانی ہے

عزّت کچھ چیز ہے نہ ذلت کچھ چیز
کچھ بھی نہیں فرق ان میں اے یار عزیز
جب موت نے خاک کر دیا دونوں کو
ہوتی نہیں شاہوں کی گداؤں سے تمیز

احباب واقارب

ہوتا ہے یہاں مہر کوئی کب اپنا
مطلب ہاں ڈھونڈھتے ہیں ہم سب اپنا
ہم نے سب آشنا غرض کے پائے
سچ ہے دنیا ہے اور مطلب اپنا

پہلا سا مہر کارخانہ نہ رہا
وہ مہر و محبّت کا زمانہ نہ رہا
بیگانہ نما ہیں آشنا ہیں جتنے
دنیا میں مگر کوئی یگانہ نہ رہا

اپنا دیکھا ہے اور پرایا دیکھا
سو بار ہے سب کو آزمایا دیکھا
اے مہر بُرے وقت کا جو ساتھی ہو
ایسا کوئی نہ ماں کا جایا دیکھا

جو شخص ترے مال پہ رکھتا ہے نگاہ
تیرا اس سے نہیں زیادہ بدخواہ
اولاد کو پھر عزیز رکھتا ہے کیوں
تجھ سا بھی زمانے میں نہ ہوگا گمراہ

بیٹا بیٹی عزیز اور بھائی بند ہیں مادمنی کے یہی اے بھائی بند
ہم نے تو کبھی کی رسم الفت ان سے کردی ہے زبس ہمیں نہیں بھائی بند

جو کہتا ہے اولاد سے چلتا ہے نام اس کو میری طرف سے دو یہ پیغام
کے پشت کے نام چل رہے ہیں تیرے گر چار بتا دے تو کروں سات سلام

اپنا دیکھا ہے اور پرایا ہم نے سو بار ہے سب کو آزمایا ہم نے
اے مہر بنی کا ہے زمانہ ساتھی بگڑی کا کوئی یار نہ پایا ہم نے

جب تک کہ ہے زردار ترے یار ہیں سب جب تک نہ پڑے وقت وفادار ہیں سب
جب وقت پڑیگا دیکھ لیجو غافل سمجھا تھا جنہیں یار وہ عیّار ہیں سب

احباب کو کترا کے نکلتے دیکھا آنکھیں ہم چشموں کو بدلتے دیکھا
اے مہر خدا کسی کو مفلس نہ کرے مفلس سے ہر اک کو بچکے چلتے دیکھا

تحصیلِ معاش کی ہے جب تک طاقت ہے خویش و اقارب کو بھی تجھ سے الفت
گھر میں کوئی بات بھی نہ پوچھیگا مہر جب کردیا پیری نے نکمّا حضرت

ہم نے اے مہر اک زمانہ دیکھا سب قدرتِ حق کا کارخانہ دیکھا
بیگانے کو بیگانہ نہ سمجھے ہرگز ایسا نہ کوئی مرد یگانہ دیکھا

مدارج عمر

بچّے کو ہوا کرتی ہے ہر شے کی ہوس	پوری ہوتی نہیں تو رو دیتا ہے بس
سمجھا ہے غلط زمانۂ بے فکری	اس بوالہوسی و بیکسی کو ہر کس

بچّے کو سمجھتے ہیں کہ یہ ہے دل شاد	یہ ہے مسرور اور یہ ہے آزاد
مسرور اگر ہے تو یہ رونا کیسا	دل شاد اگر ہے تو یہ کیسی فریاد

بچّے کو خوشی ہے ہے یہ کہنا بچپن	گھر دور خوشی کا ہے بہت حضرتِ من
محتاج ہے ہر بات میں جو اوروں کا	اس کے دل میں کہاں خوشی کا مسکن

اس بات کا اے مہر تلوّن ہے گواہ	خاطر نہیں جمع ہیں خیالات تباہ
بچپن نعمت ہے ہے یہ کہنا بچپن	بچپن میں بھی آرام نہیں خاطر خواہ

ساری دنیا کی خاک چھانی ہم نے	دیکھی تو عجب چیز جوانی ہم نے
اک چشم زدن میں کیا ہوئی ہے غائب	گویا کہ سُنی تھی اک کہانی ہم نے

گر شوق ہے حمق کی نشانی دیکھو	تو غور سے عالم جوانی دیکھو
کانوں سے سنا ہے شیخ چلّی تھا کوئی	یاں آنکھ سے مہر اُس کا ثانی دیکھو

چلتا ہے جو یوں اکڑ کے بیڈھنگی چال	سوچا بھی ہے اے جوان کچھ تو نے مآل

خم ہوئی ہے پشت ایک دن مثل کماں
اورچال کا ہونا ہے زبوں ترا احوال

یہ یاد رہے کہ وہ بھی دن آئیگا
خم ہوگی پشت اور ہاتھوں میں عصا
وہ دن کی چاندنی جوانی ہے مہر
پھر پاکھ اندھیرا ہے وہی پیری کا

افسوس بہار زندگانی نہ رہی
وہ جوش و خروش و شادمانی نہ رہی
اے مہر مزے ہیں سب جوانی کے ساتھ
کچھ بھی نہ رہا اگر جوانی نہ رہی

پیری میں کہاں مہر جوانی کے مزے
وہ تو ہمراہ ہی جوانی کے گئے
چھاتی پر اپنی لوٹ جاتا ہے سانپ
آجاتے ہیں جب یاد پرانے جلسے

مصنوعی دانت اور ہاتھوں میں عصا
بالوں میں خضاب اور بلوریں چشمہ
اے مہر جوانی ہی نہیں دیوانی
یہ دیکھ بڑھاپے نے ہے کیا سانگ بھرا

مصنوعی دانت اور بالوں میں خضاب
عینک ہے لگی عصا ہے در دست جناب
اے شیخ جواب دیچکے مجھکو تو نے
یا آپ ہی دے رہا ہے اُن سب کو جواب

ٹانگوں نے جواب دیدیا ہے کب کا
لیکن ہاری نہیں ہے ہمّت اصلا
لکڑی لئے اور لڑکھڑاتا اے مہر
کیا موت سے لڑنے کو چلا ہے بڈّھا

کتنے ہیں جن کو زندگانی کے مزے
ہیں مہر وہ عالم جوانی کے مزے

پیری میں کبھی جو یاد آجاتے ہیں	تو ہوتے ہیں معلوم کہانی کے مزے

اب تک ہے خیال کی تباہی باقی	اب تک ہے تمنائے مناہی باقی
موہائے سفید پر نہیں رنگِ خضاب	ہے شیخ کی مہر روسیاہی باقی

نیرنگِ زمانہ

کل دیکھ رہا تھا میں شفق کے نیرنگ	تبدیلئِ پیہم سے مری عقل تھی دنگ
نیرنگِ زمانہ پھر گئے آنکھوں میں	اس کے بھی اسی طرح بدلتے ہیں رنگ

اے مہر زمانے کی ہوا بدلی ہے	مطلع تھا صاف پہلے اب بدلی ہے
چلتا نہیں راہِ نیک پر کوئی بھی	ہے ایک زمانہ کہ رہِ بدلی ہے

جو مہر جہاں پناہ کہلاتے تھے	خاطر میں خدا کو بھی نہیں لاتے تھے
دیکھے اُن کے ہی کاسۂ سر ہم نے	پاؤں میں پڑے ٹھوکریں کھاتے تھے

رقص اور سرود روز رہتے تھے جہاں	اُلّو بھی نہیں بولتا افسوس وہاں
آثار مکانوں کے تو کچھ باقی ہیں	لیکن آثار اب مکینوں کے کہاں

رہتے تھے جہاں صاحبِ عالم اور شاہ	ہے آج شغال و بوم کی جائے پناہ

نیرنگِ زمانہ دیکھتے ہیں تو کر
آثارِ صنادید پہ عبرت سے نگاہ

اے مہر سرِ غرور نیچا ہے مدام
دیکھو گردن کشوں کا کیا ہے انجام
جھکتا نہ تھا تسلیم کو بھی سر جن کا
اب کھوپڑیاں ہیں اُن کی پامالِ عوام

جن کو نہیں قدرِ وقت فرصت ہے انہیں
جن کو نہیں چاہیئے فراغت ہے اُنہیں
درکار ہے فرصت و فراغت جن کو
دیکھا ہے کہ سو طرح کی آفت ہے اُنہیں

بندِ علائق

کیا بندِ علائق نے بچھایا ہے دام
دن کو بھی کام اور شب کو بھی کام
غافل اچھا ہے تجھ سے کولھو کا بیل
مل جاتا ہے کوئی دم تو اُس کو آرام

جو بندِ علائق سے ہوا ہے آزاد
سچ پوچھو تو بس اُسی نے پائی ہے مراد
پابند کو آسودہ خرامی کیسی
قیدی بھی کبھی مہر ہوا ہے دل شاد

گر چاہے کہ دل کو نہ ہو رنج اور الم
کر مہر تعلقاتِ دنیاوی کم
جتنے یہ زیادہ ہیں زیادہ ہے رنج
جتنے یہ کم ہیں ساتھ ہی کم ہے غم

ہر سو ہے بچھا بندِ علائق کا دام
رکھ پھونک کے تو قدم یہاں وقتِ خرام

پھندے ہیں اس کے موت کے پھندے مہرؔ — جو اس میں پھنسا اُس کا ہُوا کام تمام

کہتے ہیں جس کو خانہ آبادی ہے — اے مہرؔ وہ عین خانہ بربادی ہے
لازم ہے کہ تعزیت کو آئیں احباب — شادی نہیں الوداعِ آزادی ہے

پھولا ہے جو اس قدر مری شادی ہے — غافل کچھ بھی خیالِ آزادی ہے
دنیا زنداں ہے اور زن ہے جولاں — بربادی تیری خانہ آبادی ہے

اپنے دھندے ہی لینے دیتے نہیں دم — اِن سے چھوٹے تو پھر ہے اولاد کا غم
اِس سے بھی بچے تو ہیں پڑوتے پوتے — اے مہرؔ خدا کی کر چکے طاعت ہم

عمرِ رواں

اے مہرؔ گیا قافلۂ عمرِ رواں — کس سوچ میں بیٹھے ہو اُٹھو میری جاں
گھڑیال گھڑی گھڑی نہیں بجتی ہے — آوازِ جرس کی آ رہی ہے ناداں

خاصیتِ عمر جبکہ ٹھہری گزراں — اے مہرؔ گزر جائیگی یہ عمرِ رواں
راحت میں بسر ہوئی تو کیا سود ہُوا — اور رنج میں گزری تو ہُوا کیا نقصاں

دردِ سر و چشم و گوش و دنداں ہے مدام — کمزوریٔ اعصاب سے ہے زیست حرام

اے مہر علاج اور دوا کب تک
بس یوں سمجھو کہ ہو چکی عمر تمام

اچھی بری سب تیری گزر جائیگی
ہے حق کی رضا جیسی گزر جائیگی
اے مہر بہت گزر چکی عمرِ رواں
تھوڑی سی رہی یہ بھی گزر جائیگی

اٹکاؤ کہیں ہے نہ کسی جا ہے قیام
ہے موڑ کہیں اور نہ چکّر کا مقام
دیکھے جو کبھی روانیٔ عمرِ رواں
اے آبِ رواں نہ پھر روانی کا نام

ہے آبِ رواں میں بھی روانی ہر چند
رُک جاتا ہے لیکن وہ اگر باندھیں بند
اے عمرِ رواں تری روانی نہ رُکی
تدبیر ہزار کر چکے دانشمند

ارماں نکلا نہ کوئی حسرت نکلی
جو بات تھی مہر دل کی دل ہی میں رہی
تھی عمرِ رواں مگر سمندر کی لہر
اُٹھی اور اُٹھ کے بس وہیں بیٹھ گئی

موت

پیغامِ اجل آئیگا پر آئیگا
کیا موت کا فکر کر کے پھل پائیگا
دنیا ہے سرائے پنج روزہ اے مہر
یاں کون رہا ہے کون رہجائیگا

موہائے سفید لو نمودار ہوئے
آنکھیں گئیں اور دانت بھی بیکار ہوئے

پیغام اجل تو آن پہنچا اے مہر	افسوس تم اب بھی نہ خبردار ہوئے
موہائے سفید ہیں ہمارے سارے یہ کوچ کی غافلو خبر دیتے ہیں	یا صبح رحیل کے ستارے سارے دن عمر کے ہو چکے تمہارے سارے
مو ہائے سفید کی سفیدی ہے دلیل اُٹھو اُٹھو یہ خواب غفلت کب تک	اے مہر نمودار ہوئی صبح رحیل چلنے کی کرو یہاں سے چلنے کی سبیل
ہشیار تجھے کرنے کی تدبیر ہے یہ آتا جاتا نہیں ہے دم ہرگز مہر	اب بھی نہ ہو بیدار تو تقدیر ہے یہ نقارۂ کوچ کی بم و زیر ہے یہ
کیوں رہتی ہے تجھکو خواہش عمر مزید بیماری و موت کا ہے گھر جسم اے مہر	امید وہ کر کہ ہو سکے جس کی امید غافل کیسی اسے بقائے جاوید
صیاد اجل ہے اور یہ دنیا ہے جال اس دانہ و دام میں پھنسا تو اے مہر	دانہ ہے زر و زمین و زن کا جنجال صیاد سے بھی اس کی رہائی ہے محال
کیوں خوف اجل سے دل ہے تیرا بیکل مرنا برحق ہے مہر مرنا برحق	کیا خوف زدوں کو بخشدیتی ہے اجل گر آج بچے تو دوسرا دن ہے کل
ہے آنکھ وہی ناک وہی کان وہی	احساس کے موجود ہیں سامان وہی

کیا چیز نہیں رہی جو ہوتی نہیں حس
مردہ بھی تو جوں کا توں ہے انساں ہی

رو تی ہے زن کہ ہائے میرے شوہر
روتا ہے پسر کہاں گئے ہائے پدر
ہے جسم تو خاک پر پڑا جوں کا توں
اے مہر ہے یہ گریہ و زاری کس پر

گہوارۂ عیش میں مگر جھولا ہے
ثروت پہ غنی جو اس قدر پھولا ہے
بنتی ہے کھڑی اجل سرہانے اے مہر
کیا بھولا ہے کیا بھولا ہے کیا بھولا ہے

۱۵۔ تناسخ

جس شخص نے موت کو فنا مانا ہے
اے مہر وہ شخص محض دیوانہ ہے
دروازۂ زندگی ہے مرگ اے غافل
اس در سے تجھے اور کہیں جانا ہے

بائع آتا ہے مشتری آتا ہے
لے جاتا ہے اور جنسِ عمل لاتا ہے
گزری ہے مہر یہ جہاں گزراں
تار آنے جانے کا یاں چلا جاتا ہے

جس طرح کہ بعدِ خواب بیداری ہے
بیداری سے پھر خواب کی تیاری ہے
اے مہر اسی طرح سے تا حدِ نجات
آنے جانے کا سلسلہ جاری ہے

دنیا ہے مہر ایک بازار لگا
آنے جانے کا ہے یہاں تار لگا

خواہش ہے کہ سب کو کھینچ کر لاتی ہے — خواہش ہیں دل کو تو نہ زنہار لگا

جو بیج کہ بوئے گئے پھل لائینگے — اے مہر وہ بیکار نہیں جائینگے
دنیا کے خیالات ہیں جن کے دل میں — واپس دنیا میں وہ ضرور آئینگے

جب تک ہے خودی ساتھ ہیں اسکے اعمال — اعمال کے ساتھ ہے تناسخ کا وبال
اس دورِ مسلسل سے رہائی کے لئے — درکار ہے ذاتِ لایزالی کا خیال

جس طرح سے گھر چھوڑ کر رختِ کہن — کر لیتے ہیں ہم جامۂ نو زیبِ بدن
کرتی ہے حلول اور جسموں میں روح — ہو جاتا ہے کہنہ جبکہ یہ جامۂ تن

آسودگی عنقا ہے

ہے رنج والم کا گھر سراسر یہ جہاں — اور رنج میں راحت کا ہے طالب انساں
جو رنج کا گھر ہے اس میں راحت کیسی — کوشش ہے عبث ببول میں آم کہاں

کانوں سے بہت سنا فسانہ ہم نے — دیکھا آنکھوں سے اک زمانہ ہم نے
لیکن آسودگی ہے عنقا اے مہر — پایا نہ کہیں اس کا ٹھکانا ہم نے

زردار سمجھتا ہے کہ بے زر ہے خوش — بے زر کو خیال ہے تونگر ہے خوش

اے مہر خوشی حرص و ہوس میں کیسی
یاں کوئی نہ گھر میں اور نہ باہر ہے خوش

منعم کو اُدھر ہوس زر و مال کی ہے
مفلس کو ادھر فکر زبوں حال کی ہے
آسودگی اے مہر نہ اس کو نہ اُسے
تاثیر عجب شامتِ اعمال کی ہے

بیگانگئ طبع نے مارا مجھ کو
تفریح نہ مشغلہ گوارا مجھ کو
آسودگئ دل کا ذریعہ کیا ہے
بتلاؤ تو یارو کوئی چارا مجھ کو

ناحق آسودگی کی تجھ کو ہے تلاش
دنیا میں نہیں ملیگی اے نیک معاش
ملتا جو سکون قلب دنیا میں مہر
ہوتی نہ کسی کو فکرِ عقبیٰ کی خراش

گھر میں ڈھونڈا تجھے مگر تو نہ ملی
باہر دیکھا مگر تری بو نہ ملی
شاید آسودگی ہے عنقا تو ہی
چھانی ہے ہم نے خاک ہر سو نہ ملی

صحرائے جہاں میں مثلِ امواجِ سراب
ہیں یہ زن و فرزند و مکان و اسباب
منزل آسودگی کی ہے دور اے مہر
اس طرح نہ دوڑ دوڑ کر تو ہو خراب

ترا آسودگی! ٹھکانا نہ ملا
ہم نے چھانا ہے اک زمانہ نہ ملا
تو چیز ہے ایسی کہ جہاں بنتی ہے
واللہ ہمیں وہ کارخانہ نہ ملا

بابِ دوم - در صفائی قلب

ندامت

پہلے رہے مصروف تن آسانی میں
کچھ بھی نہ کیا جو کام آتا اے مہر
ہیں آج گرفتار پشیمانی میں
کیا کھوئی ہے ہم نے عمر نادانی میں

اعمالِ ریاضت اور عشق و عرفاں
روتی ہے تری جاں کو کھڑی نومیدی
سامانِ نجات میں سے کچھ بھی نہیں یاں
اے عمر گزشتہ تجھ کو ڈھونڈھوں کہاں

رستے متعدد ہیں اِدھر اور اُدھر
تم نے کیا مجھ کو انے کتابو گمراہ
حیران کھڑا ہوں میں کہ ہو لوں کس پر
سچ کہتے ہیں العلم حجاب الاکبر

پھیلا کر پاؤں جو یہاں سوتا ہے
چلتے ہاتھوں کما دھائے اے مہر
سر پر وہی ہاتھ رکھ کے پھر روتا ہے
کیوں عمر عزیز رائگاں کھوتا ہے

ہے در پہ امیر کے کبھی سر گرداں
کر ایک خدا کی بندگی تو اے مہر
اور گاہ درِ فقیر پر سجدہ کناں
کس کس کو پھریگا سر جھکاتا ناداں

کیوں بندگی و عجز سے اے مہر ہے عار | کرتے نہیں کیوں خوشامدانہ گفتار
آقائے حقیقی کو تو چھوڑا تم نے | اب ہر کس و ناکس ہے تمہاری سرکار

آقائے حقیقی کو جو چھوڑا ہم نے | ثمرہ بھی عجیب اس کا دیکھا ہم نے
ایک ایک کی خدمت میں ہیں اب سرگرداں | کرنا کیا تھا ہمیں کیا کیا ہم نے

اے مہر بہت خاک اُڑائی ہم نے | کی در بہ در اک کے جبہ سائی ہم نے
چھوڑا تھا خدا کو بسکہ بندوں کے لئے | دیکھی نہ کہیں عقدہ کشائی ہم نے

اعمالِ نیک

آغوشِ لحد میں ایک دن سونا ہے | اُس وقت جو پچھتائے تو کیا ہونا ہے
ہے مزرعۂ آخرت یہ دنیا اے مہر | بو لے اس وقت جو یہاں بونا ہے

سب خویش و اقارب تجھے رو جائینگے | اور تا لب گور ساتھ ہو جائینگے
بھائی کا بھروسا ہے نہ فرزند کا ہے | کر نیک عمل کے ساتھ وہ جائینگے

کر نیک عمل کہ نیک پھل پائیگا | گر آج نہ پائیگا تو کل پائیگا
تحصیل میں کر تو سعی تُو سعئے بلیغ | اے مہر ضرور ماحصل پائیگا

ثمرہ تجھے چاہئے اگر مہر اچھا	کوشش یہ کر نہ ہو کوئی کام بُرا
بوئے ہیں ببول چاہتا ہے پھل آم	آئیں تو کہاں سے آئیں اے مردِ خدا

ہے محنت و سعی چونکہ دہقاں کا شعار	وہ مہر کما لیتا ہے اک اک کے ہزار
بو مزرعۂ دل میں تخمِ طاعت تو بھی	پھر نخلِ امید کی ذرا دیکھ بہار

جس طرح کہ آئینے کو دینے سے جلا	ہو جاتا ہے دُور کلفت و زنگ اسکا
آئینۂ قلب کی صفائی کے لئے	درکار ہے اعمال کی اے مہر صفا

اچھا ہو خیال اور اچھا ہو کلام	ہاتھوں سے جو سرزد ہو وہ اچھا ہو کام
یہ تینوں مرحلے کئے جس نے طے	اے مہر وہ کر چکا فرائض کو تمام

صحبتِ نیکاں

کھٹی بھی تھی جس درخت میں نارنگی	پیوند لگانے سے ہوئی ہے میٹھی
اے صحبتِ نیک آفریں ہے تجھکو	عادت نہیں تبدیل طبیعت کر دی

بازار میں ہے اگر دکانِ عطار	خوشبو سے ہے عطر بیز سارا بازار
وہ فیض ہے عام تیرا اے صحبتِ نیک	رہرو کو بھی پہنچا ہے سرِ راہگذار

کچھ دیر رہا تھا تیل کو قربِ سمن
اب عطر بنا ہے غیرتِ مشکِ ختن
تو بے ہنروں کو بھی ہنرور کر دے
اے صحبتِ نیک تجھ کو آتا ہے وہ فن

قربِ نیکاں میں اخذ کریگا تو
ان کی عادات اور اُن کی ہی خو
تسبیح کو رکھ بُرادۂ صندل میں
اور دیکھ کہ دانوں میں ہے صندل کی بو

قربِ نیکاں میں ہے اگر تیرا گزر
ہو جائیگا انساں سے فرشتہ یکسر
جس طرح کہ پارس کو ذرا مس کر کے
آہن اے مہر دم میں ہو جاتا ہے زر

کہتا ہے جسے مہر زمانہ اکسیر
در اصل ہے قربِ راستاں کی تاثیر
یہ دیکھ کمال کر دیا بد کو نیک
طاقت ہے اسی میں کہ بدل دے تقدیر

پھولوں کا جو سوت کو ہؤا قرب اے یار
ہے آج بزرگوں کے گلے کا وہ ہار
نیکوں میں بیٹھ مہر نیکوں میں بیٹھ
آنکھوں پہ بٹھائیں تاکہ تجھ کو ابرار

دامانِ ملوثات یوں چاک ہؤا
انساں لوثِ بدی سے بے باک ہؤا
بھنتی ہوئی گنگا ہے تو اے صحبتِ نیک
جو تجھ میں ملا آن کے وہ پاک ہؤا

جس طرح ہے دلفزا فضائے گلزار
آتا ہے وہاں دل میں سکون اور قرار
تیرا بھی وہی فیض ہے اے صحبتِ نیک
دے تجھ کو جزائے خیر ربِّ غفّار

نفس کشی

ہے ذوقِ مہوسی فقط بوالہوسی
پارا نہ مرا اور مریگا نہ کبھی
گر مار سکے تو نفسِ سرکش کو مار
اکسیر یہی ہے مہر اکسیر یہی

روکے بھی حواسِ ظاہری گر غافل
کچھ سود نہیں ہے گر نہیں رکتا دل
لذّات و تصورات سے دل کو روک
پھر دیکھ کہ ہوتا ہے تجھے کیا حاصل

سمجھا ہے جس کو تو نے سچّی دنیا
وہ واہمۂ نفس ہے از سرتا پا
اس واہمۂ نفس کو روک اے غافل
بے واہمۂ نفس ہی تو ہے نورِ خدا

کرتا ہے دشمنوں کا منہ زرد وہی
یکتا ہے ہزاروں میں وہی فرد وہی
مارا ہے جس نے نفسِ سرکش اپنا
مردوں میں ہے اے مہر جوانمرد وہی

ہے ما و منی کا زنگ گہرا دل پر
نورِ عرفاں کی ہو تجلّی کیونکر
پہلے آئینہ صاف کرلے اے مہر
پھر رخ بھی اس میں صاف آئیگا نظر

ہے لوثِ خودی سے شیشۂ دل ناپاک
کس طرح سے ہو نورِ خدا کا ادراک
ہے وہ ہی مثل کہ آنکھ کے آگے ناک
سوجھے تجھے بوالہوس تو سوجھے کیا خاک

آنکھوں میں تری غبارِ پندار کا ہے
مانع یہی معشوق کے دیدار کا ہے

کر سرمۂ معرفت سے پہلے اسے دور — پھر دیکھ کہ جلوہ ہر طرف یار کا ہے

کہنے کو ہے زندگی درختوں کی بھی — انساں کی بھی زندگی ہے اور حیواں کی
جینا ہے اُسی کا ایک دنیا میں مہر — جیتا ہے نفس جس نے یاں جیتے جی

تقدیر

باہر ہے کہ مہر آدمی گھر میں ہے — دشت و کہسار بحر یا بر میں ہے
تقدیر نچا رہی ہے ہر اک کو ناچ — جس کو دیکھا اسی کے چکّر میں ہے

کب تک خوار و زبوں پھرائیگی تو — کب تک در در مجھے جھٹکائیگی تو
اب چین بھی لینے دے ذرا اے تقدیر — کب تک مجھے یوں ناچ نچائیگی تو

کیا فکرِ بیش و کم سے پھل پائیگا — جو مہر مقدّر میں ہے مل جائیگا
لوٹا لے جا کوئیں پہ یا دریا پر — پانی تو بقدر ظرف ہی آئیگا

کس طرح سے کارگر ہو کوئی تدبیر — گر بھر چلتی ہے مہر آگے تقدیر
ہم سوچتے کچھ ہیں اور ہوتا ہے کچھ — دیکھو تو سہی حکمتِ اللہِ قدیر

یکسو دلِ بے قرار دم بھر نہ ہُوا — افکار سے خالی نہ ہُوا پر نہ ہُوا
اے گردشِ دہر تیرے چکّر میں ہمیں — آرام سے بیٹھنا میسّر نہ ہُوا

سرگشتہ و حیران پڑے پھرتے ہیں	دانا ہیں کہ انجان پڑے پھرتے ہیں
تقدیر کا چکّر ہے وہ چکّر اے مہر	احباب پریشان پڑے پھرتے ہیں

دل میں افکار کا یہ طغیان کب تک	اور طبعِ حزیں میں کنج و حرماں کب تک
اے گردشِ دہر دم بھی لینے دے ذرا	اس طرح رہینگے ہم پریشاں کب تک

کہتا ہے جسے مہر زمانہ تقدیر	دراصل وہی ہے حکمتِ ربِّ قدیر
ممکن نہیں کوئی اُس پہ غالب آجائے	بیکار اسی لئے ہے ساری تدبیر

سعی و تدبیر تو ہے اپنی اپنی	لیکن ملتا ہے جو مقدّر ہے وہی
اے مہر سمندر میں لگا کر غوطہ	کوڑی لاتا ہے کوئی موتی کوئی

بے سود تگ و دَو کے تو چکّر میں ہے	مل جائیگا جو ترے مقدّر میں ہے
دے جاتے ہیں خود کارکنانِ تقدیر	باہر ہے کہ مہر آدمی گھر میں ہے

قناعت

کیوں حرص و ہوا میں مبتلا ہے مہر کس	دولت لے مہر ہے قناعت اور بس
شاید آدھی رہے نہ ساری غافل	کر چھوڑ کے آدھی کو نہ ساری کی ہوس

لگ جائے ترا ہاتھ تو مس زر ہو جائے
بے زر اک آن میں تونگر ہو جائے
تو ہے دنیا میں اے قناعت اکسیر
برکت سے تری گدا سکندر ہو جائے

بگڑا ہے کام یا کہ ہے کام بنا
کر شکر کہ اے مہر مقدّر یوں تھا
سنتے آئے ہیں ہم بزرگوں سے مثل
شاکر کا کفیل آپ ہوتا ہے خدا

اچھوں کو بُرا اور بروں کو بھی بُرا
کہتے آئے ہیں لوگ دنیا کے سدا
تو مان بُرا نہ اِن کی باتوں کا مہر
اِن کو یوں چین ہے نہ ووں چین ذرا

اے مہر اتر گئی جب اپنی لوئی
ہے وہ ہی مثل کہ کیا کریگا کوئی
دنیا ہی کو جب چھوڑ چکے ہم تو سُنئے
اہل دنیا کی کون یا وہ گوئی

سمجھے ہو جسے ذہن میں تم اپنے ہما
استغنا ہے وہ غافلو استغنا
سائے میں اسی کے آکے محتاج گدا
رتبہ پاتا ہے ظل سبحانی کا

مس لائے تو زر کرکے دکھا دوں تجھکو
آ نسخۂ اکسیر بتا دوں تجھ کو
وہ نسخۂ اکسیر قناعت ہے مہر
باقی ہے مہوّسی سنا دوں تجھ کو

زردار کو گر اور ہے دولت کی ہوس
اور صابر و شاکر ہے گدائے بیکس
اے مہر امیر ہے حقیقت میں گدا
دولت دنیا میں ہے قناعت اور بس

تسلیم و رضا

اچھا ہونا ہے یا بُرا ہونا ہے
مسلک ہے مہرؔ اپنا تسلیم و رضا
ہم کو پروا نہیں کہ کیا ہونا ہے
ہو جائیگا جو مرد خدا ہونا ہے

احسان ہیں بے شمار تیرے یارب
کس طرح کروں شکر ادا حیران ہوں
افضال ہیں ساز گار تیرے یارب
منہ ایک کرم ہزار تیرے یارب

جو چیز یہاں ہے، دی ہوئی تیری ہے
کس منہ سے کروں شکر ادا حیران ہوں
یارب یہ عیاں ہے دی ہوئی تیری ہے
منہ میں جو زباں ہے، دی ہوئی تیری ہے

ہو گا وہی مہرؔ جو ہے منظورِ خدا
سب چھوڑ کے کام اپنے رضائے حق پر
پھر تم جو کرو فکر تو حاصل ہے کیا
بس صبر سے بیٹھے رہو راضی بہ رضا

میں کیا ہوں میرے کئے سے ہوتا ہے کیا
میں نے سب کام اپنے تجھ پر چھوڑے
ہوتا ہے وہی چاہے جو تو رب علےٰ
مختار ہے تو چاہے سو کر تیری رضا

ہے فکر عبث کہ کام کیونکر ہو گا
کام اپنا خدا کے کر حوالے اے مہرؔ
حق چاہیگا جس طرح برابر ہو گا
پھر دیکھ کہ بہتر سے بھی بہتر ہو گا

رزّاق کو اُس نے بسکہ پہچانا ہے
بے فکر بھی فکرِ رزق سے دانا ہے

وندان دے نے جب نہ ناں بھی دیکھائے مہر	جو فکر کرے وہ محض دیوانہ ہے

صبر و تحمل

اے مہر ستائے جب ہجوم آلام بیجا ہے مصیبتوں میں گھبرا جانا	لے صبر سے کام اور تحمل سے کام کیا جانئے کیا ہے حکمت رب انام
اے کوہ مبارک ہو تحمل تجھ کو گرم و سرد زمانہ سہ لینے میں	دے اور خدا شان و تجمل تجھ کو ہوتا ہی نہیں کبھی تامل تجھ کو
سہ لے رنج اور غم کو سہ لے غافل الٹی تکلیف اور ہوتی ہے سوا	دکھڑے رونے سے کچھ نہیں ہے حاصل تکلیف کی جانب جو رہے مائل
اے مہر حکیم دے اگر تلخ دوا حکمت میں نہ دے حکیم مطلق کی دخل	بیجا ہے مریض کی شکایت بے جا شاید کہ مصائب ہی میں ہو تیرا بھلا
خالی نہیں حکمت سے کبھی فعل حکیم کیوں تلخ دوائے غم سے گھبراتا ہے	پھر اسپہ حکیم بھی کریم اور رحیم اے مہر کہاں گئی تری طبع سلیم
وہ کون ہے جس کو نہیں رنج اور الم	وہ کون ہے مسرور رہے جو ہمیشہ

مخلوط ہی ملتے ہیں جہاں ملتے ہیں	ہیں شادی و غم مہر جہاں میں توام
راحت گزراں ہے رنج بھی ہے گزراں	دونوں اے مہر اس لئے ہیں یکساں
شادی سے نہ شاد ہو نہ غم سے غمگیں	ہیں شادی و غم جہاں میں توامان

متفرق اخلاقیہ

خوشبو دیتا ہے مشک ڈبے میں رکھا	فانوس میں بھی شمع رہی نور افزا
ارباب کمال لاکھ اپنے کو چھپائیں	جوہر نہیں اے مہر چھپائے چھپتا
جو کام کہ ارباب ہمم کرتے ہیں	سعی بازو سے بیش و کم کرتے ہیں
اے مہر مقولہ ہے یہی ہمت کا	اپنے سے جو ہو سکے وہ ہم کرتے ہیں
جو کام کہ دولت سے نہیں ہو سکتا	جو کام کہ حشمت سے نہیں ہو سکتا
ہمت چاہے تو کر دکھائے اے مہر	وہ کیا ہے جو ہمت سے نہیں ہو سکتا
اقبال اگر گل ہے تو گلشن ہے علم	دولت ہے اگر لعل تو معدن ہے علم
اے مہر نہیں زوال جس دولت کو	اس دولت بے بہا کا مخزن ہے علم
تلوار کی جس طرح ہے خوبی جوہر	یا آب ہے جس طرح سے خوبیٔ گہر

دندان دئے جس نے ناں بھی دیگا اے مہر
جو فکر کرے وہ محض دیوانہ ہے

صبر و تحمل

اے مہر ستائے جب ہجوم آلام
لے صبر سے کام اور تحمل سے کام
بیجا ہے مصیبتوں میں گھبرا جانا
کیا جانئے کیا ہے حکمت رب انام

اے کوہ مبارک ہو تحمل تجھ کو
دے اور خدا شان و تحمل تجھ کو
گرم و سرد زمانہ سہ لینے میں
ہوتا ہی نہیں کبھی تامل تجھ کو

سہ لے رنج اور غم کو سہ لے غافل
دکھڑے رونے سے کچھ نہیں ہے حاصل
الٹی تکلیف اور ہوتی ہے سوا
تکلیف کی جانب جو رہے ہے مائل

اے مہر حکیم دے اگر تلخ دوا
بیجا ہے مریض کی شکایت بے جا
حکمت میں نہ دے حکیم مطلق کی دخل
شاید کہ مصائب ہی میں ہو تیرا بھلا

خالی نہیں حکمت سے کبھی فعل حکیم
پھر اس پہ حکیم بھی کریم اور رحیم
کیوں تلخ دوائے غم سے گھبراتا ہے
اے مہر کہاں گئی تری طبع سلیم

وہ کون ہے جس کو نہیں رنج اور الم
وہ کون ہے مسرور رہے جو پیہم

مخلوط ہی ملتے ہیں جہاں ملتے ہیں	ہیں شادی و غم مہر جہاں میں توام

راحت گزراں ہے رنج بھی ہے گزراں شادی سے نہ شاد ہو نہ غم سے غمگیں	دو نو اے مہر اس لئے ہیں یکساں ہیں شادی و غم جہاں میں توام نالاں

متفرق اخلاقیہ

خوشبو دیتا ہے مشک ڈبے میں رکھا ارباب کمال لاکھ اپنے کو چھپائیں	فانوس میں بھی شمع رہی نور افزا جوہر نہیں اے مہر چھپائے چھپتا

جو کام کہ اربابِ ہمم کرتے ہیں اے مہر مقولہ ہے یہی ہمت کا	سعے بازو سے بیش و کم کرتے ہیں اپنے سے جو ہو سکے وہ ہم کرتے ہیں

جو کام کہ دولت سے نہیں ہو سکتا ہمت چاہے تو کر دکھائے اے مہر	جو کام کہ حشمت سے نہیں ہو سکتا وہ کیا ہے جو ہمت سے نہیں ہو سکتا

اقبال اگر گل ہے تو گلشن ہے علم اے مہر نہیں زوال جس دولت کو	دولت ہے اگر لعل تو معدن ہے علم اس دولت بے بہا کا مخزن ہے علم

تلوار کی جس طرح ہے خوبی جوہر	یا آب ہے جس طرح سے خوبئ گہر

انسان کا اے عزیز جوہر ہے علم	اخلاق ہے آب اور ادب ہے زیور
روز روشن کا شاہِ خاور ہے چراغ	تاریکیٔ شب کا ماہِ انور ہے چراغ
ہے دھرم چراغ نین لوگوں کا مہر	اور پور خلف گھر کا منوّر ہے چراغ
جب سوئے قفس بوئے سمن آتی ہے	بلبل کو بجا یادِ چمن آتی ہے
مل جاتے ہیں جب اہلِ وطن غربت میں	کیا کیا تری یاد اے وطن آتی ہے
وہ آئیں تو ہم رہ میں بچھائیں آنکھیں	وہ آئیں تو ہم در پہ لگائیں آنکھیں
ہے رونقِ بزم مہمانوں سے مہر	وہ آئیں تو آنکھوں پہ بٹھائیں آنکھیں
اس بزم میں کیا اور ہوس باقی ہے	دورِ صہبا ہے چشمکِ ساقی ہے
یہ لطف یہ رونق یہ تکلف اے مہر	ساری احباب کی خوش اخلاقی ہے
وقتِ گزراں مہر گزر جاتا ہے	انساں آتا ہے آکے مر جاتا ہے
ہے زندۂ جاوید وہی نیک انجام	جو آن کے کچھ کام بھی کر جاتا ہے
ہے نام یہاں وہاں نجات اسکی ہے	ذکر اس کا ہے دن میں یادرات اسکی ہے
جس شخص کا ہے فیض زمانے میں عام	اے مہر زمانے میں حیات اسکی ہے
لازم ہے کہ زندگی میں تو کام کرے	وہ کام کہ مشہور ترا نام کرے

وہ نام کر ذکرِ خیر کے ساتھ اے مہر
ہر شخص سحر یاد کرے یاد شام کرے

محتاجِ بیاں نہیں خجل جتنا ہوں
جو حال ہے اپنے دل کا کس سے وہ کہوں
مجھ سا کوئی بدبخت زمانے میں نہیں
آپ آئیں اور افسوس میں گھر پر نہ ملوں

اسباب ملاقات کے کب ملتے ہیں
جلسہ یہ بنا رہے کہ سب ملتے ہیں
یہ مجمع احباب غنیمت ہے مہر
ملتا ہے خدا بھی پنچ جب ملتے ہیں

قومی اصلاح کی ضرورت دیکھیں
رسموں کی صفا اور کدورت دیکھیں
دکھلاتے ہیں ہم آئینۂ قوم اے مہر
احباب ذرا آن کے صورت دیکھیں

کہیے اے اہل بزم ہاں کیا ہے صلاح
درکار ہے قوم میں بہت سی اصلاح
یہ انجمنِ قوم ہے اور آپ ہیں پنچ
اصلاح وہ کیجئے کہ ہو اس میں فلاح

قومی اصلاح گرچہ ہے کارِ اہم
ہمت ہے مگر خاصۂ اہلِ ہمم
اے مہر یہ انجمن بزرگوں کی ہے
دیکھیں اصلاح پر بزرگوں کا کرم

تاریخ ولادت عزیز سادھو نرا ابن خلف اکبر مصنف

صد شکر کہ اللہ مرا پوتے داد
با بخت جواں عمرِ طبیعتش دہاد
چوں بود مراد دل ہمیں گفتم مہر
تاریخ ولادت ۔ ثمرِ شاخِ مراد ۱۸۹۳ء

باب سوم در عبد و معبود

یاس

کچھ بھی نہ ہوا صفائے باطن کا ظہور
اے مہر وہی ہم ہیں وہی دلّی دور
پھل دیتی ہے کچھ ہمیں ریاضت کہ نہیں
اللہ کو دیکھتے ہیں کیا ہے منظور

افسوس کہ کچھ نیک کمائی نہ ہوئی
آئینۂ قلب کی صفائی نہ ہوئی
ظلمت کا حجاب ہی رہا پیشِ نظر
انوار کی کچھ جلوہ نمائی نہ ہوئی

شہر و بازار و گلستاں میں ڈھونڈھا
دشت و کہسار و بحر و کاں میں ڈھونڈھا
جلوے تو نظر آئے تری قدرت کے
پر تو نہ ملا تجھے جہاں میں ڈھونڈھا

دنیا کی لذائذ میں مزا کچھ نہ رہا
تھا شوقِ دیدِ حق وہ پورا نہ ہوا
ہم مہر ادھر کے نہ اُدھر کے ہی رہے
دنیا بھی گئی اور خدا بھی نہ ملا

کھانے میں مزا رہا نہ پانی میں مزا
آتا نہیں کچھ بھی زندگانی میں مزا
بیگانگئ طبع نے مارا مجھ کو
دنیا کی نہیں رام کہانی میں مزا

ہر وقت خیال تجھ کو ہر بات کا ہے
ہر وقت تصوّر تجھے لذّات کا ہے
اے مہرؔ تجلّی ہو تو پھر کیونکر ہو
بندہ نہیں حق کا تو خیالات کا ہے

پڑھ پڑھ کے کیا دماغ اپنا خالی
لیکن افسوس کچھ تجلّی نہ ہوئی
دیوانے کو مہرؔ ایک ہُو کافی ہے
کافی نہ ہوئے تجھ کو کتب خانے بھی

ریا

گمراہ کو اپنے بس میں لانے کے لئے
دانے ہیں اس میں دل لبھانے کے لئے
تسبیح نہیں ہاتھ میں تیرے اے شیخ
دام تزویر ہے پھنسانے کے لئے

یہ خرقہ و عمّامہ و تسبیح دراز
یہ روزہ و اوراد و وظائف و نماز
دنیا کے دکھانے کا ہے اچھا ساماں
کچھ حق کے دکھانے کا بھی اے شیخ ہے ساز

بچپن سے کٹی عمر سیہ کاری میں
اوباشی و بدکاری و عیّاری میں
جب ہوگئے مضمحل قوےٰ سارے شیخ
مصروف ہوئے ہیں آپ دینداری میں

کچھ کسب کمال کا ظہورا نہ ہوا
جو کام کیا رہا ادھورا نہ ہوا
ہر فن مولے تو ہوگئے ہو اے مہرؔ
پر ایک بھی فن آپ سے پورا نہ ہوا

دنیا کو نصیحتیں سناتا ہے یہ	کب آپ عمل میں اُن کو لاتا ہے یہ
ناصح ہے مگر مہر بزاِ اسٹھلچی	اوروں ہی کو روشنی دکھاتا ہے یہ

ہے ہستئ حق پہ تجھ کو ظاہر اقرار	منکر ہے وگرنہ شرک ہے تیرا شعار
جب واحد و لاشریک ٹھیرا اللہ	اے شیخ بتا کہاں رہا تیرا شمار

ہے محض کتاب لادنے ہی کا گدھا	یا علم پہ کچھ تو نے عمل بھی ہے کیا
گر علم نہیں ہے باعمل اے ناداں	تو تُو نے پڑھا لکھا ڈبویا سارا

اخلاص

نیکوں کی بھی سب نیک کمائی دیکھی	اور مہر بُروں کی بھی بُرائی دیکھی
اخلاص مبرّا ہے بدی نیکی سے	اس میں کچھ اور ہی صفائی دیکھی

مانا کہ بہت تو نے ریاضت کی ہے	لیکن ابھی ایک مرحلہ باقی ہے
طاقت ہوتی ہے مہر اس وقت قبول	جب ساتھ اس کے خلوصِ باطن بھی ہے

اے شیخ تری نظر میں ہے حور و طہور	طاعت کا نہ لے نام کہ تو ہے مزدور
جنّت تیری مزد ہے سو مل جائیگی	لیکن اخلاص کا ہے گھر کوسوں دور

جنّت کی طمع ہے تو وہ طاعت ہی نہیں ٭ ہے مزد کا لالچ تو ریاضت ہی نہیں
اخلاص کے ساتھ ہے عبادت اے مہر ٭ اخلاص نہیں ہے تو عبادت ہی نہیں

اے زاہدِ خشک کیوں ہے جنّت کی طلب ٭ طاعت ترا فرض ہے نہ اجرت کی طلب
سمجھا ہے طلب بھی گر ضروری تو کر ٭ دیدارِ جمالِ ربِ عزّت کی طلب

خواہش ہے اگر یہ کہ دعا میں ہو اثر ٭ تو پہلے خلوصِ قلب کو پیدا کر
بیمار کو اعتقاد ہی جبکہ نہیں ٭ تاثیر دوا میں ہو تو پھر ہو کیونکر

ہوتی ہے دعا قبول دیںداروں کی ٭ مقبول ہے معروض نکوکاروں کی
دل میں ترے اور ہے زباں پر کچھ اور ٭ سنتا ہے کون ایسے مکّاروں کی

تحصیل کیا علم تو کیا ملتا ہے ٭ کی بحث تو خاک اس کا صلہ ملتا ہے
اخلاص طبیعت میں ذرا پیدا کر ٭ اخلاص سے اے مہر خدا ملتا ہے

یادِ حق

اچھی وہ زباں جو کرے ذکرِ خدا ٭ اچھا وہ کان جو سنے ذکرِ خدا
اچھا ہے وہ دل کہ فکرِ حق ہے جس میں ٭ اچھا ہے وہ گھر جہاں رہے ذکرِ خدا

تحصیلِ علوم اور تحصیلِ معاش
ہر بات کو جس طرح سے ملتا ہے وقت

دنیا کا خیال فکرِ دنیا کی خراش
یادِ حق کو بھی مہر ملتا اے کاش

ہے راہ سلوک کا نہ رہرو کوئی
فرصت ہی نہیں خدا کے بندوں کو مہر

کرتا ہے ہزاروں میں تگ و دو کوئی
کب حق سے لگاتا ہے بھلا کو کوئی

فرصت شہوات کی ہے گندوں کیلئے
ہاں بیٹھ کے کچھ یادِ خدا بھی کریں

فرصت ہے ہر طرح کے دھندوں کیلئے
فرصت یہ کہاں خدا کے بندوں کیلئے

ملتا ہے کمانے اور کھلانے کو وقت
اللہ سے مہر لو لگانے کے لئے

ملتا ہے تفریح کا زمانے کو وقت
ملتا ہے مگر کسی یگانے کو وقت

اے مہر بہت گزر چکی عمرِ رواں
جو دم جاتا ہے پھر نہیں آتا ہے

تھوڑی سی رہی اسکو بھی سمجھو گزراں
کر لو یادِ خدا کہ پھر وقت کہاں

ہے بندِ علائق نے کسے فرصت دی
جس طرح سے ہو یادِ خدا بھی کر لے

فرصت نہ ملی اور ملیگی نہ کبھی
اے مہر خبر نہیں کسی کو کل کی

تسبیح میں مصروف ہیں مرغانِ سحر
ہے صبح کا وقت یادِ حق کر اے مہر

اور وجد میں جھومتے ہیں جنگل کے شجر
کیا اینڈ رہا ہے تو پڑا البستر پہ

اے مہرؔ خدا نے تجھے انسان کیا
رحمت سے ہر اک طرح کا سامان دیا
افسوس صد افسوس کہ تو نے نہ کبھی
بھولے سے خدا کا نام نادان لیا

مناجات

اے مہرؔ خدا رسی کا اونچا ہے بام
اس پر چڑھنا بہت ہی دشوار ہے کام
درگاہ خدا میں دستگیری کے لئے
کر دست دعا بلند لے نیک انجام

توفیق عطا کرے اگر تجھ کو خدا
سچّے دل سے بلند کر دست دعا
کنجی ہے یہ مہرؔ اور ایسی کنجی
جس سے ہو درِ اجابت و رحمت وا

جس وقت کہ پیش آئے کوئی مشکل
ہمّت زنہار ہار مت اے غافل
درگاہِ خدا میں کر تہِ دل سے دعا
اکسیر ہے یہ برائے تقویتِ دل

اے مہرؔ ہے وہ گدا بہت بد اقبال
جس کا ہے شہنشاہ سے روٹی کا سوال
اللہ سے بھی تو نے جو دنیا مانگی
تیرا بھی ہے بس اُسی گدا کا سا حال

میرا کیا منہ ہے جو خدایا مانگوں
خود دیتا ہے تو نہ مانگوں ہیں یا مانگوں
تیرے ہیں ہزار ہاتھ میرے ہیں دو
پھر ہاتھ اٹھا کے تجھ سے میں کیا مانگوں

۲

یا ربِّ کریم فیض تیرا ہے عام
در سے تیرے پھرا نہ سائل ناکام
روشن مرے دل کا مدعا ہے تجھ پر
میں بھی جانے نہ پاؤں بے نیلِ مرام

دنیا میں نہیں چاہئے مجھکو دولت
عقبےٰ میں نہیں چاہئے مجھکو جنّت
دیدار کا جویا ہوں فقط یا اللہ
ہو جائے اگر تیری نگاہِ رحمت

در سے ترے محروم پھرا کب سائل
تیری رحمت کا ہے زمانہ قائل
میری بھی دعا ہو یہ خدایا مقبول
تیری ہی طرف رہے میرا دل مائل

اللہ سے لَو لگائے بیٹھے ہیں ہم
دیکھیں کب تک کریگا وہ فضل و کرم
ناکام نہیں پھیرتے سائل کو عوام
وہ تو اے مہر ہے خدائے عالم

ذکر تیرا اور مورد انعام عوام
بندہ تیرا اور اُس پہ ہوں احسانِ کرام
یا ربِّ کریم یہ دعا ہو مقبول
مجھکو تیرے سوا کسی سے نہ ہو کام

ہو عالمِ خواب یا کہ بیداری ہو
مدہوشی و مستی ہو کہ ہشیاری ہو
تیرا ہی خیال مجھ کو ہر وقت رہے
یہ عرض قبول حضرتِ باری ہو

بر اشکِ دو چشمِ اشکبارم رحمے
بر ریشِ دلِ ریش و فگارم رحمے
یا ارحم راحمیں ترحم فرما
رحمے رحمے بحالِ زارم رحمے

رحمتِ حق

ہے عمر کی رائے میری نسبت کیسی
اور زید کی مجھ پر ہے عنایت کیسی
تو بندۂ عمرو زید ہے اے غافل
تیرے حق میں خدا کی رحمت کیسی

زاہد کو ہے طاعت کا بھروسا اے مہر
عارف کو ہے معرفت کا تکیہ اے مہر
یاں مایۂ طاعت ہے نہ گنج عرفاں
رحمت کا بس اس کی آسرا ہے اے مہر

اعمال پہ غرہ ہے نہ طاعت کی پناہ
میری تو فقط ہے تری رحمت پہ نگاہ
تومار کہ چھوڑ قول اپنا تو ہے یہ
لاحول ولا قوت الاّ باللّٰہ

اعمال سفارش میں کوئی لاتا ہے
طاعت کی شفاعت کوئی لیجاتا ہے
یارب کریم بے کسی ساتھ لئے
درگاہ میں تیری مہر بھی آتا ہے

بن آئی نہ یارب تیری طاعت ہم سے
کچھ بھی نہیں ہو سکی عبادت ہم سے
درگاہ میں تیری دیکھنے آئے ہیں
کرتی ہے کیا سلوک رحمت ہم سے

مادر کو نہیں پسر سے الفت ایسی
اور مہر پدر کی نہیں شفقت ایسی
جیسی بندوں پہ حق تعالےٰ کی ہے
دیکھی ہی نہیں کسی کی رحمت ایسی

انسان ہوں میں گناہگار و عاصی
اب میرے گناہ ہیں تری رحمت ہے
معبود ہے تو ذات ہے غفّار تری
میں نے اپنی سی کی تو کر اپنی سی

جب آدمیوں میں دیکھتے ہیں یہ حال
میں ہوں بندہ خدا سے آقا کا مہر
آقا رکھتا ہے اپنے نوکر کا خیال
مجھ پر رحمت نہ ہو یہ ہے امر محال

حاکم سے جو فریاد کوئی کرتا ہے
مظلوم کی داد وہ نہ دیگا کیونکر
سنتا ہے وہ اور دادرسی کرتا ہے
کونین کی جو بادشہی کرتا ہے

نوکر ہوں نمک حرام پر تیرا ہوں
ہے تیرے ہی ہاتھ شرم میری یارب
خادم ہوں برائے نام پر تیرا ہوں
میں سب کچھ ہوں غلام پر تیرا ہوں

اعمال سے اپنے شرمساری ہے مجھے
طاعت تو بن آئی نہیں کس منہ سے کہوں
افعال سے اپنے سوگواری ہے مجھے
رحمت کی تری امیدواری ہے مجھے

جائیگا نہ بس اب یہ گدا اور کہیں
یاربّ کریم مہر کو دے توفیق
کیا وجہ کہ کچھ بھی نہ ملا اور کہیں
جائے نہ ترے در کے سوا اور کہیں

یاربّ کریم پھر چکا در در میں
واپس آیا ہر ایک در سے ناکام
اب ہار کے آیا ہوں ترے در پر میں
اس در سے تو محروم نہ جاؤں گھر میں

باب چہارم در عشق و عرفاں

خود فراموشی

بھولے جو عزیزوں کو وہ منسانہ ہے
بھولے جو بیگانوں کو وہ بیگانہ ہے
حیرت ہے کہ بھولا ہوں میں خود اپنے تئیں
مجھ سا بھی جہاں میں کوئی دیوانہ ہے

یاں چل کے کہاں سے پھر آیا ہوں میں
اے مردِ خدا ذرا بتا کیا ہوں میں
مجھ سا نہیں دیوانہ کوئی دنیا میں
خود اپنے تئیں آپ ہی بھولا ہوں میں

نو عمر کبھی ہوں اور کبھی بوڑھا ہوں
ناداں ہوں کبھی اور کبھی دانا ہوں
کھویا ہے انانیت کی کثرت نے مجھے
مجھ کو نہیں معلوم کہ میں کیا کیا ہوں

ترکیب عناصر ہوں کہ تنویر ہوں میں
آزاد ہوں یا بستۂ زنجیر ہوں میں
مجھ کو نہیں معلوم کہ میں کیا ہوں مہر
حیران مثالِ نقشِ تصویر ہوں میں

گر مادمنی کی گل میں غلطاں ہے تو
گردشت انانیت میں حیراں ہے تو
اے مہر خدارسی کی یہ راہ نہیں
ناحق سرگشتہ و پریشاں ہے تو

ترکیب عناصر سے کبھی وحدت ہے	اور گاہ حواسوں میں انانیت ہے
سمجھا ہی نہیں مہر تو معنئے انا	عرفاں میں اسی لئے تجھے حیرت ہے

سمجھا ہی نہیں مہر تو معنئے انا	منصور سے پوچھ جا کے اے مرد خدا
جس قالب خاکی پہ ہے پندار تجھے	مرجع ہی نہیں ہے وہ انانیت کا

طلب حق

اے مہر انانیت کا جنگل ہے گھنا	اور اس میں گم کیا ہے تونے رستہ
رہبر نہ ملا تو بس خدا حافظ ہے	جنگل ہی میں یوں سمجھ کہ تو کھیت رہا

چلتا ہے چار کوس بھی راہ اگر	رستہ لیتا ہے پوچھ ہر ایک بشر
عرفاں کے ہیں پیچدار رستے اِن میں	حیرت ہے مجھے چلا ہے تو بے رہبر

دنیا صحرا ہے لق ودق کثرت کا	رستہ جاتا اسی میں ہے وحدت کا
رہبر لے ساتھ تا تجھے راہ ملے	رہبر نہ ملا تو پھیر ہے قسمت کا

دلرو تیرے پاس درد پنہاں کی بھی ہے	کچھ چیز علاج دل سوزاں کی بھی ہے
بےخود ہوکر خودی سے جس سے چھوٹوں	وہ پیر مغاں شراب عرفاں کی بھی ہے

لائی ہے یہاں کثرت آلام مجھے
دے بادۂ بےخودی سے وہ جام مجھے
اے پیر مغاں نہ پھیر ناکام مجھے
آجائے نظر صورتِ انجام مجھے

کردے اس طرح سے مجھے نشہ میں چور
پیری تیری اے پیرِ مغاں جب جانوں
ہو جاؤں شرابِ بےخودی سے مخمور
ہو جائے خودی میری طبیعت سے دُور

کب تک دنیا کے مہر رنج و آلام
چل پیر مغاں کے پاس میخانے میں
کب تک یہ وساوس اور کب تک اوہام
اور بادۂ بےخودی کے پی اک دو جام

سعی

چل آپ اگر تجھے ہے کچھ ہمّت و جوش
جو بول رہا ہے اُس نے دیکھا ہی نہیں
رستہ عرفاں کا پوچھ مت اے ذی ہوش
جس نے دیکھا ہے وہ ہوا ہے خاموش

کیوں راہ طلب میں سعی سے غافل ہے
رہبر نہیں مہر راہ حق میں درکار
یہ سعی نہ تیری سعئ لاحاصل ہے
شوق شاغل ہی رہبرِ کامل ہے

اے سالک راہِ حق طلبگارِ خدا
جلدی سے نہیں کام نکلتا ہرگز
رہ شاغلِ شغل و ذکر و اذکار خدا
ہو جائیگا رفتہ رفتہ دیدارِ خدا

کرسعی بقدر وسع - پائیگا مراد	مایوس نہ ہو خدا سے رکھ دل کو شاد
جو اپنی مدد آپ کیا کرتے ہیں	ملتی ہے مہر اُن کو غیبی امداد

اے راہ روِ مسلکِ تسلیم و رضا	رہبر کی ضرورت نہیں تجھکو اصلا
جس راہ کہ تو چلا ہے سیدھی ہے وہ	ہمت زنہار ہار مت مردِ خدا

کرسعی کرسعی سے ہے مطلب حاصل	ہمت زنہار ہار مت اے شاغل
اے مرد خدا رہِ خدا ہے سیدھی	تو چل تو سہی دور نہیں ہے منزل

نے مشعل علم ہے نہ کوئی رہبر	رستہ نہیں معلوم ادھر ہے کہ اُدھر
اے مہر چلے ہیں ہم توکل بہ خدا	آسان بھی ہی کریگا مشکل ہے سفر

رموزِ عشق

ہمدردیِ احباب سے کیا ہوتا ہے	تیمار سے یہ مرض سوا ہوتا ہے
اے مہر بجز مرگ نہیں چارۂ عشق	یہ درد ہے وہ کہ لا دوا ہوتا ہے

جانباز مصافِ عشق کا غازی ہے	یاں سوز سے ساز کارپردازی ہے
پروانے سے سیکھ رسمِ الفت اے مہر	بازی نہیں عشق بلکہ جاں بازی ہے

رسم الفت سے محض بیگانہ ہے	کیسا تجھے عشق مہر دیوانہ ہے
کہتے ہیں جسے عشق وہ ہے ترک ہوس	تو نے اُسے بوالہوس ہوس مانا ہے

تو نے کیا شمع میں تجلّی دیکھی	جھٹ دوڑ کے یوں جو جان شیریں دیدی
تیرے قربان جاؤں اے پروانے	مجھ کو بھی بتا کر بات اس میں کیا تھی

منصور چڑھا دار پہ اور آہ نہ کی	پروانے نے اُف تک نہ کی اور جان دیدی
عاشق وہ ہے جو اپنی جاں پر کھیلے	باقی اے بوالہوس ہے سب بوالہوسی

اُن کو اُدھر اپنی بے نیازی پر ناز	ہم کو یہ شوق کیجیے عرضِ نیاز
ہمدم تجھے کیا سُنائیں افسانۂ عشق	شب ہے کوتاہ اور کہانی ہے دراز

مجھ کو تم سے نیاز دیرینہ ہے	لیکن تمہیں مجھ سے ناز دیرینہ ہے
سُلجھیگی کس طرح یہ اُلجھی ہوئی گانٹھ	آپس میں امتیاز دیرینہ ہے

کب تک یہ ناز و عشوہ سازی ہم سے	کب تک یہ تغافل کی درازی ہم سے
ہم عشق میں دین اور دنیا سے گئے	کب تک اے جان بے نیازی ہم سے

کس پردہ نشیں کو دل دیا ہے ہم نے	کیا مول عذاب لے لیا ہے ہم نے
جان سے جانا ہے مہر شرط دیدار	سودا تو دیکھو کیا کیا ہے ہم نے

حیرت ہے کہ ہو رہا تماشا کیا ہے
کھلتا نہیں راز کچھ معمّا کیا ہے
غیروں سے ہوا کرتا ہے پردہ ایجاں
میں غیر نہیں ہوں مجھ سے پردہ کیا ہے

اے عشقِ ستم پیشہ ترا رازِ متیں
کچھ ایسا ہے سربستہ کہ کھلتا ہی نہیں
حیراں ہوں منڈھے چڑھیگی کیونکر یہ بیل
میں طالبِ دیدار ہوں وہ پردہ نشیں

اے جانِ جہاں آپکا بیجا ہے حجاب
کیوں طالبِ دیدار سے اتنا ہے حجاب
پردہ لازم ہے غیر و نامحرم سے
ہم تو محرم ہیں ہم سے کیسا ہے حجاب

اے عشق تجھے یاد عجب افسوں ہے
جس شخص پہ دم کیا وہی مفتوں ہے
جس سر پہ کہ تو نے دستِ شفقت پھیرا
دیکھا تو ترے خیال میں مجنوں ہے

اے عشق غلط ہے جاں کا خلجاں ہے تو
میرا تو دین اور ایمان ہے تو
کہتے ہیں جسے روح حقیقت میں ہے جسم
اس جسم میں جو جان ہے وہ جان ہے تو

یوں گھر کئے دل میں مرے بیٹھا ہے تو
گویا کہ یہیں ازل سے رہتا ہے تو
دل ہی جائے تو تو بھی شاید جائے
اے عشق مگر خالِ سویدا ہے تو

آنکھوں سے لگاؤں مثلِ فرقانِ عزیز
ہیں پاؤں ترے تو ہے وہ مہمانِ عزیز
دل میں رہے اے عشق تو دل چیز ہے کیا
تجھ پر قربان میں کروں جانِ عزیز

رموزِ عرفاں

کیوں عین وصال میں بھی مہجوری ہے	کیوں عین تقرب میں وہی دوری ہے
کہتے ہو قریب تر ہوں شہ رگ سے میں	پھر کیوں یہ حجاب اور مستوری ہے

یہ راہ سلوک وہ کٹھن رستا ہے	جس پر کہ ہزاروں میں کوئی چلتا ہے
ان جیسے ہزاروں میں بھی فرزانہ سمجھ	جو کنہِ حقیقت کو کبھی پہنچا ہے

راہِ وحدانیت بتا دیتا ہے	جلوہ معبود کا دکھا دیتا ہے
پڑھنا ہے تو مہر علمِ عرفاں کو پڑھ	انسان کو یہ خدا بنا دیتا ہے

جس نور کے پرتو سے منور ہے جہاں	جس نور سے پر نور ہے سب کون و مکاں
جو نور کہ جزو اور کل میں ہے محیط	اے مہر وہی نور ہے نورِ عرفاں

ملبوس بنام و صورت گوناگوں	موصوف برنگ وصفتِ بوقلموں
ملتے تو ہو ہر جگہ مگر برقع میں	کیونکر دیکھے تمہیں تمہارا مفتوں

جتنی ہے خرد کی خود نمائی دیکھی	جتنی ہے وہم کی رسائی دیکھی
جو وہم و خرد کی حد سے بھی باہر ہے	وہ تیری شانِ کبریائی دیکھی

ہر چیز میں شانِ کبریائی دیکھی
ہر شے میں تری جلوہ نمائی دیکھی
جلوے مجھے قدرت کے نظر کیا آتے
میں نے تری اے خدا خدائی دیکھی

ہر شے میں جمال دلربا کو دیکھا
ہر چیز میں شانِ کبریا کو دیکھا
مخلوق میں خالق نظر آیا جس کو
اس دیکھنے والے نے خدا کو دیکھا

مشہود کو دیکھ کر فنا کو جانا
باقی شاہد ہے یوں بقا کو جانا
جانا ہے جس نے نفس اپنا اے مہر
اس جاننے والے نے خدا کو جانا

طوفانِ عظیم کل جہاں برپا تھا
تھا شور عظیم اور بھنور پڑتا تھا
ہے آج وہی مہرِ سکّن دریا
حیراں ہوں کہ وہ شور و تلاطم کیا تھا

کل مہرِ جہاں تموّج و طوفان تھا
گرداب تھے امواج تھیں اور طغیاں تھا
ہے آج سکّن و مصفّا وہی بحر
شاید وہ شور اور سکوں یکساں تھا

ظاہر ہی میں رنج و غم سے مجبور ہوں میں
یا راحت و آرام سے مسرور ہوں میں
یہ راحت و رنج خاصّے نفس کے ہیں
اور نفس سے غافلو بہت دور ہوں میں

رنجیدہ الم سے نہ خوشی سے مسرور
غیبت نہ مجھے کبھی نہ اے مہر حضور
ظاہر ہی میں ہر رنگ سے رنگیں ہوں میں
دراصل ہے رنگ سے مبرّا مرا نور

کھلتا نہیں راز کچھ معمّا کیا ہے
اے مہر بتا تو مجھ کو سودا کیا ہے
دنیا نہیں لیکن نظر آتی ہے مجھے
حیران ہوں میں کہ یہ تماشا کیا ہے

زردار کو کہتے ہیں کہ ہے مال میں مست
بے زر کو یہ کہتے ہیں کہ ہے کھال میں مست
اے مہر یہ مستی ہے فقط کہنے کی
ہے مست وہی جو کہ ہے ہر حال میں مست

دھوکا مت کھا یہ دید ہے محض سراب
تیرا ہی تصوّر نظر آتا ہے آب
تو جس کو سمجھ رہا ہے بیداری ہے
اے مہر حقیقت میں ہے وہ عالمِ خواب

ترک خودی

بے خود نہیں ہاں خودی سے بیزار ہوں میں
جام وحدت سے مہر سرشار ہوں میں
دیوانہ مجھے کہیں تو پروا کیا ہے
دیوانہ بکارِ خویش ہشیار ہوں میں

انجام خودی کا خود فراموشی ہے
یہ بادہ ہے وہ کہ جس میں بیہوشی ہے
ہشیار وہی ہے مہر جو بے خود ہے
لیکن کیا کہیے وہ جائے خاموشی ہے

اس ہستئ موہوم میں رکھا کیا ہے
امواج سراب میں سے ملتا کیا ہے
غافل یہ نمود ہے سراسر بے سود
پھنستا ہے اس میں تجھ کو سودا کیا ہے

ناظر ہی کا ہے ظہور سارا منظر
خود جلوہ نما ہے ہر طرف صورتگر

حیراں ہوں کہ ماسوا کے معنی کیا ہیں	آتا نہیں یاں اپنے سوا کچھ بھی نظر

اے حضرتِ مہر فکرِ دنیا چھوڑو	دنیا کیا ہے خیالِ عقبیٰ چھوڑو
تم ذاتِ احد ہو آپ بے چون و چرا	باقی سب ماسوا کا جھگڑا چھوڑو

خود ذات تری واحدِ بے ہمتا ہے	بے خوف ہے تو خوف تجھے کس کا ہے
دل سے نقشِ دوئی مٹا دے اے مہر	مشہور ہے دوسرے سے ڈر ہوتا ہے

کر ترکِ خودی کہ خود خدا ہے تُو ہی	بندہ نہیں ذاتِ کبریا ہے تُو ہی
دنیا متحرک ہے رضا سے جس کی	اے دوست وہ صاحبِ رضا ہے تُو ہی

ہمہ اوست

دیکھا ہے زمیں میں آسماں میں دیکھا	خالی تجھ سے نہ کچھ جہاں میں دیکھا
کہتے ہیں غلط کہ لامکاں گھر ہے ترا	میں نے تجھے ہر ایک مکاں میں دیکھا

ہر جا اس خاکداں میں جا تیری ہے	ہر جا نہ آسماں میں جا تیری ہے
بے جا کہتے ہیں وہ سراسر بے جا	جو کہتے ہیں لامکاں میں جا تیری ہے

شہر و بازار و گلستاں میں دیکھا	دشت و کہسار و بحر و کاں میں دیکھا

پایا تجھ کو جہاں جہاں میں پایا
دیکھا تجھ کو جہاں جہاں میں دیکھا

بلبل میں تری نوا ہے گل میں تری بو
خود سرو ہے قمری کا ہے خود طوقِ گلو
معشوق کہیں ہے اور کہیں ہے عاشق
میں نے دیکھا جدھر اُدھر تو ہے تو

تو بو کے بسا ہے عارضِ گل میں تو
اور درد ہے خود نوائے بلبل میں تو
معشوقی و عاشقی ہیں تیرے جلوے
دونوں سے محیط ہے جزو کل میں تو

قمری کو تلاش کو بکو تیری ہے
بلبل کو چمن میں جستجو تیری ہے
ہے عشقِ مجاز میں حقیقت مخفی
ہر رنگ میں رنگ و بو میں بو تیری ہے

خود عبد ہے خود عبادؔ و خود معبود
خود شاہد و خود شہود خود ہی مشہود
اے مہر خودی میں ہے خدائی مضمر
لیکن وہ خودی جس میں تعین نہ قیود

وحدت میں دکھاؤں تجھے کثرت کی بہار
چل آئینہ خانے میں مرے ساتھ اے یار
شاہد خود تو ہے ذاتِ واحد لیکن
تیرے ہی نظر آتے ہیں یہ عکس ہزار

معلول ہوا کرتا ہے عین علت
کوزے کی بجز گل نہیں کچھ ماہیت
ناظر سے جدا نہیں ہے منظور اے مہر
وحدت میں نظر آتی ہے ہر سو کثرت

معلول ہے مہر عینِ ذاتِ علت
کوزے کی بجز گل نہیں کچھ ماہیت

مبدا ہے اگر عدم۔ تو دنیا ہے عدم
کثرت ہی میں ملتا ہے ثبوتِ وحدت

دنیا میں ہے خواب کا قیام اور قعود
ہے ذات احد شاہد و مشہود و شہود
وحدت کثرت ہے پھر کثرتِ وحدت
معبود ہے عبد عبد خود ہے معبود

ہے عالم خواب پھر جائے عبرت
ہے شاہد و احد میں نمایاں کثرت
عائد ہے یہی مثال بیداری میں
وحدت کثرت ہے اور کثرت وحدت

حیراں ہوں جہاں میں دوستی کس سے کروں
یا دشمنی و بغض و حسد کس سے رکھوں
مجھ کو نہیں دوست اور دشمن میں تمیز
خود دشمن و خود دوست بس میں ہی ہوں

شان اپنی اگر ذات خفی کی دیکھو
ہرگز صورت نہ پھر دوئی کی دیکھو
یہ وہ ہے خودی کہ ہے خدائی پہ محیط
وسعت تو پھر اِس خودی کی دیکھو

خود آپ ہے ریشہ و رگ و مغز و پوست
خود جلوہ نما ہے ہر طرف تو اے دوست
مظہر کا وجود ذات ناظر ہے پھر
کہتے ہیں درست اہلِ باطن ہمہ اوست

وصال

بے وہم غیر تم سے یک جائی ہو
پردہ اُٹھ جائے جلوہ فرمائی ہو

پھر لطفِ بہارِ زندگی کا آئے
دلدار ہو پاس اور تنہائی ہو

اے جان ملاقات کی کبھی ٹھیراؤ
آجاؤ آپ یا ہمیں بلواؤ
خلوت میں ہمارے ساتھ ہو مینوشی
اور ایسی کہ پردہ نہ رہے کھل جاؤ

جس شخص نے جلوہ ہے تمہارا دیکھا
اُس نے ہے عجیب نظارہ دیکھا
وہ بحرِ سرور بے حد و بے پایاں
جس کا نہ کبھی کہیں کنارہ دیکھا

پروانے نے شب شمع پہ کی جاں قربان
میں پاس کھڑا دیکھ رہا تھا حیراں
کہتا تھا وصال نام ہے مرنے کا
جب تک جاں ہے کہاں وصالِ جاناں

یہ عالمِ تمثال ہے نیرنگِ خیال
دل روک کہ بند ہو صور کی ٹکسال
دید صورت کا بند ہونا ہی پھر
دیدارِ خدا ہے جسکو کہتے ہیں وصال

ہے پھر اگر وصال تیرا مقصود
کر ترک خیال ہائے عبد و معبود
کہتے ہیں جسے وصال وحدت ہے وہ
ہیں ایک جہاں شاہد و مشہود و شہود

دریا میں حباب تیرتا پھرتا تھا
سمجھے ہوئے اپنے تئیں دریا سے جدا
جب آنکھ کھلی تو کیا تماشا دیکھا
خود میں خود بیں ہوں عین ذاتِ دریا

کثرت کے شجر کی واں نمو تک بھی نہیں
اور شائبۂ دوئی کی بو تک بھی نہیں

اب میں ہوں جہاں غیب کا تو کہنا کیا	وہ چیز وصال ہے کہ تو تک بھی نہیں

اے مہر ذرا نمک کو پانی میں ڈال	اور غور سے دیکھ ہے نمک کا کیا حال
یوں ہوتے ہیں محو ذات میں اہلِ کمال	اہلِ باطن اسی کو کہتے ہیں وصال

مشرق مغرب جنوب اور سمت شمال	تحت و بالا ہر اک طرف شامل حال
میں ہی ہوں بسیط اور محیطِ ہر شے	اس کو کہتے ہیں مہرِ عشّاقِ وصال

وہ نور ہوں میں کہ اس سے پُر نور جہاں	وہ نور ہوں میں کہ اس سے بھرپور جہاں
میرا ہی تو نور ہے محیطِ ہر شے	اس طرح کہ آتا ہے نظر طور جہاں

دنیا نظر آتی ہے مجھے مثل سراب	میرا ہی تصوّر ہے کہ ہے صورت آب
بیخوف ہوں بیخوف ہوں بیخوف ہوں میں	جو کچھ ہے سراب ہے عدم ہے یا خواب

دنیا ہے کہاں اور اُس کے آلام کہاں	وہ فکر کہاں گئے وہ اوہام کہاں
جس بحر سرور میں ہوں غرق اُس کا مہر	آغاز کہاں ہے اور انجام کہاں

دل سے نقشِ دوئی جو اے مہر ہٹا	ہے میری نظر میں کالعدم سب دنیا
دریائے سرور موج زن ہے دل میں	میں جزو سے اب کُل ہوں اہاہا ہا

بچوں کی نظمیں

کام

اے ہوا اے ہوا مجھے بھی بتا
آج کرتی رہی ہے تو کیا کیا

چھت میں تنکے آسمانکے کچھ جالے
پھر چلاتی رہی پون چکّی
کون کہتا ہے آہ بھرتی ہوں

صبح وہ اُٹھ کے پنے صاف کئے
بنکے میں محنتی پنہاری
میں تو ہنس ہنس کے کام کرتی ہوں

تو بھی اے ابر اپنا حال سنا
کام کیا کیا برس کے تُو نے کیا

سوکھے جاتے تھے سب ندی نالے
میں نے پھولوں میں جان ڈالی ہے
میں نے خوش کر دیا کسانوں کو

میں نے اُن میں بہائے پرنالے
میرا ممنوں بہت ہی مالی ہے
موٹا کر کر کے اُن کے دانوں کو

بیٹھی کرتی ہے کیا تُو اے چڑیا
کچھ مجھے بھی تُو اپنا حال سنا

گھونسلے میں ہیں دو مرے بچّے
اُن کو دانہ بھرانے آئی ہوں
ایک دو دن میں پر نکالینگے
دیر سے میری راہ دیکھ رہے
اُن کو اُڑنا سکھانے آئی ہوں
آپ پھر اپنا پیٹ پالینگے

آ مرے پاس شہد کی مکھی
تُو کہاں ہے اُڑی اُڑی پھرتی

دیکھ تو بِل میں ساتھ لائی ہوں
دونگی اَوروں کو آپ کھاؤنگی
جمع کرنا ہے کچھ ذخیرہ بھی
باغ میں شہد لینے آئی ہوں
اور کچھ موم بھی بناؤنگی
کہ نہ جاڑوں میں مروں بھوکی

جسکو دیکھو غرض وہ کام میں ہے
جو ہے کاموں کے انصرام میں ہے

کارخانہ بڑا ہے دنیا کا
حق نے انسان کو خرد بخشی
عمر کی بات سن نہ جاہل بن
اور ہر اک ہے اس میں کارندہ
اس کو ہرگز نہیں روا سستی
کام کر کام کر نہ کاہل بن

بھائی بہن کا گیت

لاڈلے ہیں اور دُلارے ہیں مرے بھائی بہن
دیکھو سیرت سب کے سب کیا ہی سعادتمند ہیں
میرے ان آنکھوں کے تارے ہیں مرے بھائی بہن
دیکھو صورت ماہ پارے ہیں مرے بھائی بہن

گود میں آنیکو میرے دیکھنا پھیلا کے ہاتھ
ہیں غرض پیاری اِنکو۔ یہ مجھ کو ہیں پیارے عزیز
دیکھئے حسن دم نظر آتی ہے گھر میں چہل پہل
کھیلتی ہوں اِن سے میں اور کھیلتے ہیں مجھ سے یہ

کس طرح کرتے اشارے ہیں مرے بھائی بہن
بھولے بھالے کیا ہی پیارے ہیں مرے بھائی بہن
گھر کی رونق ہی ہمارے ہیں مرے بھائی بہن
دل بہلنے کے سہارے ہیں مرے بھائی بہن

ماں کے جائے میرے من بھائے ہیں یہ لے پھر سب
جانُ دل سے مجھ کو پیارے ہیں مرے بھائی بہن

باہر کی سیر

گھر میں جو بیٹھے ہیں لڑکے کھینچ کر لاؤ انہیں
گھر میں بیٹھے کیا کرینگے مل کے سب سیریں کریں
آؤ کھیلیں اور کودیں اور کھیتوں میں پھریں
کیا ہی اچھا آج کا دن ہے چلو باہر چلیں

آسماں پر دیکھنا بادل سے ہیں چھائے ہوئے
اب کھلے جاتے ہیں۔ ہیں جو پھول مرجھائے ہوئے
اور بھی لڑکے بہت ہیں سیر کو آئے ہوئے
کیا ہی اچھا آج کا دن ہے چلو باہر چلیں

شہر کے باہر ہوا میں ہے نہایت تازگی

دیکھنا ظاہر ہے ہر اک چیز سے کیسی خوشی
یوں کہو تازہ ہوا میں ہے ہر اک شئے بس رہی
کیا ہی اچھا آج کا دن ہے چلو باہر چلیں

ہیں درختوں پر پرندے راگ میٹھے گا رہے
کھیت میں سر سبز پودے ہیں کھڑے لہرا رہے
اور جھونکے ہیں ہوا کے ہر طرف سے آ رہے
کیا ہی اچھا آج کا دن ہے چلو باہر چلیں

ہیں کوئیں بھی چل رہے آتی ہے رُوں رُوں کی صدا
دیکھنا پانی چلا جاتا ہے نالی میں بہا
پیجئے ہاتھوں میں لے کر واہ وا ہے کیا مزا
کیا ہی اچھا آج کا دن ہے چلو باہر چلیں

وقت جو پڑھنے کا ہے بے شبہ تم اُس میں پڑھو
پر کتابوں کے نہ تم اے دوستو کیڑے بنو
دیکھنا کیا کہ رہا ہے مہر اُس کی سن تو لو
کیا ہی اچھا آج کا دن ہے چلو باہر چلیں

بہادر بنو

بُرا کام کوئی نہ ہرگز کرو تم
صداقت کے رستے پہ سیدھے چلو تم
بُری بات ہرگز نہ مُنہ سے کہو تم
کرو عہد تو اُس پہ قائم رہو تم
ارے پیارے لڑکو بہادر بنو تم

خطا ہو گئی تو نہ اس کو چھپاؤ
کہاں چھپتے پھرتے ہو پیدا نہیں آؤ
نہ جھوٹے بہانے کبھی تم بناؤ
جو اُستاد پُوچھے وہ سچ سچ بتاؤ
ارے پیارے لڑکو بہادر بنو تم

کہو کچھ کسی سے تو لفظوں کو تولو
کبھی بھُول کر بھی نہ تم جھوٹ بولو
کبھی گالیوں پر نہ منہ اپنا کھولو
جو میری سنو سیدھے رستے پہ ہو لو
ارے پیارے لڑکو بہادر بنو تم

سبق یاد کرنا نہ سمجھو مصیبت
نہیں علم سے بڑھ کے دنیا میں نعمت
مصیبت کہاں یہ تو ہے عین راحت
کرو خوب محنت کرو خوب محنت
ارے پیارے لڑکو بہادر بنو تم

تمہیں مدرسے کا ہے سب کام کرنا
تمہیں امتحاں کا ہے دریا اترنا
تمہیں علم کی راہ سے ہے گزرنا
نہ محنت سے ڈرنا نہ محنت سے ڈرنا
ارے پیارے لڑکو بہادر بنو تم

بہادر اکڑ کر ہیں میداں میں آتے
بہادر ہی دنیا میں ہیں نام پاتے
نہیں جان محنت سے ہرگز چُراتے
تمہیں عمر کا قول ہم ہیں سناتے
ارے پیارے لڑکو بہادر بنو تم

دیر نہ لگاؤ

کوئی کام اچھا ہے گر تم کو کرنا　　تو اے دوستو فکر کیا اور ڈرنا
لگاؤ نہ کچھ دیر بس کر ہی ڈالو

کہا چاہتے ہو جو کچھ بات سچی　　تو ہاں یا نہیں آئیں جو کچھ ہو اچھی
لگاؤ نہ کچھ دیر بس کہہ ہی ڈالو

دیا چاہتے ہو کسی کو جو کچھ شے　　سمجھ کر کہ اُس کو ضرورت بڑی ہے
لگاؤ نہ کچھ دیر بس دے ہی ڈالو

خبر فکر کی ہے اگر کوئی ایسی　　کہ تم کو کبھی وہ سُنے ہی بنیگی
لگاؤ نہ کچھ دیر بس سُن ہی ڈالو

کسی سے اگر کچھ ہے انکار کرنا　　تو تاخیر اُس میں نہ زنہار کرنا
لگاؤ نہ کچھ دیر بس کر ہی ڈالو

سبق یاد کرنا ہے یا تم کو پڑھنا　　تو اچھا نہیں آلکس کا یہ بڑھنا
لگاؤ نہ کچھ دیر بس پڑھ ہی ڈالو

نہیں تپ میں کھچڑی مزیدار مانا　　مگر کھائے کیا اور بیمار کھانا
لگاؤ نہ کچھ دیر بس کھا ہی ڈالو

دوا میں نے مانا کہ کڑوی بڑی ہے　　ولیکن پیالے میں کب کی پڑی ہے
لگاؤ نہ کچھ دیر بس پی ہی ڈالو

اگر زر ہے پاس اور ہے قرض دینا　　تو پھر یہ بلا مول ہرگز نہ لینا
سنو مہر کا قول ادا کر ہی ڈالو

لال اور لڑکا

سبز پتّوں میں ایک ٹہنی پر — لال بیٹھا تھا کوئی خوش ہو کر
ایسے میٹھے سُروں میں گاتا تھا — سنّنے والوں کا دل لبھاتا تھا
دیکھ کر اُس کو ایک لڑکے نے — دل میں سوچا اسے پکڑ لیجے

بولا اے لال پاس میرے آ — کیا ہی اچھّا ہے دیکھ یہ پنجرا
اس میں دو پیالیاں ہیں کیا اچھّی — ایک دانے کی ایک پانی کی
بیٹھنے کے لئے ہے یہ اڈّا — اور سونے کا یہ الگ کمرہ
پہلے دانہ تجھے کھلاؤں گا — آپ پیچھے میں روٹی کھاؤنگا
کھا چکے جب تو ٹھنڈا پانی پی — بیٹھ اُٹھ سو پھدک تیری مرضی
آئینگی بلّیاں نہ تیرے پاس — کیونکہ تُو تو رہیگا میرے پاس
ہم کبھی سختیاں نہ جھیلینگے — دونوں مل کر مزے سے کھیلینگے

لال بولا کہ چپ میاں لڑکے — میں نہیں وہ کہ آؤں دم میں ترے
ہُوا پیدا جہاں میں میں آزاد — باغ میں رہتا ہوں نہایت شاد
کھانے پینے کی کچھ نہیں ہے کمی — مجھ کو ہر چیز ہے خدا نے دی
قید خانہ ہے یہ تیرا پنجرا — مجھ کو آ کر ہے اسمیں کیا لینا
اندر آ جاؤں تو نہ باہر جاؤں — کیا غرض ہے مجھے جو اسمیں آؤں
مہر کی بات بھی ہے تو نے سنی — دم میں جھوٹوں کے آئیو نہ کبھی

کیا ہُوا

کیا ہُوا ٹوٹ گئی ہاتھ سے گر کر گڑیا
آنکھیں پھوٹیں بھی تو جُڑتا نہیں اب سر اُسکا

ننھی لڑکی تو نہ رو رونے سے حاصل ہے کیا
یوں سمجھ حق نے ترے حال پہ یہ فضل کیا

خیر گزری کہ وہ گڑیا کا ننھا سر تیرا نہ تھا

کیا ہُوا پاس سہیلی کے بہت ہیں زیور
حسد و رشک سے ہرگز نہ جلا جان و جگر

سونے چاندی کے کھلونوں پہ تری کیوں ہے نظر
ان سے زیور ہیں ترے پاس بہت بڑھ چڑھ کر

علم و اخلاق سے بہرہ ہے اگر حق نے دیا

کیا ہُوا بھائی کے سینے ہیں جو کپڑے تجھ کو
لے تلے دانی یہ رکھی ہے عبث وقت نہ کھو

اتنا گھبراتی ہے کیوں فکر کی کچھ بات بھی ہو
دم کے دم میں ہوئے جاتے ہیں کھڑے کرتے دو

ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے سے کب کام ہُوا

فکر و افسوس ترے پاس نہ آئے زنہار
زندگی صبر سے اور شکر سے تو اپنی گزار

حسد و رشک کا دل تیرا کبھی ہو نہ شکار
کر عمل مہر کے اس قول پہ گر ہے ہشیار

خوش وہی ہے کہ ہر اک حال میں خوش ہے بیٹا

نئی بات

پرندے! خوشی سے جو گاتا ہے تو
پھدکتا ہے اور چہچہاتا ہے تو

اسی چہچہانے میں اپنے ذرا
نئی بات کوئی ہمیں بھی بتا

سنو دوستو بات میری سنو
مری طرح تم بھی سدا خوش رہو

اری پھرتی مکھی ہے پھولوں میں کیوں
ہُوا کرتا ہے شہد کیا جمع یوں
اسی بھنبھنانے میں اپنے ذرا
نئی بات کوئی ہمیں بھی بتا

میری طرح مصروف ہردم رہو
نہ بھولے سے بھی وقت ضائع کرو

جہاں تُو نے مالک کو دیکھا کہیں
کھڑا ہو گیا ہے تو اُٹھ کر وہیں
اسی اپنی بھوں بھوں میں کتے ذرا
نئی بات کوئی ہمیں بھی بتا

بزرگوں کی تعظیم تم بھی کرو
مری طرح الفت سے اُن سے ملو

اری پیاری بلّی یہ کیا ہے سبب
تجھے دیکھ کر پیار کرتے ہیں سب
اسی میاؤں میاؤں میں اپنی ذرا
نئی بات کوئی ہمیں بھی بتا

مری طرح مسکین تم بھی بنو
مری طرح سے صاف ستھرے رہو

تو اتنی سی جان اور اے چیونٹی
یہ محنت مشقّت یہ ہمّت بڑی
اسی کام کرنے میں اپنے ذرا
نئی بات کوئی ہمیں بھی بتا

ارے پیارے لڑکو جو میری سنو

لگے تم بھی محنت میں یوں ہی رہو

ہمّت نہ ہارنا

بگڑا ہوا ہے کام تو اُس کو سنوارنا　　ڈوبا ہوا ہے نام تو اُس کو اُبھارنا
پیچھے کوئی ہٹے تو نہ اُس کو پکارنا　　تم آپ بڑھ کے دوستو میدان مارنا

ہمّت نہ ہارنا کبھی ہمّت نہ ہارنا

رستہ ہے زندگی کا کٹھن پر بڑھے چلو　　مانا خطر ہے اسمیں سنبھل کر بڑھے چلو
منزل نظر کے سامنے ہے گر بڑھے چلو　　رحمت خدا کی تم پہ مقرر بڑھے چلو

ہمّت نہ ہارنا کبھی ہمّت نہ ہارنا

بے شک رکاوٹیں بھی یہاں بے شمار ہیں　　بے شبہ مشکلیں بھی جہاں میں ہزار ہیں
ہٹتے نہیں ہیں بڑھ کے جو مردانِ کار ہیں　　مردانِ کار ہی کے لئے کاروبار ہیں

ہمّت نہ ہارنا کبھی ہمّت نہ ہارنا

مشکل اگر ہے کام تو جی توڑ کر کرو　　اونچا اگر ہے بام کمر باندھ کر چڑھو
رستا اگر کٹھن ہے تو سیدھے چلے چلو　　آساں ہر ایک بات ہے میری اگر سنو

ہمّت نہ ہارنا کبھی ہمّت نہ ہارنا

جھوٹوں کے پاس بھول کے جانا نہ تم کبھی　　اے دوستو بہانے بنانا نہ تم کبھی
ہمّت کے وقت مُنہ کو چھپانا نہ تم کبھی　　محنت کے وقت جان چرانا نہ تم کبھی

ہمّت نہ ہارنا کبھی ہمّت نہ ہارنا

محنت میں اور کام میں باہم نباہ ہے　　محنت سے کام کیجئے تو واہ واہ ہے

دنیا میں تم کو گر طلب عزّ و جاہ ہے	میری صلاح ہے عام گدا یا کہ شاہ ہے

ہمّت نہ ہارنا کبھی ہمّت نہ ہارنا

آئے ہو تم یہاں تو کرو تندہی سے کام	اور کام وہ کہ جس سے ہو روشن تمہارا نام
اور نام وہ کہ لیں اُسے عزّت سے خاص و عام	ممکن ہے سب سنو تو سہی مہر کا کلام

ہمّت نہ ہارنا کبھی ہمّت نہ ہارنا

ماں باپ کی خدمت

سب سے بڑی سعادت ماں باپ کی ہے خدمت	سب سے بڑی عبادت ماں باپ کی ہے خدمت
پالا اُنہوں نے ہم کو سو آفتیں اُٹھا کر	لازم ہمیں نہایت ماں باپ کی ہے خدمت
ہو جس کو یہ سعادت بس خوش نصیب وہ ہے	دنیا میں لاکھ نعمت ماں باپ کی ہے خدمت
تکلیف اس میں کیسی کہنا نہ بات ایسی	اپنے وست عین راحت ماں باپ کی ہے خدمت
دنیا میں نام پائے عقبےٰ میں سرخرو ہو	دیکھو تو کیا کرامت ماں باپ کی ہے خدمت
منہ پر کبھی نہ لانا ہاتھوں سے کر دکھانا	سچّی دلی محبت ماں باپ کی ہے خدمت
خدمت سے ہے شرافت خدمت سے ہے سعادت	اور وہ شریف خدمت ماں باپ کی ہے خدمت
جس کو ہے فخر اس کا محتاج ہے وہ کس کا	سچّی جو چاہو عزّت ماں باپ کی ہے خدمت
اچھے وہی ہیں بچّے ماں باپ کو جو مانیں	سرمایۂ شرافت ماں باپ کی ہے خدمت
بچوں کا فرض کیا ہے اُس کا جواب یہ ہے	ماں باپ کی ہے خدمت ماں باپ کی ہے خدمت

سب سے بھلی کمائی مانے جسے خدائی
اے مہر تجھ کو رحمت ماں باپ کی ہے خدمت

کام کرو

کام کرنا ہے تو تم اُس کا سرانجام کرو
تم کو لازم ہے کہ محنت سحر و شام کرو
ختم جب تک نہ ہو بھولے سے نہ آرام کرو
محنتی بن کے زمانے میں بڑا نام کرو

دوستو کام کرو کام کرو کام کرو

چوٹ پر چوٹ لگے لال ہے جب تک لوہا
پھر تپاؤ گے جو سستی کو ذرا دخل دیا
یونہی آتی رہے کانوں میں دھما دھم کی صدا
دیکھنا دیکھنا بس ہونے نہ پائے ٹھنڈا

دوستو کام کرو کام کرو کام کرو

بارش و باد سے اُسکو کہیں نقصان نہ ہو
ہاتھ پر ہاتھ دھرے یوں نہ نکمّے بیٹھو
فصل پک کر ہوئی تیّار چلو اور کاٹو
وہ رہا کھیت درانتی یہ رہی ہاتھ میں لو

دوستو کام کرو کام کرو کام کرو

علم کہتے ہیں جسے اُسکی کڑی ہے منزل
تم کو لازم ہے کہ محنت پہ رہے دل مائل
اسمیں چلتا ہے وہی جسکی ہو کوشش کامل
کہیں ایسا نہ ہو کہلانے لگو تم کاہل

دوستو کام کرو کام کرو کام کرو

آج کا کام ہے جو کل پہ نہ ہرگز جائے
کل کی کل دیکھنا تم وقت جب اُس کا آئے
آج ہی ختم ہو باقی نہیں رہنے پائے
کون اس کل کے بھروسے رہے دھوکا کھائے

دوستو کام کرو کام کرو کام کرو

زندگانی کا تمہاری یہی انجام رہے
نام ہوتا ہے جبھی کام سے بس کام رہے
آئے ہو دہر میں تو دہر میں کچھ نام رہے
ٹھہر کا یاد شب و روز یہ پیغام رہے

دوستو کام کرو کام کرو کام کرو

کھیل

محنتی لڑکے ہیں ہم اس بات کا کرنا یقیں
وقت جو پڑھنے کا ہے ضائع اُسے کرتے نہیں
وقت فرصت کھیلتے بھی ہیں۔ نہیں خانہ نشیں
کھیلنے سے شاد ہوتا ہے دل اندوھگیں
آج چُھٹّی کا ہے دن آؤ چلو کھیلیں کہیں

کھیلنے کا ساتھ پڑھنے سے ہے اے لڑکو سنو
وقت پر تم خوب کھیلو وقت پر لکّھو پڑھو
یاد رکّھو یہ کتابوں کے نہ تم کیڑے بنو
ہاں ذرا سب مل کے میرے ساتھ تو یارو کہو
آج چُھٹّی کا ہے دن آؤ چلو کھیلیں کہیں

کھیلنا ہے بھائی لڑکو تندرستی کا نشاں
کھیلنے اور کودنے سے جان میں آتی ہے جاں
کھیلنے سے دور ہو جاتی ہے پڑھنے کی تکان
میں اسی باعث سے تو یہ کہہ رہا ہوں مہرباں
آج چُھٹّی کا ہے دن آؤ چلو کھیلیں کہیں

گاؤں کے باہر چلو میدان خاصہ ہے کھلا
آؤ سب مل کر چلیں واں اور پالا لیں جما
چل کبڈّی چل کبڈّی چل کبڈّی کی صدا
جب ہوئی دونوں طرف سے آ گیا کیا ہی مزا
آج چُھٹّی کا ہے دن آؤ چلو کھیلیں کہیں

یار مل کر ٹھاٹھ ہم سب گیند بلے کا جمائیں
گیارہ گیارہ ہوں کھلاڑی پارٹی اُن کی بنائیں
پھر گاڑیں وکٹ دیں گیند کھیلیں اور کھلائیں
واہ وا کا شور ہو جائے ہٹ ایسی لگائیں
آج چُھٹّی کا ہے دن آؤ چلو کھیلیں کہیں

یار باہر چل کے دیکھیں کھیت ہیں کیسے ہرے
اور کھیتوں پر کوئیں کس طرح سے ہیں چل رہے
صاف و تازہ ہے ہوا باہر کی لیں اُس کے مزے
دوڑنے میں لگائیں اک سے اک آگے بڑھے
آج چُھٹّی کا ہے دن آؤ چلو کھیلیں کہیں

پیارے لڑکو یہ نصیحت یاد رکھنا عمر کی
کھیل آتے ہیں بہت تم کو نہیں ہے کچھ کمی
تم کو پڑھنے اور لکھنے سے جہاں فرصت ملی

دوستوں کے پاس جاؤ اور کہو اُن سے یہی
آج چھٹّی کا ہے دن آؤ چلو کھیلیں کہیں

اچھّا لڑکا

جان اور دل سے میرا پکّا ہے یہ ارادہ
وہ میرا عزمِ راسخ گر پوچھتے ہو ہے کیا

توفیق دے الٰہی اچھی طرح ہو پورا
آؤ تمہیں بتا دوں پر کان دیکے سنّا

میں تو بنونگا یارو لڑکا بہت ہی اچھّا

جو عمر میں بڑے ہیں اُن سب سے میں ڈرونگا
ماں باپ جو کہینگے بے شک وہی کرونگا

جو ہیں بزرگ اُنکی عزّت کا دم بھروں گا
اُستاد کی نصیحت آنکھوں پہ میں دھرونگا

میں تو بنونگا یارو لڑکا بہت ہی اچھّا

آداب میں کرونگا اُٹھتے ہی صبح سب کو
پھر میں کتاب لیکر بیٹھونگا ہاتھ منہ دھو

پیار اُس کو میں کرونگا چھوٹا جو عمر میں ہو
کر لونگا یاد سب کچھ آموختہ ہے جو جو

میں تو بنونگا یارو لڑکا بہت ہی اچھّا

جاؤنگا مدرسے میں اُجلا لباس پہنے
دیکھینگے رشک سے واں سب مدرسے کے لڑکے

میلا نہوگا بستا میلے نہونگے کپڑے
اُستاد کی نظر میں بڑھ کر رہونگا سب سے

میں تو بنونگا یارو لڑکا بہت ہی اچھّا

جو ہیں شریر لڑکے اُن سے رہونگا یکسر
جتنے ہیں نیک بچّے اُن کا بنونگا ہمسر

تا حرف آنے پائے میری نہ آبرو پر
تاروں میں جس طرح سے روشن ہوا ہو انور

میں تو بنونگا یارو لڑکا بہت ہی اچھّا

اول رہونگا سب سے ورزش ہو یا پڑھائی
دیکھینگے رشک سے سب خطے کی مرے صفائی

تاریخ امتحاں کی اسے مہر جبکہ آئی
چھوٹا ہو نہیں تو کیا ہے دیکھینگے سب بڑائی

میں تو بنونگا یارو لڑکا بہت ہی اچھا

اچھی لڑکی

وہی اچھی جہاں میں بچی ہے
صاف دل جو ہے اور سچی ہے

نہ چھپایا تو اگر قصور ہوا
محض بیفائدہ ہے خوف سزا

جو چھپاتے نہیں قصور کی بات
خوب سوچی اُنہوں نے دور کی بات

اُن کا جھگڑا ہی صاف ہوتا ہے
وہ قصور اب معاف ہوتا ہے

اچھی لڑکی وہی جہان میں ہے
بات اک ورجسکے دھیان میں ہے

دیکھئے جب وہ خوش ہو اور دل شاد
فکر سے دور رنج سے آزاد

بولتی ہے تو سب سے ہنسکر وہ
بات کرتی ہے جب تو خوشتر وہ

ایسی لڑکی سے کونی لڑتے ہیں
منہ سے بس جسکے پھول جھڑتے ہیں

اچھی لڑکی وہی ہے اور پیاری
جو کرے سب کی ناز برداری

چھوٹا بھائی عزیز ہو جس کو
اور اتنی تمیز ہو جس کو

مجھ سے خوش ہوں سہیلیاں میری
رہیں مداح و مدح خواں میری

جو ہے ماں باپ کا ادب کرتی
اُن کا کہنا ہے آنکھ پر دھرتی

اچھی لڑکی وہی ہے نیک اطوار
جسکو کہتے ہیں سب سلیقہ شعار

بات کرتی ہے تو سلیقے سے
کام کرتی ہے تو قرینے سے

دیکھتے اسکو سب ہیں الفت سے
رکھتے ہیں عزّت و محبت سے

عہر کا قول جانؔ دل سے سنو
لڑکیو سعی کر کے نیک بنو

صحبت کا اثر

بازار میں جو شام کو میرا ہُوا گزر
نظّارہ تھا عجیب تماشہ تھا طرفہ تر

بیٹھے دکاندار تھے اپنی دُکان پر
پھرتے تھے جوق جوق خریدار ادھر اُدھر

میٹھی صدا تھی خوانچہ والوں کی اس طرح
آواز عندلیب گلستاں میں جس طرح

دوڑاتے بگھیاں یہاں پھرتے تھے سب امیر
اپنی صدا سناتے تھے آآ کے کُل فقیر

سودا بہت خرید رہے تھے جوان و پیر
آئے تھے بعض سیر کو تھے بعض راہ گیر

یاں اک دُکاں بھی تھی کہ گیا کوئی جب وہاں
چہرے سے اُسکے جوش مسرت ہُوا عیاں

گندھی کی یہ دُکان تھی خوشبو تھی عطر کی
جس سے دل و دماغ میں آتی تھی تازگی

ہر چیز آس پاس کی تھی عطر میں بسی
یاں کی ہوا نسیم بہاری سے کم نہ تھی

تھی ایک ہی دُکاں پہ یہ خوشبو کا حال تھا
بازار آس پاس کا تھا سب مہک رہا

تھی پاس ہی گلی وہ کہ جاتا تھا مجھ کو واں
کچھ آگے بڑھ کے کوئلے والے کی تھی دُکاں

جھونکا چلا ہوا کا جو اس وقت ناگہاں
وہ کالی کالی خاک پڑی مجھ پہ سب یہاں

کپڑوں کو جھاڑتا رہا کالک نہیں گئی
آنے کی اس جگہ مجھے اچھی سزا ملی

رہ رہ کے آیا میری طبیعت میں یہ خیال
صحبت عجیب چیز ہے اسکا عجب ہے حال
ہر شے میں عطر کی تھی وہاں بوے بیمثال
کالک ہے کوئیلے کی یہاں جان کو وبال

انسان بھلا ہے اسکو جو صحبت بھلی ملی
لیکن یہی بُرا ہے جو صحبت بُری ملی

جا ایسی صحبتوں میں اگر تجھ کو ہے تمیز
سب کو ہو بوے عطر کی مانند تو عزیز
بچنا ہے ایعزیز بُری صحبتوں سے نیز
کاجل کی کوٹھڑی میں ہے کالک ہی ایک چیز

صحبت نہ رکھ بُروں سے کہ رسوا کہیں تجھے
اچھوں میں بیٹھ مہر کہ اچھا کہیں تجھے

ماں باپ

تمہیں یاد ہے پیارے لڑکو بھلا
کہ تم چھوٹے بچے تھے اکدن وہ تھا
نہ طاقت کا تھا تم میں نام و نشاں
بدن میں تمہارے نہ تاب و تواں
نہ ہاتھوں سے آتا تھا کھانا تمہیں
نہ پاسے کہیں آنا جانا تمہیں
تمہیں بات کرنی بھی آتی نہ تھی
کہ ظاہر کرو دل کا رنج و خوشی
مرض کوئی ہوتا تھا تم کو اگر
تو روتے تھے تم کرکے آنکھوں کو تر
نہ تکلیف اپنی جتاتے تھے کچھ
نہ رونے کا باعث بتاتے تھے کچھ

غرض جب ستاتی تھی یوں بے بسی
تمہاری تھی جب حالتِ بیکسی

تو ماں باپ نے پالا پوسا تمہیں
انہیں پر تھا بالکل بھروسا تمہیں

اٹھاتے تھے تکلیف وہ خود سدا
تمہیں ہونے دیتے نہ کلفت ذرا

بٹھاتے کھلاتے پلاتے تمہیں
سلاتے جگاتے بہلاتے تمہیں

جو بیمار ہوتے تو کرتے دوا
یہی فکر رہتا تمہیں ہو شفا

نہ سوتے تھے وہ فکر سے رات کو
کہ بچہ ہے بیمار اُسے دُکھ نہ ہو

بڑھی عمر جب کچھ تمہاری ذرا
تو اُن کی بڑھی اور بھی مامتا

اُنہوں نے پڑھایا لکھایا تمہیں
غرض مدرسے میں بٹھایا تمہیں

انہیں اب بھی ہے تم سے الفت بہت
وہ کرتے ہیں تم سے محبت بہت

تمہاری خوشی سے ہے اُن کو خوشی
تمہیں دکھ ذرا ہو تو وہ ہیں دکھی

تمہارا ہے مطلوب اُن کو بھلا
دل و جاں سے رہتے ہیں تم پر فدا

یہی اُنکی رہتی ہے خواہش بڑی
تمہاری کسی طرح ہو بہتری

تمہارا بھی ہے فرض اعلےٰ یہی
اطاعت کرو اپنے ماں باپ کی

اطاعت کا رتبہ بہت ہے بڑا
اطاعت یہی طاعت ہے نزدِ خدا

نہیں اس سے بڑھ کر سعادت کوئی
نہیں اس سے برتر عبادت کوئی

یہ نیکی ہے دنیا میں سب سے بڑی
کہ خدمت کرو اپنے ماں باپ کی

دل و جاں سے اُن کا کہا ماننا
اسی میں بس اپنا بھلا جاننا

یہی مہر کی بھائی لڑکو ہے پند
ہمیشہ رہو اس پہ تم کار بند

ہمت نہ ہارو

ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہو کیا سوچ رہے
وہ ہؤا کرتا ہے نامرد ۔ بیٹھے جو پیچھے
ہاں اٹھو۔ اٹھکے بڑھو۔ بڑھ کے کرو کام بڑے
مردِ میدان بنو آؤ اکڑ کر آگے

بھول کر بھی نہ خیال آئے کہ ہم ہار گئے

زندگی کہتے ہیں جسکو وہ ہے اک جنگِ عظیم
جو بڑھا چلتا ہے لاتا نہیں خاطر میں بیم
فتحمند اسمیں وہی شخص ہؤا ہے تسلیم
دوستو یاد رکھو یاد رکھو قولِ حکیم

بھول کر بھی نہ خیال آئے کہ ہم ہار گئے

صبح طفلی ہو کہ دوپہر جوانی کی یہاں
ہو مقولہ یہی منزل ہو کٹھن یا آساں
یا کہ پیری و ضیعفی کی ہو شام حرماں
ہم بڑھے جائینگے بڑھ کر نہیں ہٹنا ہشایاں

بھول کر بھی نہ خیال آئے کہ ہم ہار گئے

مشکلیں پیش ہمیں آئینگی مانا اکثر
کیا ہؤا مرد ہیں ہم باندھ کے ہمت کی کمر
دقتیں منہ کو دکھائینگی مقابل ہو کر
جیت لینگے انہیں اپنا تو عمل ہے اسپر

بھول کر بھی نہ خیال آئے کہ ہم ہار گئے

رہے طرار زباں اور نظر پر جو کنی
تم ہی جیتو گے جو وقت بھی کبھی آکے پڑی
دل میں بھولے سے بھی ہو فکر کا کھٹکا نہ کبھی
سمجھو پتھر کی لکیر اس کو نہیں بات مری

بھول کر بھی نہ خیال آئے کہ ہم ہار گئے

بعض کام ایسا ہے دولت سے نہیں ہو سکتا
نہیں کوئی بھی کہ محنت سے نہیں ہو سکتا
بعض ایسا ہے کہ حشمت سے نہیں ہو سکتا
کیا ہے وہ جو ہمت سے نہیں ہو سکتا

بھول کر بھی نہ خیال آئے کہ ہم ہار گئے

باغ کی سیر

چھوٹی بچی مجھے یہ بات بتا تو پیاری
باغ کی سیر بھی تو نے کبھی جا کر دیکھی

باغ میں پھرنے سے خوش ہوتا ہے دل بچوں کا
باپ کیساتھ ذرا تو بھی کبھی سیر کو جا

واں ہے پانی کی بہار اور ہے سبزے کی بہار
جہاں دیکھو نظر آتی ہے درختوں کی قطار

انکو اللہ نے پہنائے ہیں جوڑے وہ ہرے
انکی سبزی کو جو دیکھیں تو کبھی دل نہ بھرے

قد ہے بوٹا سا کسی کا کوئی اونچا ہے بہت
ہے بڑا کوئی بہت اور کوئی چھوٹا ہے بہت

روشوں پر ہیں بہت پھولوں کے گملے رکھے
کیا ہی خوشرنگ یہ سب پھول ہیں کیا ہی اچھے

انکے رنگوں سے ہے آنکھوں میں طراوت آتی
انکی خوشبو ہے دماغوں کو بڑی مہکاتی

ہیں درختوں میں پھل ایسے کہ جھکے جاتے ہیں
اور رنگ ایسے کہ آنکھوں میں کھبے جاتے ہیں

چہچہاتے ہیں درختوں میں پرندے ہر جا
کیسے میٹھے سر ہیں کیسی ہی میٹھی سی صدا

کنواں چلتا ہے بھرا حوض بھی ہے پانی سے
خوبصورت سے کناروں پہ ہیں گملے رکھے

بیٹھ جاؤ یہاں یا باغ کی سڑکوں پہ پھرو
ایسا خوش ہوتا ہے دل سب کا کہ کچھ مت پوچھو

مہر کا دل بھی بہت چونکہ بہلتا ہے یہاں
وہ بھی ہر روز سحر آ کے ٹہلتا ہے یہاں

ماں کی نصیحت

ماں نے بیٹی سے کہا میری دلاری بیٹی
بیٹیوں میں ہے بہت تو مجھے پیاری بیٹی

جان اور دل سے مجھے بھاتی ہے تیری خدمت
چونکہ تو کرتی دل و جاں سے ہے میری خدمت

یہی باعث ہے کہ کہتی ہوں تجھے میں بھی عزیز — کام کی بات بتاتی ہوں تجھے کام کی چیز
میں نے بتلائی ہیں اب تک تجھے جو جو باتیں — یاد رکھ انہیں سے مت بھول کبھی دو باتیں
ایک تو یہ ہے کہ جس وقت کا ہے جو کچھ کام — اسکو کر ڈال اُسی وقت تو اے نیک انجام
دوسری یہ ہے جہاں سے تو کوئی چیز اُٹھائے — ہو چکے کام تو پھر اُسکو وہیں پر رکھ جائے
انتظام اور سلیقے کے یہی گُر ہیں بڑے — ہو عمل ان پہ تو پھر کام نہیں رہتے پڑے
مان لی تُو نے مری جاں جو نصیحت میری — تجھ کو جو دیکھیگا تعریف کریگا تیری

مہر کا بھی ہے عمل چونکہ انہیں باتوں پر
کام اُسکا کبھی ہونے نہیں پاتا ابتر

حب وطن

محب وطن تجھ پہ رحمت بہت ہے — کہ تجھ کو وطن سے محبت بہت ہے
اگر دل میں جوشِ حمیت بہت ہے — ذرا کھہ تو اسمیں حلاوت بہت ہے

ہمیں اے وطن تجھ سے اُلفت بہت ہے

جہاں کوئی سیاح مجھ کو ملا ہے — بہت غیر ملکوں میں گو وہ پھرا ہے
بہت اُس نے سیر و سفر گو کیا ہے — مگر دل میں وہ بھی یہی کہہ رہا ہے

ہمیں اے وطن تجھ سے اُلفت بہت ہے

مسافر بھی مجھ سے بہت سے ملے ہیں — کڑی منزلیں کر کے ہارے تھکے ہیں
سرائوں میں بیچارے آکر پڑے ہیں — وہاں بھی جو دیکھا یہی تذکرے ہیں

ہمیں اے وطن تجھ سے اُلفت بہت ہے

ملے بحر میں مجھ سے ملاح اکثر — وطن سے بہت دور اور گھر سے بے گھر
مہینوں سے طے کر رہے ہیں سمندر — مگر ایک فقرہ ہے سب کے لبوں پر

ہمیں اے وطن تجھ سے الفت بہت ہے

سپاہی ہے لڑنے کو ملکوں میں جاتا — بہت دقتوں سے ہے روزی کماتا
خیال اُسکو غربت کا جب ہے ستاتا — یہی دھیان رہ رہ کے ہے دل میں آتا

ہمیں اے وطن تجھ سے الفت بہت ہے

تجارت کو جاتا ہے تاجر بھی باہر — تمنا ہے پیدا کرے مال اور زر
سفر میں مگر یاد آتا ہے جب گھر — یہی کہتا رہتا ہے دل میں برابر

ہمیں اے وطن تجھ سے الفت بہت ہے

پڑھائی میں لڑکے ہیں سرگرم محنت — انہیں علم و فن نے دکھائی ہے غربت
مگر چھٹیوں میں ملی جب کہ فرصت — یہی کہتے جائینگے گھر با فراغت

ہمیں اے وطن تجھ سے الفت بہت ہے

مرے دوستو وہ کشش ہے وطن میں — پھر آؤ زمیں میں پھر آؤ زمن میں
مگر جس طرح آئے بلبل چمن میں — تم آؤ گے کہتے یہی اپنے من میں

ہمیں اے وطن تجھ سے الفت بہت ہے

اگر دل میں غفلت شعاری نہیں ہے — اگر عقل سے طبع عاری نہیں ہے
وطن سے جگہ کوئی پیاری نہیں ہے — صلا یہ ہے سب کی ہماری نہیں ہے

ہمیں اے وطن تجھ سے الفت بہت ہے

ہمیں جان و دل سے وطن ہے پیارا — ہمیں ہے وطن اپنی آنکھوں کا تارا
وطن کا بڑا مہر کو ہے سہارا — یہی ورد ہے رات اور دن ہمارا

ہمیں اے وطن تجھ سے الفت بہت ہے

کسی کی ماں

نحیف پھٹے کپڑے پہنے کھڑی ہے ‌ ‌ ضعیفی سے اُسکی کمر جھک گئی ہے
سڑک پر پڑے آج اولے پڑے ہیں ‌ ‌ یہی وجہ ہے پاؤں سُن ہو گئے ہیں
کھڑی ہے وہ چوراہے میں آہ کب کی ‌ ‌ ہجوم خلائق میں بالکل اکیلی
وہ سہمی ہوئی ہے قدم کیا اُٹھائے ‌ ‌ کہیں گھوڑے گاڑی سے ٹکر نہ کھائے
زن و مرد یوں تو بہت ہیں گزرتے ‌ ‌ مگر اس پہ مطلق نہیں رحم کرتے

وہ دیکھو تو جو سامنے مدرسہ ہے ‌ ‌ ابھی اُسمیں چُھٹّی کا گھنٹہ بجا ہے
نہایت ہی دلشاد نکلے ہیں لڑکے ‌ ‌ بڑے خوش ہیں خوش ہو کے ہیں غل مچاتے
اٹھاتے ہیں اولے نہیں کھیل سا ہے ‌ ‌ اٹھا کر ہر اک بھاگتا دوڑتا ہے
نہ بڑھیا پہ لیکن نظر ہے کسی کی ‌ ‌ اُسی طرح بیکس کھڑی ہے اکیلی.

بس اب ایک لڑکا ہی باقی رہا ہے ‌ ‌ وہ ہنستا ہوا سب سے پیچھے چلا ہے
ضعیفہ کے پاس آ کے کہتا ہے مائی ‌ ‌ یہاں کیوں کھڑی ہے تو سہمی ہوئی سی
گزرنا ہے چوراہے میں سے تجھے گر ‌ ‌ تو آ تجھ کو پہنچا دوں بن کر میں رہبر
ضعیفہ نے شانے پہ ہاتھ اسکے رکھا ‌ ‌ لرزتے ہوئے پاؤں کو پھر اُٹھایا
وہ لڑکا تھا آگے وہ بڑھیا تھی پیچھے ‌ ‌ سلامت نکل آئے چوراہے میں سے

ضعیفہ کو پہنچا کے وہ نیک لڑکا ‌ ‌ تبسم کناں اپنے یاروں میں آیا

لگا کہنے گو ہے غریب اور بوڑھی
مگر دوستو یہ بھی ماں ہے کسی کی
غریب اور بوڑھی ہوئی گر مری ماں
نہ ہیں پاس اسکے ہُوا گر کبھی یاں
اسی طرح بازو کا دے کر سہارا
مدد اُس کو دیگا کوئی ماں کا پیارا

وہ بڑھیا بھی جو مہر ماں تھی کسی کی
دعا گھر میں شب حق سے یہ کر رہی تھی
سدا خوش رہے یا الٰہی وہ لڑکا
کسی کا ہے جو باعثِ ناز بیٹا

میری کتابیں

ہے کتب خانہ مرا ارژنگِ چیں
سیر سے دل سیر ہوتا ہی نہیں
ہے طلسمِ حیرت افزا یہ مکاں
کاشفِ سرّ زمین و آسماں
جا کے باہر کس کو پھرنے کا دماغ
یاں نہیں میلے تماشے کا دماغ
میں نے گھر بیٹھے ہی دیکھی کائنات
بیٹے کی ہے یاں سے سیرِ شش جہات
جہل کا یاں پردۂ حائل اُٹھا
علم کا سرِّ خفی دل پر کھلا
جس طرح کالی گھٹا ہو اور برق
نور سے پر نور کر دے غرب و شرق

جمع ہیں یاں دہر کے اہلِ کمال
اور کمال ان کا عدیم و بے مثال
فیض سے ان سبکے میں ہوں فیضیاب
تجھ پہ ہو رحمت خدا کی اے کتاب
جس سے ملنا چاہتا ہوں میں کبھی
دیر آنے میں کبھی اُس نے نہ کی
گو وطن اُس کا ہو مجھ سے دور تر
اور رہتا ہو ھزاروں کوس پر

ہو زمانِ پاستاں یا حال کا | یاد میں نے بس کیا اور آ گیا

شاعرانِ نکتہ سنج و نکتہ رس | یاد کرنے کی ہے دیر اور آکے بس
فکر کی جدّت دکھاتے ہیں مجھے | تازہ تر مضموں سناتے ہیں مجھے
لحن داؤدی میں ہے گاتا کوئی | رنگ رزم و بزم دکھلاتا کوئی
کوئی قدرت کے نظاروں پر فدا | ناصحِ مشفق کوئی مردِ خدا
ہے کوئی ڈوبا ہؤا عرفان میں | جذبہائے دل کسی کے دھیان میں
یہ سناتے ہیں مجھے اپنا کلام | اور دل ہوتا ہے ایسا شاد کام
میں ہوں جنّت میں فرشتے ہیں کھڑے | اور وہ سب مجھ سے باتیں کر رہے

ناثرانِ خوش بیاں جادو رقم | مجھ پہ کرتے رہتے ہیں اکثر کرم
بعض تاریخیں دکھاتے ہیں مجھے | بعض افسانے سناتے ہیں مجھے
میں نے بحثیں فلسفی سے خوب کیں | منطقی کی ساری تقریریں سنیں
ہیں ملاقاتی طبیبی بھی مرے | اُن سے علم و فضل کے چرچے رہے
میں ہوں سیّاحوں سے بھی اکثر ملا | حال بحر و بر ہے سب اُن سے سنا
ماہرانِ علمِ اخلاق و ادب | مل گئے ہیں مجھ سے گھر بیٹھے ہی سب

الغرض دنیا کے اربابِ کمال | بے نظیر و بے عدیل و بے مثال
مہربانی مجھ پہ فرماتے ہیں سب | اے کتابو یہ تمہارا ہے سبب
یہ ہیں میرے پاس جب تم پاس ہو | پاس جب تم ہو تو کیوں فکر یاس ہو
دوست تم سا کوئی دنیا میں نہیں | تم دکھاتی ہو رہِ دنیا و دیں

مہر کو ہو جان و دل سے تم عزیز　　وہ سمجھتا ہے تمہیں اعجوبہ چیز

اصلی شرافت

بہت سنا کہ ترا خاندان ہے عالی　　بہت سنا کہ گھرانے میں تیرے عزت تھی
بزرگی ساتھ بزرگوں کے اے عزیز گئی　　روا نہیں ہے تجھے اسپہ فخر و ناز کبھی
بتا مجھے کہ ہے خود تجھ میں قابلیت بھی

یہ میں نے مان لیا تیرے پاس ہے زر و مال　　تجھے سمجھتے ہیں چھوٹے بڑے بہت خوشحال
خوشی و عیش میں تیرے گزرتے ہیں مہ و سال　　مجھے غرض نہیں دولت سے ہے فقط یہ سوال
بتا کہ تجھ میں ہے کچھ جوہر سخاوت بھی

یہ میں نے مان لیا ہے وسیع تیرا مکان　　ہے اُسکا صحن فراخ اور بڑے بڑے دالان
مکان اسکو نہ کہئے محل ہے عالیشان　　مگر ہوئی کبھی تیری طرف سے واں نادان
بتا مسافر و مہمان کی ضیافت بھی

یہ میں نے مان لیا کسرتی ہے تیرا بدن　　بہت ہی ڈنڑ ہیں توانا بہت قوی گردن
اٹھا کے چاہے تو لیجائے بوجھ دو دو من　　سُن اے جوان ذرا کان دیکے میرا سخن
بتا کہ رکھتا ہے کچھ حوصلہ و ہمّت بھی

یہ میں نے مان لیا تو بہت ہے خوش تقریر　　کلام اور زباں میں ہے سحر کی تاثیر
تری زبان سے دل شاد بھی ہوئے دلگیر؟　　ترے کلام سے خوش خوش گئے غریب و فقیر؟
بتا مریض کی تُو نے ہے کی عیادت بھی

یہ میں نے مان لیا تُو نے علم خوب پڑھا　　بہت بڑا ہے پڑھائی کا تیری سرمایہ

بڑا ہے اس سے بھی گھر میں ترے کتبخانہ
مگر پڑھا ہے جو اس پر کبھی عمل بھی کیا

بتا کہ تجھ میں ہے کچھ خلق اور لیاقت بھی

یہ میں نے مان لیا شکل میں ہے تو انساں
خدا کی تجھ پہ ہے رحمت خدا کا ہے احساں
ہر ایک عضو ہے سالم ہر ایک کام آساں
جواب دے میں ہوں اتنی سی بات کا خواہاں

بتا کہ تجھ میں ہے اے مہر آدمیت بھی

لڑکے کی دعا

الٰہی ہو کرم و مہ رام میرا
یہاں اچھا ہر اک ہو کام میرا
بھلائی قاعدہ ہو عام میرا
وہاں کیجو بخیر انجام میرا

یہی ہے دھیان صبح و شام میرا
ستارہ بن کے چمکے نام میرا

مجھے توفیق وہ یارب عطا کر
رکھیں دائم نگاہِ لطف مجھ پر
پدر مادر برادر اور خواہر
مجھے سمجھیں کہ ہے یہ گھر کا اختر

یہی ہے دھیان صبح و شام میرا
ستارہ بن کے چمکے نام میرا

بزرگوں کا کروں دل سے ادب میں
نہ ہوں بھولے سے مغلوبِ غضب میں
کسی کو دوں نہ رنج بے سبب میں
رہوں محکوم اُن کا روز و شب میں

یہی ہے دھیان صبح و شام میرا
ستارہ بن کے چمکے نام میرا

مجھے خُردوں سے ہو سچی محبّت ۔ کروں ان پر عنایت اور شفقت
اُنہیں بھی مجھ سے ہو اسطرح الفت ۔ کہ بس دیکھا کریں میری ہی صورت

یہی ہے دھیان صبح و شام میرا
ستارہ بن کے چمکے نام میرا

مجھے احباب سمجھیں یارِ جانی ۔ محبت اور الفت کی نشانی
مجھے دیکھیں تو ہو وہ شادمانی ۔ کہ ہو شادی سے چہرہ ارغوانی

یہی ہے دھیان صبح و شام میرا
ستارہ بن کے چمکے نام میرا

مرا ہو اسطرح ہر کام روشن ۔ کہ ہو آبا کا اس سے نام روشن
سحر سورج سے جیسے بام روشن ۔ مہِ تاباں سے جیسے شام روشن

یہی ہے دھیان صبح و شام میرا
ستارہ بن کے چمکے نام میرا

وطن میں نام ہو مشہور میرا ۔ وطن کیا پہنچے شہرہ دُور میرا
صفا سے دل ہو یوں معمور میرا ۔ جہاں میں پھیل جائے نور میرا

یہی ہے دھیان صبح و شام میرا
ستارہ بن کے چمکے نام میرا

مرے دم سے ہو میرے ملک کو ناز ۔ مجھے سمجھیں وطن کے لوگ دمساز
رفاہِ قوم کا مجھ پر کھلے راز ۔ خدایا مجھ پہ ہو رحمت کا درباز

یہی ہے دھیان صبح و شام میرا
ستارہ بن کے چمکے نام میرا

مرے اخلاق کے سب ہوں ثناخواں ۔ مری ہمت بنے محسودِ اخواں

مری عقل و خرد مشہورِ دوراں
مرے آداب مطبوعِ بزرگاں

یہی ہے دھیان صبح و شام میرا
ستارہ بن کے چمکے نام میرا

متیں ہو اور شیریں میری تقریر
ہو مشہورِ خلائق میری تدبیر

پڑھیں اور سب سراہیں میری تحریر
مجھے مانیں زمانے کے مشاہیر

یہی ہے دھیان صبح و شام میرا
ستارہ بن کے چمکے نام میرا

مجھے توفیقِ نیکی اے خدا دے
مرے آئینۂ دل کو جلا دے

مجھے نیکوں کا یا رب مرتبہ دے
تجلّٰی کی ضیا دے اور صفا دے

یہی ہے دھیان صبح و شام میرا
ستارہ بنکے چمکے نام میرا

نہ گھبراؤں پڑے مشکل جو آکر
الٰہی یہ مری عادت ہو خوشتر

نہ ہوں مغرور پاکر منصب و زر
رہوں راضی سدا تیری رضا پر

یہی ہے دھیان صبح و شام میرا
ستارہ بنکے چمکے نام میرا

غرض دنیا میں یا رب خوش ہوں میں
مقرب تیرا عقبےٰ میں بنوں میں

کروں جو کام وہ اچھا کروں میں
سنے جب مہر تو یہ ہی کہوں میں

یہی ہے دھیان صبح و شام میرا
ستارہ بن کے چمکے نام میرا

انگریزی نظموں کے ترجمے

تنبیہاتِ ثلٰثہ

Mrs: Thrale's 'Three warnings'.

جتنی کسی درخت کی نیچی گئیں جڑیں
اُتنی ہی وہ اُکھڑنے میں لاتا ہے حجّتیں
یہ بات اسی سبب سے بزرگوں نے ہے کہی
بڑھتی ہے ساتھ عمر کے جینے کی چاہ بھی
یاں تک کہ زندگی کے جو آخر ہیں مرحلے
اُٹھتے ہیں جبکہ جسم میں دُکھ درد نت نئے
اور آن کر ستاتی ہیں بیماریاں بہت
ہوتی جبھی عزیز بھی ہے سب کو جاں بہت
آجائے تا کہ آپ کو اس بات کا یقیں
سب جسکو مانتے ہیں مگر جانتے نہیں
اور دل پہ ہو اثر نہ بزرگو نکے قول کا
تو آج کل کا حال ہے سنئے اسے ذرا

اک شیخ جی کسان کا تھا دن نکاح کا
خوشیاں منا رہا تھا ہر اک شخص شاد تھا
نوشہ تو خوش تھا اور بھی اُس دن کہ ناگہاں
چُپکے سے آکے بس ملک الموت نے وہاں
اُس کو الگ بُلا کے متانت سے یہ کہا
پیاری دلہن کو چھوڑ تو اور میرے ساتھ آ

نوشہ کے ہوش اُڑ گئے۔ کہنے لگا کہ ہیں!
پیاری دلہن کو چھوڑ چلوں تیرے ساتھ میں!
ہیں تیرے ساتھ! میں تو جواں ہوں! غضب کیا
پھر یہ بھی ہے کہ میں نہیں تیار ابھی ذرا

اور آج کل خیال ہے میرا بیٹا ہُوا | تو جانتا ہے بیاہ ہے میرا رچا ہُ

کیا کیا کہا تھا اور ہمیں کچھ خبر نہیں | ہوگئی مگر توی ہی دلائل - یہ ہے یقیں
جان اُس بہانہ ساز کی اسطرح بچ گئی | مہلت کچھ اور جینے کی بیک اجل نے د
سنجیدہ منہ بنا کے متانت سے یہ کہا | اور ساتھ اُسکا شیشۂ ساعت بھی کانپ
لو آخری سلام ہے ہوتا ہوں میں ہوا | شادی کا رنگ تا کہ نہو پھنگ آپ
اور نا کہ آپ مجھکو نہ بے رحم پھر کہیں | الزام یہ نہ نام پہ میرے کبھی دھر
تیّار رہیے عالمِ عقبےٰ کے واسطے | ہولیں جناب خوب بہت وقت با
تنبیہ تین بار کروں گا میں آپ کو | قبل اسکے آپ کی طلبی سوئے گو
گو آپ ہیں شکار مرے پر ہوں چھوڑتا | اس مرتبے کرم ہی سمجھنا اسے
لیکن امید ہے مجھے آیندہ جب کبھی | گزرونگا اس طرف سے تو بیشک جن
حجت نہیں کرینگے ذرا اور خوشی کے ساتھ | دنیا کے دُوں کو چھوڑ کے ہولینگے مِر
دونوں نے مان لیں یہ شرائط خوشی خوشی | اور ایک دوسرے سے جدا اپنی را

کیا کیا تھے کام شیخ نے جو بعد میں کئے | دانائی و خوشی سے وہ کس طرح گ
کس لطف سے گزارتے تھے عمر روز و شب | چمکارتے تھے بیلوں کو کس طرح ا
حُقّے کو گڑگڑاتے تھے کس طرح بیٹھکر | یہ وہ بیاں کریگا جو شاعر ہ
املاک پہلے مول لی بیوپار پھر کیا | بھولے سے بھی خیال نہ اُن کو گ
اس بات کا - کہ پیر ہُوا عمر ہو چکی | اور موت دُور اب نہیں نزدیک

اولاد کم نہ تھی - آمدنی کی تھی راہ باز | چھوٹے نہ دوست تھے - نہ تھی بیو

اسطرح تھی گزرتی غرض عمر باخوشی | لیکن جب انکی اسطرح دولت تھی بڑھ رہی
اورجب کہ زندگی کی وہ پُرگرد راہ پر | چلتے تھے باخوشی کہ سبھوں کا ہے رہگزر
وقتِ رواں نے جسکی روانی رُکی نہیں | اور فانیوں کی جان کبھی جس سے بچی نہیں
بے جانے اور بےخبر اور بے بُلائے آ | اسّی کے سن میں شیخ کو لا کر کھڑا کیا
اورایکدن کہ شیخ جی کچھ اپنے دھیان میں | خاموش اور اکیلے تھے بیٹھے مکان میں
پیکِ اجل کا نحس قدم آیا پھر وہاں | پھر آن کر فرشتہ ہؤا سامنے عیاں

حیرت ہوئی یہ۔ ڈر سے نکل نصف جاں گئی | ہیں! اتنی جلد آگیا تو بولے شیخ جی
بولا فرشتہ جلد کی اچھی کہی جناب | مجھ سے مذاق تو نہیں کرتے ہو اجی جناب
کیا وجہ جبکہ آیا تھا میں پہلی باریاں | اُسکو پچاس سال ہوئے آج مہرباں
تم بھول تو نہیں گئے بڈھے ہو شیخ جی | اسّی برس کی عمر ہوئی آج آپ کی

یہ بات اور بھی ہے بھلی بولے شیخ جی | پیروں کو چھوڑ دیتا تو اچھا ہے اور بھی
آنا بھی کہئے آپ کا جائز ہے یا نہیں | لائے مجسٹریٹ کا وارنٹ کیا نہیں
ناجائز آپ کی یہ تلاشی ہے سر بسر | پروانہ ہے پولس ہی کا پاس آپکے اگر
تنبیہ تین بار ملے گی یہ تھا قرار | مینے کیا ہے اسکا شب و روز انتظار
تکلیف اسمیں جو ہوئی اور وقت جو گیا | ہرجانہ اُس کا کرنا پڑیگا تمہیں ادا

بولا فرشتہ اس سے تو واقف ہوں مہرباں | مہمان وہ ہوں۔ ہوتا ہوں سبکو بلائے جاں
پر آپ یوں مذاق نہ میرا اُڑائیے | کچھ بات چیت کیجئے مجھ کو بتائیے
میرا خیال تھا کہ ضعیف آپ اب ہوئے | کھیتوں میں پھرنے چلنے کے قابل نہیں رہے

ابتک مگر جو آپ کی طاقت بنی رہی | میری طرف سے بھی وہ مبارک ہو شیخ جی
بولا کساؤ ٹھیریئے جلدی نہ کیجئے | لنگڑا ہوں میں غریب تبھی دو تین سال سے

کہنے لگا فرشتہ عجب کیا ہے شیخ جی | بینائی تو درست ہے لیکن جناب کی
آنکھوں سے دوست اور عزیزوں کو دیکھنا | اس پائے لنگ کا نہیں کچھ کم معاوضہ
اُس نے دیا جواب کہ بیشک بجا کہا | عرصے سے لیک میں تو ہوں اندھا بھی ہو گیا

بولا فرشتہ یہ تو نہایت بُری کہی | اسباب لیک اور ہیں آرام کے ابھی
ہر ایک غم بھلانے کو آنکھیں ہی آپ کا | خبریں سناتا ہوگا ادھر اور اُدھر کی آ
بولا کہ کچھ خبر نہیں - اور ہو بھی کچھ اگر | بہرا ہوں اتنا سُن نہیں سکتا کوئی خبر

پھر تو فرشتہ کہنے لگا ہو کے پر غضب | ارمان اور جینے کے بیسود اب ہیں سب
لنگڑے ہو اور بہرے ہو آنکھیں بھی جا چکیں | تنبیہیں تین میں نے کہیں تھیں سو آ چکیں
ہونگے نہ آپ آج مرے ہاتھ سے رہا | یہ کہہ کے اُسنے ہاتھ جو سر پر ذرا رکھا
رکھتے ہی ہاتھ شیخ کا منہ زرد ہو گیا | اس داستاں کی طرح ہوا اُس کا خاتمہ

سُر کی طاقت

Wordsworth's 'Power of Music

او ہو ہو ہو گویا گا رہا ہے اور خلقت پر | اثر اُسکے سُروں کا دیکھنا کیسا ہی طاقتور

لبالب بھر دئے دل سب کے اسنے اپنی طاقت سے
کبھی دیکھے نہ ڈھنگ ایسے طنبورے کے گویے

ہر اک کس شوق سے سنتا ہے دلپر حکم ہے کیسا
کہ بھوکے کو ہے سیری اور تازہ دم ہے درماندہ
خوشی غمگین کو ہے فکرمند انکو ہوئی تسکیں
گنہگاروں کا دل بھی اب نہیں کرتا نہیں نفریں

چلا جاتا تھا نوکر کار آقا کے لئے دوڑا
کھڑا کھوتا ہے وقت اور جائے یاں سے ہو نہیں سکتا
بہت جلدی ہے اسکو پر کھڑا اخبار والا ہے
کھڑا ہے لال ٹینوں والا گو بھاگا وہ آیا ہے

اتارا بوجھ مزدوروں نے سر سے آپ بیٹھے ہیں
ادھر لڑکوں کی گاڑی اُن کے نوکر موڑ لائے ہیں
اگر ہو چور کوئی یاں تو گاڑی لوٹ لیجائے
یہ ہیں گانے کی دھن میں مست انکو کیا نظر آئے

ذرا اس لمبے قد والے کو دیکھو یہ ہے بالکل
خوشی سے پر شگفتہ تن ہے چپہ چپہ مثل گل
رہے بے حرکت بے مس نہیں طاقت بھی اسکی
ہوا سے تار جھومے جسطرح ہے جھومتا یہ بھی

اور اس لنگڑے کو دیکھو کیا کرے بیچارہ ہے لنگڑا
زمیں پر نہ لکڑی پھینک اسی دم ناچنے لگتا
یہ عورت بچے والی دیکھنا کیا لطف لیتی ہے
کھڑی بچے کے دست و پا سے کیسی تال دیتی ہے

امیر اپنی جو دوڑائیں تو دوڑایا کریں بگھی
کھڑے ہیں بیس شخص اسجا اور انکو ہے خوشی ایسی
کہ گویا دیکھتے ہیں خواب انہیں مطلق نہیں پروا
کہ بگھی میں چڑھا یہ کون دولتمند ہے جاتا

سرجو کا گڑھ

Norton's 'Bingin on the Rhine'.

پڑا جاں بلب اک پوربیا سپاہی تھا میدان میں مصر کے زخم کھائے
نہ واں کوئی عورت تھی اسکی خبر کو نہ واں کوئی عورت جو آنسو بہائے
ولے اک سپاہی برابر کھڑا تھا۔ جراحت سے جب اسکے تھا خون جاری
نگاہِ ترحم سے جھکتا تھا پیہم۔ کہ جو کچھ کہے سُن لے باتیں وہ ساری
پکڑ ہاتھ ساتھی کا ہاتھوں میں اپنے بہت کانپ کر جاں بلب اور مضطر
وہ کہنے لگا اب نہ دیکھونگا گھر میں نہ پیارا وطن بھائی دیکھونگا جا کر
پیام ایک اور یادگار ایک میرا۔ مرے چند احباب کے پاس لے جا
وہ ہیں دُور۔ پیدا ہیں گڑھ میں ہُوا تھا۔ وہ گڑھ جو کہ سرجو کنارے ہے بستا

مرے بھائیوں اور یاروں سے کہنا کہ ہوں جمع جس وقت اور مل کے بیٹھیں
وہاں گاؤں کی آگے چوپاڑ میں سب بچھا در دو غم کے مری۔ تا کہ سُن لیں
کہ ہم یہ لڑائی لڑے تھے دلیری سے اور ختم واں روز روشن ہُوا جب
تو سورج کے نیچے جو اب ڈوبتا تھا ہزاروں ہی لاشیں تھیں پھیلی پڑی سب
بہت زخمیوں اور کُشتوں میں ایسے تھے جنگ و جدل میں جو بڈھے ہو گئے تھے
اور اب زخم آخر تھے وہ زخم کاری جو مردانہ سینوں پہ اُن کے لگے تھے
بہت تھے جواں زندگی کی سحر کو یکایک جنھوں نے یہاں ڈھلتے دیکھا
اُنھیں میں سے اک شخص آیا تھا گڑھ سے وہ گڑھ جو کہ سرجو کنارے ہے بستا

میری ماں سے کہنا تسرے اور لڑکے ہیں آرام پیری میں وہ دینگے تجھ کو
کہ میں تو سدا سے تھا آوارہ ایسا کہ گھر تھا قفس ہوتا معلوم مجھ کو
سبب یہ کہ تھا باپ میرا سپاہی اور ایام طفلی میں دل میرا اکثر
اُچھلتا تھا سنکر وہ قصے لڑائی کے پڑتا تھا رن جنمیں گھمسان آکر
مرا جب وہ اور ہم نے آپس میں بانٹی غریبانہ میراث جو اُس نے چھوڑی
تو جو کچھ کہ چاہا لیا بھائیوں نے فقط اُسکی تلوار اک میں نے لے لی
جہاں نور تھا مہر تاباں کا پڑتا اُسے چاؤ سے میں نے بچپن کے ٹانگا
وہاں گڑھ میں دیوار پر جھونپڑی کی وہ گڑھ جو کہ سرجو کنارے ہے بستا

بہن سے مری کہنا وہ ہچکیاں لے نہ روئے مجھے اپنی گردن جھکائے
وطن میں پہنچکر رسالہ ہمارا اکڑتا ہوا اور خوش خوش جب آئے
اُسے فخر اور ناز سے بلکہ دیکھے نظر اُسکی ہرگز نہ جھپکے نہ کانپے
کہ بھائی تھا اُس کا بھی پورا سپاہی نہ ڈرتا تھا جو جان پر کھیلنے سے
اور اس سے ذرا میری جانب سے کہنا کہ شادی کو تجھ سے سپاہی کوئی گر
کہے۔ تو بلا رنج و افسوس کے تو تلطف سے اُس پر نظر کیجو خواہر
اور اس میری اور باپ کی تیغ کو تو جہاں تھی یہ پہلے وہیں دیجو لٹکا
شرف اور عزت رہے تا کہ گڑھ کی۔ وہ گڑھ جو کہ سرجو کنارے ہے بستا

وہاں ایک ہے اور بھی۔ پر نہ خواہر۔ خوشی سے گزرتے تھے جب دن ہمارے
تو کافی تھے بس اُسکے پہچاننے کو نظر میں تھے وہ شوخ اُسکی اشارے
نہ تھے ناز و انداز تھی سادگی یہ۔ نہ بیوجہ نفرت تھی الفت تھی ایسی

مجھے ڈر ہے ہوتا الم بھی ہے گہرا اُسی کو کہ جس کی طبیعت ہو ہلکی
یہ کہنا تو اُس سے ۔ سری زندگی کی جو آخر تھی شب کیونکہ ہوگی سحر جب
تو آزاد ہو جائیگی جسم سے رُوح ۔ چھُٹ جائیگا جسم تکلیف سے سب
مجھے خواب آیا تھا ہوں ساتھ اُس کے ۔ ہے زرّیں شعاعوں سے سورج چمکتا
پہاڑی جہاں پر ہے سرسبز گڑھ کی ۔ وہ گڑھ جو کہ سرجو کنارے ہے بستا

بہی جاتی سرجو کی ہے نیل دھارا اور ایسے ہیں سُر سارے کانوں میں آتے
کہ بس ہیں بہی ٹھہریاں جو کہ ہم دونوں اونچے سے میٹھے سُروں میں تھے گاتے
سماں بھی خوشی و تسکین کا ہے کہ ہے شام اور وہ ملے سُر ہمارے
پڑے گونجتے ہیں سُہانی ندی پر اور اوپر کی ڈھلوان پہاڑی میں سارے
وہ چشم سیہ سے تجھے دیکھتی ہے ۔ گزرتے ہیں ہم بات کرتے ہوئے جب
بہت ایسی ستوں سے الفت ہے جن سے ۔ بہت ایسی ہوں جو یاد ہیں سب
اور اُس کا بھروسے سے اور نازکی سے پڑا ہاتھ میں ہاتھ میرے ہے اس جا
مگر اب نہ اُس سے ملونگا میں گڑھ میں وہ گڑھ جو کہ سرجو کنارے ہے بستا

یہ کہہ کر ہوئی اُس کی آواز دھیمی چھُٹا ہاتھ ساتھی کا ہاتھوں سے اُسکے
پھری آنکھ اور آہ کی ایک ٹھنڈی نہ نکلی کوئی بات پھر اُسکے مُنہ سے
جھُکا وہ سپاہی اُٹھانے کو فوراً ۔ مگر شمع ہستی تھی گل ہو چکی واں
سپاہی تھا پورب کا پر جان اُسکی گئی آکے اک اجنبی ملک میں یاں
اب آہستہ سے آسماں پر چڑھا ماہ ۔ اور اُسنے دھیمی نگاہوں سے دیکھی
لڑائی کے میدان کی سُرخ ریتی کہ جو خون آلودہ لاشوں سے پُر تھی

نظارہ تھا پُرخوف لیکن اُسے بھی اُنہیں دھیمی نظروں سے وہ دیکھتا تھا
کہ تھا دیکھتا جس طرح دُور گڑھے کو۔ وہ گڑھے جو کہ سرچوکنا رے پہ بستا

سادھو

Goldsmith's 'Hermit'

"سامنے وہ جو شمع ہے روشن
ہاں ذرا اے مہاتما اُٹھ کر
راہ گم کردہ اور ہوں تنہا
اور یہ جنگل فراخ ایسے ہیں

رہ میں مہماں نواز نور فگن
تو مرا ہو وہاں تلک رہبر
تھک گیا ہوں قدم نہیں اُٹھتا
جتنا چلتا ہوں اُتنے بڑھتے ہیں"

"بولا سادھو کہ باز آ بیٹا
یہ تو شاید کوئی چھلاوا ہے
جو ہے بے گھر غریب یاں آتا
گرچہ ہے میرے پاس کیا جو ڈول
تو بھی شب کر یہیں بسر۔ اور لے
گھاس کا بستر اور سادہ طعام
چرتی پھرتی ہیں بکریاں اس جا
جیسے کرتا ہے رحم مجھ پہ خدا
ہاں جو میوے ہیں اس جگہ اُگتے

تو اندھیرے میں اسطرف مت جا
کہ تری جان لینے آیا ہے
میرا دروازہ ہے کھلا پاتا
لیک جو کچھ ہے اُس سے حاضر ہوں
یہی میری کٹی تجھے جو دے
اور میری دعائیں اور آرام
ذبح پر اُن کو میں نہیں کرتا
اُن پہ سیکھی ہے کرنی میں نے دیا
وہ ہیں سب میرے بے ضرر کھانے

میری خوراک سبزیاں اور پھل | میرا شربت ندی کا نرمل جل
آ مسافر! نہ فکر کر بیٹھا | فکر دنیا کے سارے ہیں بیجا
صبر لازم ہے سب کو تھوڑے پر | کیونکہ دنیا ہے چند روزہ گھر"

منہ سے میٹھے بچن یہ یوں نکلے | جیسے برسے پھوار بادل سے
سر حیا سے جھکا مسافر کا | ساتھ سادھو کے وہ کٹی میں گیا
دور جنگل میں تھی اکیلی کٹی | اور ایکانت کی جگہ وہ تھی
تھی غریبوں کے واسطے وہ پناہ | اور مسافر کی جو کہ ہو گمراہ
واں چھپر میں کیا دھرا تھا جو ہو | فکر چوری کا خانہ مالک کو
کھول زنجیر اور دروازہ | دونوں داخل ہوئے کٹی میں آ

وقت آرام کا تھا یعنی شام | لوگ جب چھوڑتے ہیں اپنے کام
نظر آتا تھا میہمان حزیں | شاد کرنے کو خاطرِ غمگیں
آ کے سادھو نے آگ روشن کی | باتیں چھیڑیں کہ بہلے اُس کا جی
پھل دئے اُس کو اور کیا اصرار | کہا ہنس ہنس کے اُس سے کھا اے یار
یاد اُس کو بہت کہانیاں تھیں | وقت کے کاٹنے کو اُس سے کہیں
واں پھرتی تھی کھیلتی بلّی | وہ بھی شاید کہ تھی شریکِ خوشی
اور جھینگر کی مست تھی جھنکار | آگ کے پاس۔ جو تھی شعلہ بار
پر کسی شے سے میہمانِ حزیں | خوش نہ تھا اور اُسے نہ تھی تسکیں
کیونکہ رنج اُس کے دل میں گہرا تھا | جب نہ رو کے رکا۔ تو رونے لگا
بہتے دیکھے جو اُسکے یوں آنسو | خود حزیں ہو کے۔ بولا یہ سادھو

"تجھے یہ رنج نوجوانِ حسیں   کیوں ہُوا؟ کس لئے ہے تو غمگیں
کیا تو محلوں کو چھوڑ کر نکلا   اور ہے اُن کے فراق میں پھرتا
دوستداری میں یا دغا دیکھی   عشق میں یا نہیں وفا دیکھی
مال و دولت کی آہ سب خوشیاں   ہیچ ہیں اے عزیز اور گزراں
ہیچ اور پوچ شے کا شائق بھی   ہیچ اور پوچ خود ہے ویسا ہی
دوستداری ہے کیا فقط اک نام   ایک لوری کہ آئے نیند میں کام
یا کہ سایہ ہے ایک یوں کہئے   مال و دولت کے جو پھرے پیچھے
اور جو چھوڑ دے غریبوں کو   کہ وہ بیٹھا کریں نصیبوں کو
عشق تو اور بھی ہے نام ہی نام   بس حسینوں کا ایک مزاجِ عام
آج ملتا نہیں زمانے میں   جز چکوروں کے آشیانے میں
شرم اے نوجوان۔ غم مت کر   بلکہ تو عورتوں پہ لعنت کر"

سُنکے چہرہ جواں کا سُرخ ہُوا   جس سے ظاہر تھا ہے یہ دلدادہ
دیکھا سادھو نے رنگ ہو حیراں   حُسنِ رُخ اور جب ہُوا تاباں
صبح پھولیں شفق میں جیسے رنگ   عارضی تھے چمک میں ویسے رنگ
سینہ اُبھرا ہُوا نگاہِ حیا   ملکے دونوں نے شک کو دُور کیا
اور کھُلا یہ کہ وہ جوانِ حسیں   عورتِ باکرہ ہے ماہ جبیں

بولی یہ۔ "اجنبی ہوں اور کم بخت   عفو کر گو خطا ہے میری سخت
میرے ناپاک پا محل ہیں وہاں   جو خدا کا ہے اور تیرا مکاں
ایسی عورت پہ رحم کر للہ   عشق نے جسکو کر دیا گمراہ

ڈھونڈھنے جو سکون جاتی ہے ۔ پاس ہمراہ اپنے پانی ہے
باپ تھا میرا اک امیر کبیر ۔ اور وہ رہتا تھا اک ندی کے تیر
اُس کی دولت تمام میری تھی ۔ کیونکہ میں ہی تھی اُسکی اک بیٹی
سایۂ عاطفت سے اُسکے مجھے ۔ آئے خواہاں ہزاروں ہی لینے
عشق اصلی تھا یا کہ مصنوعی ۔ دینے پر داد حسن سب میری
تھا بہت وہ گروہ دمبازاں ۔ ساتھ میرے نکاح کا خواہاں
اور ہر اک مجھ سے تھا یہی کہتا ۔ کر میں یہ دونگا اور میں وہ دونگا

تھا انہیں میں سے اک گلاب جواں ۔ عشق دل میں مگر خموش زباں
سیدھا سادہ تمام اُس کا لباس ۔ عزّ و دولت سے کچھ نہ اُسکے پاس
فہم و دانش سے تھا مگر بھرا ۔ اور یہی بس مجھے تو سب کچھ تھا
میرے ہمراہ جب، وہ گھاٹی میں ۔ کبھی گاتا تھا عشقیہ غزلیں
کرتا خوشبو ہوا کو دم اُس کا ۔ اور جن کو سُروں سے بھر دیتا
لیجیے غنچوں کو جو سحر کو کھلیں ۔ لیجیے بوندوں کو ابر سے جو گریں
ایک میں وہ نہیں صفا کہ میں لوں ۔ اور تشبیہ اُس کے دل سے دوں
غنچۂ گل میں اور بوندوں میں ۔ حسن ہے بے وفا سا دونوں میں
پر جو حسن اُنمیں ہے وہ اُسکا تھا ۔ بیوفائی ہوا شعار مرا
جھوٹے دکھلاتی اس کو ناز و ادا ۔ کہ وہ عاشق رہے ہمیشہ بنا
عشق سے اُسکے میرا دکھتا جی ۔ دکھ سے اُسکے مگر مجھے تھی خوشی
میرے اغماض سے مکدّر ہو ۔ میرے غمزوں پہ چھوڑ کر مجھکو
ہوا جنگل میں جاکے گوشہ نشیں ۔ ہوکے پوشیدہ وہ بھی جان دہیں

چونکہ تقصیروار میں ہی تھی | غم ہوا مجھ کو وہ کرسہ نہ سکی
لیک اسکے سوا ہے کیا چارا | جان دیدوں یہی ہے میری سزا
وہی تنہائی میں بھی ڈھونڈھونگی | وہ جہاں تھا وہیں میں بیٹھونگی
اور وہاں نا امید اور مایوس | چھپکے دیدونگی جان پر افسوس
اُس نے میرے لئے کیا تھا یہی | کروں اُسکے لئے یہی میں بھی

بولا سا "دُکھو کبھی خدا نہ کرے" | اور اُس کو لگایا چھاتی سے
ہوئی حیرت اُسے اور آیا عتاب | مُڑکے دیکھے مگر تو تھا وہ گلاب
جو گلے سے اُسکے لگا "نا تھا | اور یہ میٹھے بچن سُناتا تھا
میری پیاری چنبیلی مڑکر دیکھ | تو ہے معشوقہ میری مُڑکر دیکھ
گم شدہ ہوں گلاب میں تیرا | بعد مدت کے تجھ سے آج ملا
اے پیاری مرے گلے سے لگ | فکر و افکار اب رہینگے الگ
کیا جدائی کا فکر ہے اب کچھ | اے مری جان اے مری سب کچھ
نہیں۔ اب ہم جدا نہیں ہونگے | رہینگے ساتھ عشق و الفت سے
آہ اس تیرے باوفا دل کی | دل شکستہ کریگی میرا بھی

موسم بہار

Longfellow's 'Spring Day'.

جب آفتاب کی حدت میں زور آئے ذرا | اور ایسا زور کہ کھیتوں میں فصل اس سے پکے

مجھے پسند ہے گشت اس سہانے جنگل کا
جہاں بہار کے گُلہائے دلبری ہوں کھِلے

مجھے پسند ہے اس فصل کا جہاں میں عمل
چمکتے رنگوں سے خوش رنگ جب ہو بن کا بن

نہ ہوں اندھیری گھٹائیں نہ تہ بہ تہ بادل
کہ پیش رو ہوں وہ طوفاں کے زیرِ چرخِ کہن

زمین پولی ہو پودا جو ہوا ابھی تو خیز
وہ چُوس چُوس کے اس سے غذا نمو پائے

شجر کے دل میں بھی سرسبزی ہو گو کہ درد انگیز
مگر بہار سے جانِ حزیں میں جاں آئے

غروب ہونے لگے مہر تو ہو نور ایسا
کہ چاندی بکھری نظر آئے بن میں پاس اور دور

ہر وادیوں میں ڈھلانوں کا دلفزا سایہ
ہو چوٹیوں پہ خوش آیند روشنی کا ظہور

جب آ کے رات ہو بن میں تو جھیل کے اندر
نگاہ چرخِ مقعّر کو دور تک دیکھے

وہیں ہو چاند کا بھی سینگ غوطہ زن یکسر
وہیں چمکتے ہوں پانی میں خوشنما تارے

نظر یہ آئے کہ پانی میں ہیں پہاڑ اُلٹے
اور اُن کا سایہ پڑا اسمیں تھرتھراتا ہے

درخت دیکھتے ہیں عکس پاس پاس کھڑے
کنارِ آب سے جُھک کر کہ کیا تماشہ ہے

غرض بہار بہت دلفزا ہے اور اس سے
بہت خیال ہیں دل کی طرح سے وابستہ

زوال انہیں نہیں جبتک خزاں نہیں آئے
اور اس پک کے گرے پھل نہ عمرِ انساں کا

نظم بر تصویر مادر

Cowper's 'On the receipt of my Mother's picture'

کبھی تھی ان لبوں میں آہ جاں! لیکن سنا جب سے
وہی لب ہیں وہی میٹھا تبسم ہے نظر آتا
نہیں لیکن صدا ورنہ یہ کیسا صاف ہیں کہتے
فراست اور مہر مادری اس آنکھ کی تیری
اور اسکو رکھ کے قائم جسنے بالکل کردیا جھوٹا
چمکتی ہے بڑی پہلے ہی کی مانند یہ اب بھی

کلام آخری ان کا کٹھن گزرے ہیں دن میرے
ہمیشہ جو کہ بچپن میں دلاسا مجھ کو دیتا تھا
کہ "ڈرمت اور رنجیدہ نہو تو اے مرے بچے"
مبارک ہے مصور کا ہنر جسنے امر کردی
یہ دعوے وقت ظالم کا کہ میں اسکو مٹا دونگا
نظر افگن ہے اب بھی مجھ پہ ویسی جیسے پہلے تھی

مجھے پیاری تھی جو۔ اے یادگار ہو بہو اسکی
تو کہتی ہے کہ میں اک نظم سادہ اور پُر الفت
نہ مرضی سے خوشی سے بلکہ یہ فرماں جو ہے تیرا
اور اُس رُخ پر نظر کرنیسے جبتک ہے الم تازہ
کہ مستغرق میں اپنا اس بہشتی خواب میں ہو کر

مُبارک تیرا آنا! گو ہے ناخواندہ تو یاں آئی
لکھوں اُس پیاری ماں پر موت کو جسکی ہوئی مدت
میں یوں مانونگا اُسکو حکم ہے گویا مری ماں کا
تصور غم غلط کرنے کو باندھیگا طلسم ایسا
ذرا اک دم کے دم کو دیکھ لوں تُو ہی ہے وہ مادر

سُنا تھا مینے جب یہ اُٹھ گئی دنیا سے تو اماں
ترے غمگیں پسر پر روح تھی سایہ فگن تیری؟
لیا شاید کہ بے معلوم ہوگا تُو نے بوسہ بھی
تبسم مادرانہ آہ یہ لب پر جو ہے تیرے

بتا تُو نے بھی دیکھا تھا کہ میں کیونکر ہوا گریاں؟
شروع زندگی سے جسکے ہے ہمراہ کم بختی
گرایا ہوگا آنسو روحِ ناجی گر ہے روسکتی
جواب اس بات کا دیتا ہے یوں مجھ کو کہ "ہاں بچے"

ترے مرنے کے دن گھنٹا بھی بجتا تھا سنا میں نے
جنازے پر ترے جاتے ہوئے دیکھا بھی تھا میں نے

بھرا تھا میں نے پھر کھڑکی سے ہٹ کر سانس اک ٹھنڈا
کہی تھی الوداع آخری اور خوب رویا تھا

وداع آخری ہی تھی سبب کیا تو جہاں سے اب
وہاں یہ رخصتی الفاظ ہیں سننے میں آئے کب

ملوں ہے کاش میں اس امن کے ساحل پہ جا تجھ سے
مرے منہ سے بھی الفاظ رخصت پھر نکلینگے

تری جو خادمہ تھیں ہو کے میرے رنج سے غمگیں
ترے جلدی ہی آنیکا یقیں مجھ کو دلاتی تھیں

مری آتی تھی دلی خواہش یہی جھٹ تھا یقیں آتا
مگر مایوس ہوتا جب تو پھر دیتیں یہی دھوکا

اسی امید میں ایک ایک دن میرا گزرتا تھا
میں دیوانہ ہوں فردا کا جبھی سے بس کہ بچہ تھا

بہت سے رنج کے فردا ہوئے یوں ختم آ آ کر
ذخیرہ رنج طفلی کا پھر آیا ختم ہونے پر

اور آخر میں نے کرنا صبر اپنے بخت پر سیکھا
تجھے رونے لگا کم گو مگر بالکل نہیں بھولا

جہاں رہتے تھے پہلے ہم سنائی نام واں اپنے
نہیں دیتے۔ سری جا کھیلتے اور دن کے ہیں بچے

جہاں سے روز مجھ کو لے کے جاتا تھا مرا نوکر
سڑک پر سے سوئے مدرسہ بگھی میں بٹھلا کر

اور اس چھوٹی سی بگھی میں خوش خوش بیٹھتا تھا بھی
دھرے مخمل کی ٹوپی سر پہ پہنے قرمزی کرتا

خبر بھی اب کسی کو واں نہیں اس بات کی اتنی
کہ اک دن وہ بھی تھا جس دن حویلی یہ ہماری تھی

حویلی تو رہی تھوڑے ہی عرصے پاس ہاں تیری
ہیں میرے حافظے میں جمع باتیں مہربانی کی

نہ بھولیں وہ بھلا دیں گو کہ دنیا کے مشاغل نے
ہزاروں اور تجویزیں اثر جن کے نہ تھے گہرے

وہ مجھ کو رات کو کمرے میں آ کر دیکھنا تیرا
کہ ہوں میں خیریت سے اور بہت آرام سے سوتا

وہ دینی مدرسے جانے سے پہلے صبح کو مجھ کو
کچھ الیسی چیز شیرینی ہو جیسے ہیں۔ یا سلونی ہو

وہ دھونا آب تازہ سے مرے چہرے کو مل مل کر
خود اپنے ہاتھ سے جب تک چمک اٹھے نہ وہ یکسر

یہ سب اور ان سے بڑھ کر بھی پیارا جو کہ مجھ کو تھا
وہ بہنا ایک سا تھا تیرے دریائے محبت کا

نہ اترا جو کبھی نے بدمزاجی اور غصے کے
یہ سب اب تک ہے میرے حافظے کے صفحہ پر لکھا
خوشی ایزاد ہوتی فرض پہ ہے اور میں خوش ہوں
دلی ہیں۔ گو نہوں یہ یادگارِ دائمی تیری
کبھی جسمیں رکاوٹ ڈالنے کو آتشا آئے
اور ایام ضعیفی تک رہیگا برقرار اس جا
کہ تیری شان میں لکھتا ہوں یا اشعار پر مضموں
خدا انوا نسے خوش ہوگا نہوگا گر بشر کوئی

روان ہو وقت گر الٹا۔ اور آجائے وہی گھنٹا
چنبیلی موتیا۔ گیندے پہ کاغذ صاف سا رکھ کر
اور اُسدم تجھ کو مجھ سے بھی زیادہ تھی خوشی ہوتی
یہی ایام خوش گر آسکیں پھر اور مرے ارماں
میں شاید ہو بھی جاؤں دل کا میرے کیا بھروسہ ہے
مگر خواہش ہی یہ بیجا۔ نہیں ملیں جگہ اسکو
عزیز ایسی نہیں وہ جیسی مجھ کو تو پیاری تھی
کہ مہر مادری کا ہے عوض برعکس سا دینا
دوپٹے کے ترے پھولوں سے کھیلا جب میں کرتا تھا
سوئی سے چھید کرکے میں بناتا پھول تھا اُس پر
تو سر پر پھیرتی تھی ہاتھ میرے اور ہنستی تھی
انہیں پھر لا سکیں تو کیا نہو گا انکا میں خواہاں؟
خوشی ایسی ہی ہے وہ یہ تو اسکو بس ترستا ہے
میں روونگا۔ کیونکہ کہتے ہیں یہاں پہ زندگی جس کو
ترے یاں پھر بلانے کی یہ خواہش تو ہے بس ایسی
پھنسانا پھر انہیں بند میں تیری روح ناجی کا

روانہ خوبصورت جیسے کشتی ہوکے ساحل سے
وہاں پہنچے کہ بندر ہو کسی اچھے جزیرے کا
کھڑی ہو جائے بس آنند سے پانی پہ اور سایہ
ہوا خوشبو سی پر۔ گرد اُسکے خوشبوئیں اُڑاتی ہو
یونہی تو بھی تو کشتی جلد اُس ساحل پہ جا پہنچی
اور اک عرصے سے بحرِ بیکران زندگانی پر
سمندر پار کرکے اور طوفاں جھیل کر سارے
مصالح کی جہاں خوشبو موسم ہو بہت اچھا
دکھائی صاف دیتے واں اُسکی شکلِ خوبصورت کا
اور آہستہ سے اُس کے بادبانوں کو ہلاتی ہو
جہاں طوفاں نہیں آتے نہ موجیں شور ہیں کرتی
ترے جاوند پیارے نے بھی ڈالا ہے ہیں لنگر

نہیں مجھ کو دے امید یہ آرام ملنے کی | میں اب ساحل سے دور اور بے سدھ حالت ہوئی میری
پھنسا طوفان میں ہوں آندھی ہے یاں اور واں لئے پھرتی | پھٹے ہیں بادباں کیپس نہیں کشتی بھی ہے ٹوٹی
اور اگر اک آکے وکلا ہے مجھ کو ندر لے جاتا | ہر اک دن دور ایسے راستے سے جو کہ ہے سیدھا
مگر تم دونو تو خوش ہو خوشی مجھ کو یہ کیا کم ہے | گزر جائیگی مجھ پر جو گزرنی ہوگی۔ کیا غم ہے
نہیں ہے فخر مجھ کو یہ۔ کہ میں شاہوں کا ہوں بیٹا | تسلط میرے طفل و رباب کا رہنے میں پر تھا
مجھے تو فخر کے دعوے کہیں اس سے بھی بڑھ کر ہیں | میں اُن ماں باپ کا بیٹا ہوں جو آسماں پر ہیں

بس اب اماں خدا حافظ بہت مدت آج تک گزرا | نہ وہ آئیگا پھر۔ پر مدعا میرا ہوا پورا
تصور نے مدد دیکر سماں پھر ہے وہی باندھا | مجھے معلوم ہوتا ہے میں پھر ہوں وہی بچہ
خوشی موجود آکر ہو گئی پھر اس زمانے کی | منغص سا تھا ہی تیری خوشی ہونے نہیں پائی
کھلے جبتک تصور کے مرے دونوں رہے بازو | اور اس تصویر میں جبتک نظر آتی ہے بیٹھی تو
میں سمجھونگا یہی آیا تھا دزد وقت میرے گھر | نہ چوری میں گیا لیکن یہاں وہ کامیاب آکر
تجھے گو لے گیا۔ چوری ہی اسکی مگر آدھی | نہ لی طاقت تری اُسنے دلاسا مجھ کو دینے کی

وادئے خموشی

Ryan's 'Valley of Silence'

چلا اُتر کے ہوں میں وادئے خموشی میں | نہ روشنی ہے نہ کوئی صدا ہے تنہا ہوں
صدائے پا بھی نہیں گوش تیز ہوشی میں | یہاں خدا کی ہے ذات اور میں اکیلا ہوں
سکونِ پاک ہے یوں دل کی پُرخروشی میں | کہ بس ملک تھے خراماں جہاں میں پھرتا ہوں

وہ دن بھی تھا کہ مجھے اس صلا کی چاہت تھی
نہ جسکے نغمے سے تھے گوش آشنا میرے
وہ دن بھی تھا کہ مجھے شور و شر سے نفرت تھی
جہاں میں جس سے کہ تھے جانِ دل خفا میرے
وہ دن بھی تھا دہیں پہ نیکی مجھ کو عادت تھی
جہاں گناہ اور انسان ساتھ تھا میرے

پھرا میں کرتا تھا دنیا میں اہل دنیا سا
مگر جو خواہشِ دل تھی ملی نہ دنیا سے
کہا یہ میں نے کہ معراج عالیٔ دنیا
مثالِ اخترِ رخشندہ گو نظر آئے
وہی ہے قیر مگر اس کی۔ آ کے ٹکرایا
جہاز اُس کا جہاں ساحل حقیقت سے

مجھے کمال کی تھی چاہ یا حقیقت کی
اَسَت کے ساتھ مگر سَت سدا ملا دیکھا
مجھے تلاش تھی کثرت میں آہ وحدت کی
اور اُسکو آنکھ نے میری سواد سا دیکھا
نہ انتہا رہی اس وقت اشک حسرت کی
فنا کے ابر میں اسکو بھی جب چھپا دیکھا

تھکی نہ سعی تکاں گو بہت تھی امکاں سے
میں رہتا آدمیوں میں تھا پر بہت مضطر
ہوئی ہے دیر کہ معبد تھا ایک واں سجدے
کئے۔ تو ہاتف غیبی ہوا مرا رہبر
مزے ہیں جب سے لئے وادیٔ خموشی کے
جو آدمی کے ہیں وہم و گمان سے باہر

جو پوچھتے ہو کہ وادی میں کیا ملا مجھ کو
سنو خدا سے ہے ملنے کی جا یہی وادی
یہاں قدم لئے اُس ذات کے کہ پاک ہے جو
"تو میرا ہو" مرے کانوں میں یہ ندا آئی
"ترا ہے دل مرا تیرا ہی وہ ہمیشہ ہو"
صدائے غیب کی یوں گونج میرے دل سے اٹھی

جو پوچھو رہتا ہوں وادی میں میں یہاں کیونکر
تو مشغلے ہیں مرے خواب گریہ اور دعا

سرشک قطرۂ شبنم ہیں میرے ایسے مگر　　کہ ہوں بہار میں وہ روئے گل پہ جلوہ نما
ہوَن سے جیسے سگندھی اُٹھے چڑھے اوپر　　جناب حق میں شب و روز ہے بلند دعا

اسی خموشی کی وادی میں دیکھتا ہوں میں خواب　　وہ ہیں یہی مرے میٹھے سُرے راگ یا اشعار
سُران کے وادی میں سُنئے رواں ہوں جیسے آب　　پر انکو لگتے ہیں الفاظ کے بہت طرّار
کبوتر آیا تھا جس طرح نزد نوح شتاب　　پیام امن یہ لاتے ہیں بہر جان فگار

اگرچہ بحر میں امواج ہیں نہایت دور　　کبھی وہ آ نہیں سکتی ہیں جانب ساحل
اسی طرح سے یہاں راگ کچھ سُنتے ہیں ضرور　　نہ جن پہ پردۂ الفاظ ہو کبھی حائل
کچھ ایسے خواب بھی دیکھے کہ دل ہوا مسرور　　مگر بیان کی کوشش ہے سعی لا حاصل

صور خیال کی وادی میں مجھ کو آئیں نظر　　اور انکو دیکھ کے پھڑکا کیا دل شیدا
نقاب پاک تھی اِن صورتوں کے چہروں پر　　سُنی نہ کان نے ایسی تھی اِن کی پاکی صدا
یہ اسطرح کی تھیں تشبیہ ہائے پاک گہر　　کہ چھو بھی جائیں جو الفاظ رنگ ہو میلا

جو مجھ سے پوچھو کہ وادی ہے کِن مقام میں　　تم اے جہانکے لوگو کہ فکر سے ہو حزیں
سنو وہ دور ہے واقع ہے وہ پہاڑ نہیں　　خدا اور اُسکے فرشتے تمہیں ملینگے وہیں
اِدھر ہے عشق کا کالا پہاڑ کوسوں میں　　اُدھر پہاڑ دعا کا ہے سبز و نور آگیں

دنیا میں ہر اک سمت ہے جوش اور خروش　　اس جوش و خروش میں اگر اے ذی ہوش
چاہے آسودگی تو میری یہ مان　　کر کان کو بند اور رہو جا خاموش

بدر النسا اور مہتاب

Mallott's Edwin and En.ma.'

سہانا پاس جنگل کا ہے سایہ — وہاں گھاٹی نے ہے اک موڑ کھایا
جگہ صحت کی اور تسکین کی ہے — غریبانہ کھڑی اک جھونپڑی ہے
حسین بدر النسا جوں ماہِ تاباں — پلی تھی ماں کی آنکھوں کے تلے یہاں
اور اب خواہش یہی تھی اُسکی ماں کی — بچا لے جیتے جی لڑکی کی شادی
رُخ نیچر سو جوں ہلکا سا گلنار — ملا تھا بدر کو وہ رنگ رخسار
وہ رنگت مسکرائے جو شفق میں — سحر گرمی کے موسم میں افق میں
غریبوں میں بھی ہے حسن اُسکو سمجھیں — امیر اُنکو حقارت سے نہ دیکھیں
جو سورج اُن کا چمکاتا ہے ہیرا — وہی رنگ اِنکے پھولوں کو ہے دیتا

جواں تھے بدر کے سب عاشق زار — ہر اک عورت کی تھی محسود دلدار
تعجب سبکو اُسکے حسن سے تھا — مگر بدر النسا کو حسن اپنا
کھُلا جب ہی کہ آیا وہاں یہ مہتاب — دل اُس کا صاف جوں موتی کی ہو آب
سرِ عاشق مرا جانِ جہاں تھا — تصنّع سے تھا خالی دل جواں کا
ٹپکتا رس تھا الفت کا نظر سے — عیاں تھے آنکھ سے سب راز دل کے
ہوئے فوراً ہی دونوں عاشق زار — کیا فوراً ہی اپنا عشق اظہار
سبب کیا۔ پاک تھا دل۔ کوئی جذبا — چھپانے جو کہ نیکی سے۔ نہیں تھا
محبت کی بہم باتیں جو کرتے — نہ پوچھو خوش گزرتے کیسے گھنٹے

مگر ایسی خوشی قائم ہی کب | خصوصاً حرفِ زر ہو درمیاں جب

بس عاشق کی نظر تھی پتلی حسد کی | وہ کام اُسکے بگڑنے ہی میں خوش تھی
نہیں نقصان پہنچانے کو اُسنے | اُٹھائے شیطنت سے لاکھ حیلے
پدر تھا بندۂ زر نوجواں کا | نہ تھا پاس اُسکے رحم اور عشق پھٹکا
دل اُسکا سخت جیسے تھے وہ پتھر | جہاں واقع تھی اُس کی معدنِ زر
بہت دن اُسنے ان کا عشق دیکھا | بہت دن رحم پر اُسکو نہ آیا
کہا آخر کو یہ تیوری چڑھا کر | کہ وہ مفلس ہیں اور ہم صاحبِ زر
ہمارے اُس گھرانے میں نہ شادی | ہوئی ہے اور نہ آئندہ ہی ہو گی

یہ سنکر نرم تھا گو دل جواں کا | یہ طوفان مختلف جذبوں کا اُٹھا
نہ مانا دل نے سرکش باپ سے ہو | نہ مانا یہ بھی چھوڑے عاشقی کو
مگر دلبر سے تھا اب بند ملنا | وہ اکثر جھاڑیوں کی اوٹ میں جا
اُسے بھی دیکھنا اور وہ جگہ بھی | جہاں با چشمِ نم تھی بدر پھرتی
اور اکثر جا کے ویرانوں میں تنہا | شبِ مہتاب میں سائے میں پھرتا
وہاں راتوں کو سردی میں غمِ دل | نکلتا جا کے آہوں میں بمشکل
ہوئے مانندِ مردہ زرد رخسار | جو عشق و حسن سے پہلے تھے گلنار
لگے بادِ شمالی کا طمانچہ | تو یونہی پھول بھی مرجھائے جاتا

پدر کو اُس کے پچھتاوا اب آیا | جواں کا بسترِ مرگ آ کے گھیرا
مگر اب تھیں دعائیں حق سے بے سود | نکلتا اب نہ تھا رونے سے مقصود

وہ بولا۔ مرچکا میں تو۔ مگر دل | تمہارا رحم کی جانب ہو مائل
تو ان بے نور آنکھوں کو دکھا دو | وہ صورت پدر کی وہ روئے نیکو

وہ آئی۔ دو اشکوں سے بھگویا | جواں کا ہاتھ میں لے ہاتھ ٹھنڈا
سحر یوں ہی کیا کرتی ہے شبنم | رخ زرد گل صد برگ کو نم
مگر بے رحم اور حاسد بہن نے | دیا بدرالنسا کو وہ نہ کہنے
جو وہ کہنے کو اب آئی تھی یعنی | کہ اے مہتاب تو میرے لئے جی

پھری آخر کو وہ مایوس ہو آہ | اور آئی گھر کو قبرستاں سے تھی راہ
ہوا تھی سرد اُلّو بولتا تھا | جواں کا یا کہ نوحہ گار ہا تھا
اندھیرے میں خیالاتِ پریشاں | لگے اُسکو دکھانے کچھ کا کچھ واں
جواں کی آہ ہر آواز میں تھی | ہر اک جھاڑی میں پرچھائیں تھی اُسکی
گزرتی تھی سہمتی اور تنہا | وہ گھاٹی سے۔ جہاں کا حال یہ تھا
کہ رونے کی سنی آوازیں یکایک | ہوا میں آئیں گوش نازنیں تک
اُسی دم کانپتے قدموں سے وہ بھی | مکاں کے اپنے دروازے پہ پہنچی
کہا رو کر موا مہتاب افسوس | ہوا وہ روئے نیکو خواب افسوس
دل غمگیں نہیں قابو میں اُف اُف | پھٹا جاتا ہے اس پہلو میں اُف اُف
یہ کہکر گود میں ماں کی وہ کانپی | اور ایسی آہ کی بس جان دیدی

دنیا میں خودی نے وہ بچھایا ہے دام | راحت ہے کسی کو نہ کسی کو آرام
کر امن سے زندگی بسر کرنی ہے | اوروں کا بھی کچھ خیال رکھ اپنے دکام

خواب دُنیا

Wordsworth's 'All the World's a fleeting show'.

ہے جہانِ گزراں خواب کا بالکل نقشہ
شادمانی کا تبسم ہے کہ آنسو غم کا
دیدۂ حضرتِ انساں کے لئے دھوکا سا
یہ بھی جھوٹا ہے جو میری سنو وہ بھی جھوٹا

یاں ہے جو چیز وہ سچی نہیں جز نامِ خدا

نام و شہرت کے یہ چمکارے بھی بالکل جھوٹے
عشق و اُمید ہے کیا حسن سمجھتے ہو کسے
مثل نیرنگ شفق ہم نے بدلتے دیکھے
یہ وہ ہیں پھول چُننے جائیں جو قبروں کے لئے

یاں ہے جو نور وہ قائم نہیں جز نورِ خدا

بحر طوفانئے دنیا میں ہیں ہم سرگشتہ
روشنی عقل کی ہے وہم کا یا چمکارا
موجِ غم میں ہے جہاز اپنا تھپیڑیں کھاتا
اُن سے طوفان کے سوا ہمنے نہ کچھ بھی دیکھا

یاں ہے جو شے وہ مسکن نہیں جز ذاتِ خدا

خطاب از بحر

Byrons' 'Address to the Ocean'.

بھلا لگتا ہے وہ جنگل جہاں رستہ نہیں ملتا
بھلا ہے اور وہ ساحل کہ تنہائی ہو بس واں پر
یہاں سوسائٹی ہے - اور مُخل کوئی نہیں ہوتا

کنارِ بحر پہ ہیں غُل میں جس کے نغمہائے تر
مجھے انساں بھی پیارا ہے مگر پیاری بہت نیچر
انہیں جلسوں نہیں آنے سے - جہاں میں پھیل جاتا ہوں
بس اپنے کو - کہ پہلے کیا تھا اور اب کیا ہوں سب بکھیر
یہاں نیچر میں ہو کر محو میں دل میں وہ پاتا ہوں
نہ جس کا ہو بیان - نہ چھپ سکے جو - گر چھپاتا ہوں

بہے جا نیلگوں گہرے سمندر ہاں بہے جا تو
ترے اوپر رواں ہوں لاکھ بیڑے تو تجھے کیا ہے
زمیں پر شور و شر کرتا ہے انساں اُس کا یہ قابو
کنارے تک ہی رہتا ہے - ترا آبی جو صحرا ہے
جہازوں کو یہاں برباد کرنا کام تیرا ہے
نشاں تک یاں نہیں تاراج انساں کا یہ خود اُس کا
نشاں ملتا ہے کچھ جب دم کے دم میں غرق ہوتا ہے
مثالِ قطرۂ باراں تری تہ میں حباب آسا
نہ ہے گور و کفن ملتا نہ ہوتی ہے خبر کب تھا

نہیں اُس کا گزر راہوں پہ تیری - کھیت یہ تیرا
نہیں تاراج کو اُسکی - تو جب زوروں پہ آتا ہے
ہلا کر پھینکتا ہے اُسکو - اور ناچیز زور اُس کا
زمیں کی جو ہے بربادی - تو کب خاطر میں لاتا ہے

اچھل کر تیری چھاتی سے فلک کو بس وہ جاتا ہے
ترا اک کھیل ہے موجوں سے اُسکو چینچتا لائے
بس اُس کے دیوتا کے پاس جس سے وہ مناتا ہے
کہ بندرگاہ کوئی یا خلیج اب پاس ہی آئے
پھر اُس کو قعر میں تو لا پٹخنا ہے کہ مر جائے

وہ بیڑے جو جبل آباد شہروں کی فصیلوں پر
گرا کر بجلیاں قوموں کا دل کر دیں تہ و بالا
اور اُن سے کانپ اُٹھیں محلوں میں بیٹھے شاہ ہو مضطر
وہ چوبی اژدہا اور دیو جیسے اُن کے سب اعضا
بنا کر جن کو۔ دعوے خاک کا پُتلا کرے۔ جھوٹا
کہ مالک بحر کا۔ حاکم لڑائی کا ہوں بس میں تو
کھلونے ہیں ترے وہ یوں پگھل جاتے ہیں جوں ژالہ
تری موجیں آ کر ٹکرا کرتی ہیں یکساں جو
ترفیلگر کی لوٹ اور آرمیڈا کے تکبر کو

نہ بدلا تو ترے ساحل پہ کیا کیا راج ہیں بدلے
اِسریا۔ کارتھج اور روم اور یونان کیا ہیں اب
ترے پانی سے عظمت تھی انھیں آزاد جب وہ تھے
اور اُنکے بعد شاہوں کو ہوئی۔ تابع ہیں اب وہ سب
غلام اور اجنبی اور وحشیوں کے پر ہٹا تو جب

ممالک ہو گئے صحرا۔ تری صورت نہیں بدلی
سوا اس کے کہ طوفاں خیز ہو جائے تو بدلا کب
تری نیلی جبیں پر عمر سے جھری نہیں پڑتی
تو جو عالم کی پیدائش کے دن تھا ہے وہی اب بھی

تو روشن آئینہ ہے قادرِ مطلق کی صورت کو
دکھاتا اپنے طوفاں میں ہے اور ہر وقت و ہر ساعت
سکوں ہو یا کہ طوفاں ہو۔ ہوا ہو یا کہ آندھی ہو
کرے بخ قطب کو۔ طبقے ہیں یا جو حار و پر حدت
ہے واں۔ تو ہے بے حد بے نہایت اور پر ہیبت
شبیہ بے حدی ہے۔ تخت ان دیکھے خدا کا ہے
تری مٹی سے اس مخلوقِ بحری کی ہوئی خلقت
ترا کہنا ہے کیا ہر منطقے کا تو ہی راجا ہے
چلا جاتا بہا گہرا ڈراتا اور اکیلا ہے

مجھے اے بحر الفت تجھ سے ہے اور کھیل بچپن کے
مرے یہ سب پیارے تھے کہ میں بس تیری چھاتی پر
پھروں آگے کو بہتا جوں حباب اور وقت طفلی سے
ترے موجوں سے میں کھیلا کیا کرتا تھا وہ اکثر
خوشی کا میرے باعث تھیں پہ جب چڑھتا تھا تو آکر
اور اُن سے خوف لگتا تھا تو بھی تھا وہ خوف شوق افزا

سبب کیا ہیں تو گویا تھا ترا طفلِ نعم پرور
قریب و دور موجوں پر بھروسا تھا - میں رکھتا تھا
ترے جھاگوں پہ اپنا ہاتھ یوں جیسے ہوں اب رکھتا

مفرور رُوسی

Wordsworth's 'Russian Fugitive'.

حصّہ اول

لبوں کو بہت غنچۂ گل کہا — بہت رُخ کو گل سے مُشابہ کیا
بہت نرگسِ ترسی آنکھیں حُسیں ہیں — رگیں نیلگوں مثلِ سوسن کہیں
نہیں لیک دنیا میں اب بھی کمی — حسینوں کی - عار آئے جن کو ابھی
گلوں کے اگر عارضی حُسن سے — کوئی حُسن کو اُن کے تشبیہ دے
نہ گل بلکہ تاروں سے گر وہ بھی ہیں — کھلیں دو گھڑی کو - کہ موسم پہ ہوں

یہی موسکو میں تھا حسن ایک کا — مگر اُس کا حافظ نہ وہ ہو سکا
کہ ہونے نہ پائے اُسے وہ زوال — جو فاسق کا تھا پیشتر سے خیال
اور آخر کو دروازۂ شہر سے — کھُلے جو کہ - چاندی کی کنجی سے تھے
نکلکر وہ چوری چھپے سے چلی — اندھیرے میں جب شب تھی آدھی ڈھلی

وہ چپکے سے نکلی۔ چلی تیز تیز | کرے شیر سے جیسے آہو گریز
تھمی بھی اُسی وقت جب جلوہ گر | افق میں ہوئی نامبارک سحر

یونہی سات شب وہ برابر چلی | یونہی سات دن جھاڑیوں میں چھپی
جو جھولی میں تھا۔ اُسکو کھاتی تھی وہ | پھل اور بیر پا ڈھونڈھ لاتی تھی وہ
اور آخر اندھیرے میں طے کر سفر | وہاں پہنچی جو تھا امیدوں کا گھر
وہ گھر اُس کی دایہ کا تھا جھونپڑا | اور اب اُس کا نیچا سا در بند تھا
کہا دور سے چل کے آئی ہوں ماں | کہ تیری محبت کا لوں امتحاں
مجھے زار رشیا سے تھا سخت ڈر | اسی واسطے چھوڑا والد کا گھر

نہ دایہ نے کچھ بات اُس سے کہی | نہ مڑ کر دوبارہ نظر اُس پہ کی
جھکی اور گلے سے لگایا اُسے | وہ خود بھی لگی خوب اُسکے گلے
بٹھا پاس الفت سے اپنے لیا | جہاں آگ روشن تھی اور گرم جا
دُھلایا تھکے پاؤں کو با ادب | دیا بے کہے اُسکو آرام سب
وہیں ایک کُتّا بھی تھا اونگھتا | اور آواز جھینگر کی تھی خوش ادا
اور ایام طفلی میں پہلے جہاں | وہ سوتی تھی۔ بچھر سر رکھا اُسنے واں

چھپر کھٹ زمیں تھا کئی روز سے | ببولوں کے ملتے تھے پڑے تلے
کیا اُس نے اب آہ کر شکر رب | جو بیکس کو دیتا ہے آرام سب
وہ کھاپی کے لیٹی وہاں دردمند | کیا نیند نے آکے آنکھوں کو بند
تھکے دست و پا کا کیا درد دور | کیا دور دل سے غموں کا وفور

اُٹھی تازہ دم ہوکے وقتِ سحر　　اور اپنا خطرناک لمبا سفر
وہ کرنیکو تیار جھٹ ہوگئی　　پہن کر غریبانہ کپڑے وُہی

سُن اے دایۂ مہرباں ! پھر کہا　　ترا شکریہ اور شکرِ خدا
کیا ہے ادا میں نے با چشم تر　　سُن اب تو ذرا میرے خوف اور ڈر
کہا سنکے پھر یاد ہونگے تجھے　　خوشامد کے وہ نام اور پیار کے
جو تو مجھ کو دیتی تھی جب کھیلتی　　میں گھٹنے سے پھرتی تھی تیرے لگی
میں تھی لال تیری ۔ ستارہ تری　　میں تھی تیرا پھول اور چڑیا تری
ہنسی کی تھی باتیں اور اُن کو ہنسی　　ان ایام خوش میں سمجھتی میں تھی
تو کرتی تھی سُن پیار سے تھی ۔ مگر　　وہی پودا لایا ہے کڑوے ثمر
نظر زار رشیا کی مجھ پر ہوئی　　مگر بات اُسکی نہ میں نے سُنی
اور اب ڈر سے اُسکے میں روپوش ہوں　　یہی دھیان ہے بس کہ آگے چلوں
تو اے شوہر دایہ کر رہبری　　نہیں ٹھیرنے کی جگہ یہ مری
نہ آئے بلا تجھ پہ میرے سبب　　وفا تیری گو آزمودہ ہے سب

وہ بولا کہ ایسا نہ کیجو خیال　　تو اے میری سرکار اے میری لال
ترے واسطے جاں ہے حاضر مری　　وہ کہنے لگی یہ نہ ہوگا کبھی
چھپا نیکو ہے رنگ میں نے ملا　　اور اس گورے چہرے کو کالا کیا
مگر داغِ عصیاں سے ہوں پاک میں　　چلی جاؤں گی یاں سے بیباک میں

وہ بولا کہ آخر کہاں جائیگی　　میں اک بات گو ہوں غریب آدمی

ترے ہی لئے شاید اللہ نے
دیا ہے خیال ایک اسدم مجھے

بھروسا خدا پر رکھ آرام کر
ترے ساتھ چلتا ہوں میں جلد تر

جگہ اک ہے محفوظ رہنے کو واں
گذر آدمی کا نہیں ہے وہاں

حصۂ دوم

سنو اب کہ رہتی تھی دایہ جہاں
وہ اک گاؤں تھا اور اُس کے مکاں

یہاں کچھ تھے کچھ واں۔ غرض فاصلے
محلّوں میں تھے اُسکے واقع ہوئے

وگرنہ تھا ہمسائیگی سے خطر
ہوا سے بھی تھا اس حسینہ کو ڈر

اس گاؤں کے گرد اک بن تھا واں
نہ تھی راہ تھیں یہ گھنی جھاڑیاں

سیہ اسطرح سے پیڑوں کی چھاؤں
کہ گھسنے نہ پائے ہوا تک بھی پاؤں

بڑی جان لیوا تھی دلدل یہاں
نظر سے ہر اک آدمی کے نہاں

یہاں دوپہر کو بھی بس دھوپ کا
یہ نقشہ تھا جیسے ہو روشن دیا

اسی چور دلدل کے تھا درمیاں
جزیرہ سا اک۔ اور زمیں سخت واں

درختوں کی شاخوں سے آراستہ
ہری گھاس اُسمیں بہت دلفزا

وہ گرد اور جنگلات آپ تھا
اسی واسطے خوب تھا جانتا

کہ تیر کمان دار یاں پر کبھی
نہ چھوٹا۔ نہ گولی ہی بندوق کی

مخل کا نہ تھا دخل۔ تنہا تھی جا
ہوا یکانت میں جیسے مندر بنا

بنائی وہاں اُس نے اک کوٹھری
ہنر سے۔ کہ دیکھے نہ اُس کو کوئی

دلی شوق سے۔ اور نہ کچھ ڈر کے ساتھ — کہ شاہ ہونکی طاقت کا لمبا ہے ہاتھ
وہ شیر دلاور ہُوا سخت کوش — محبت کا دل میں بھرا تھا یہ جوش
دل شاد سے کام کرتا رہا — پرندہ ہو محنت میں جیسے لگا
اور اک کھوکھلی سی جگہ ڈھونڈ کر — بنائے وہاں اپنے رہنے کا گھر
نظر سے نہاں اور ندی کے کنار — صدا ہو جہاں آب کی خوشگوار

مکاں حسب خواہش بنا جب چکا — تو اُٹھ دن نکلنے سے پہلے ذرا
نکل چپکے چپکے وہ دونوں چلے — اکیلے بنوں سے گزرتے ہوئے
نہ بولے نہ آہستہ رکھا قدم — چلے ہی گئے بھاگتے ایک دم
یہانتک کہ ہو نرم دلدل کے پار — ہوا اُس جزیرے میں اُن کا گزار

نمودار چیڑوں کے اوپر وہاں — رُخ روشن مہر تھا شادماں
مکاں ڈھونڈھنی وہ بہت ہی رہی — وہ چھپنے کی جا جو یہاں تھی بنی
ملی پر نہ اُس کو وہ ہنستا رہا — نہ دروازہ تھا واں کوئی دیکھتا
نہ چھت تھی نہ کھڑکی تھی پر ایک شے — بس ایسی تھی۔ گویا کہ جنگل ہی ہے

کیا یہ ہنرور پہ ختم اُس نے تھا — کہ گھنٹوں رہے آدمی دیکھتا
کھُلے پر نہ یہ۔ کُنج ہے یا کہ گھر — ہوئے اُسمیں داخل وہ اب آنکر
تھیں جسطرح باہر سے اُلجھی ہوئیں — وہ شاخیں کہ دیوار اور سقف تھیں
اسی طرح تھا صاف اندر مکاں — ہوا کا نہ تھا دخل ہرگز وہاں
مصفا تھیں دیواریں اور اُن پہ تھا — نہایت نفاست سے کپڑا منڈھا

انگیٹھی تھی واں اور رکابی دھری　　قطار ایک تھی برتنوں کی لگی
بچھا تھا پلنگ اور تھی ہر ایک شے　　جو آرام کی یا کہ کھانے کی ہے
غرض اسطرح حق نے ساماں کیا　　کہ تنہا رہے اس جگہ پارسا
اور اُسکو ضرورت جو کوئی پڑے　　وہ پوری ہولیں لطف اور مکر سے

ہوا آکے وہ فخرِ ناز اُس کو یاں　　نہ جس کا رانی کو وہم و گماں
جلوس برات اُسکے ہو ساتھ جب　　چلے بولتی جے رعایا بھی سب
اور آ-اپنے محلو میں داخل وہ ہو　　نہ پھولا سمائے دل کا مجو
ہوئی آکے یاں اسکو جیسی خوشی　　نہو پاک جوگن کو ایسی خوشی
وہ دنیا سے جب اپنا دامن چھڑا　　کٹی میں کرے آکے شکرِ خدا

خوشی اور تبسم جب اُس کا گھٹا　　تو واں اُس نے جنگل میں سجدہ کیا
مصیبت کی یہ کوششیں تھیں بڑی　　کہ دل میں جو تھی وہ چھپائے خوشی
نہ دل سے مانگی دعا بھی۔۔بھی　　اکیلی وہاں جبکہ وہ رہ گئی
ترے فضل و رحمت سے اے جگت پتا!　　میں آئی ہوں-تو ہو بھروسا مرا

ہوئی اُس کی مقبول شاید دعا　　مصمم ارادوں کا یہ نور سا
ہویدا رُخ و جسم سے اب ہوا　　کہ حق الیقیں کا ہے بس خاصہ
جو رکھتا ہے محکوم جذبے تمام　　دبانا ہے جن کا تعقل کا کام
دکھاتا ہے جو صورتِ روح کو　　اگر جسم بے خوف و بے باک ہو

حصۂ سوم

پرانے سخن سنج کا ہے کلام — کہ سورج کے تھے بال زریں تمام
اور اُن پر وہ تھا شوق سے باندھتا — درختوں سے پتے جو ہوں خوشنما
مگر جب کہ ڈفنی بہت دق ہوئی — دکھا عشق شاہانہ سے اُس کا جی
تو حق سے دعا قالب ہیئت کی کر — بنی باغ میں جڑ پکڑ کر شجر
اور اُس وقت پچھتا کے سورج نے بھی — جبیں کی کری اپنی آراستگی
فقط برگ لارل سے اُس وقت سے — دراز اور چمکتے جو بال اُسکے تھے
نہ اُسکے سوا اُس نے اُن میں رکھی — کسی اور پودے کی پتی کبھی
اُسی کے پہنتے جبیں پر تھے ہار — ہر اک عہد کے شاعر نامدار
پہنتے تھے تاج اُسکے جودھا سبھی — ہو منصور کرتے تھے جب شکر رب

زبانِ قصص کے اندھیرے میں بھی — کبھی سے یہ تعریف اُس حسن کی
چلی آتی ہے۔ جو کہ نفرت کرے — نہ ممنوع راہوں پہ ہرگز چلے
نہ شہوت کے پھندے میں پھنس جائے جو — نہ فاسق کی طاقت سے ڈر جس کو ہو
بہم یکدگر جبکہ الفت نہو — پھر جب دلوں میں محبت نہ ہو
جو بچنے کو بس جان پر کھیل جائے — مگر نام پر حرف آنے نہ پائے

یہ حالت نہ اُس پارسا کی ہوئی — اکیلے جزیرے میں رہتی جو تھی
خدا نے کرم اُس پہ اپنا رکھا — لکھے کوئی۔ یہ حال ہے دلفزا

کہ تنہائی میں بہرِ دلبستگی ۔ وہ کیا مشغلے تھے کہ رکھتی وہ تھی
زمیں نے اُسے پھول کیا کیا دئے ۔ پرند اُسنے خود پال کیا کیا لئے
اور اُن کے علاوہ محبت بڑی ۔ اُسے ایک خاموش صورت سے تھی
یہ تصویرِ مریم کی تھی ہو بہو ۔ لٹکتی تھی دیوار پر رو برو
ٹپکتی تھی الفت رُخِ پاک سے ۔ نہوتے تھے معلوم دن کچھ بڑے
زبس دھیان میں تھا یہ روئے نکو ۔ نہ پاس آتا خوف و خطرات کو

وہ دونوں بی بی بھی آتے تھے جب ۔ تو یوں تھے دھڑکتے دل پر تعب
کہ معمولی یاری کو شرم اُس سے تھی ۔ وہ تھی اس اکیلی کٹی میں خوشی
اکیلی وہ جوگن تھی تنہا بن میں بس ۔ وہ لاتے تھے سامان جب اسکے پاس
تو اُس کو یہی ہر ملاقات سے ۔ ہوا کرتا معلوم ہر بات سے
کہ ہے مجتمع سال گویا ہوا ۔ بہار آکے اس طرح ہے دلفزا

مگر جب خیال آتا ماں باپ کا ۔ تو ہوتا وہ غم جو نہ جائے سہا
نہ مخلوط ہر شے سے تھا گو یہ غم ۔ مگر پاس تھا اُس کے ہر ایک دم
ہوئی تھی نہ آنے سے پہلے اُسے ۔ یہ جرأت کہ حالِ دل اُن سے کہے
وہ خود شیر دل تھی و لے ڈر یہ تھا ۔ کہ الفت نہ کمزور اُنہیں دے بنا
نہ جو کچھ ہوا اُس سے آگاہ تھے ۔ نہ آگے کا وہ حال کچھ جانتے
مگر بخت یاور ہو اور پہنچے واں ۔ جہاز اُسکا۔ آئیں طوفان جہاں
کرے یعنی موت آکے بند آنکھ کو ۔ اور آزاد جاں اُس کی بندوں سے ہو
نجات اُس کو قربانگہ سے ملے ۔ سنی کا ساست اُس کا قائم رہے

جب اوپر سے تاریک جنگل کے واں
دکن کی طرف ہنس ہوتے رواں
انہیں کی طرح سے بلند اور تیز
خیال اُس کا ہمراہ کرتا گریز
ہوا پر تھا جاتا وطن کی طرف
جہاں باپ کا گھر تھا اُس ہی طرف
یہی ہوتا معلوم برسات ہے
خوشی خرمی کی ہر اک بات ہے
ملاریں اُڑاتی ہیں سکھیاں سبھی
نہیں برسری سی کسی کو خوشی

وہ کھیت اسکو آتے تھے ہاں یاد اب
سنا ذکر تھا باپ سے جن کا سب
وہ اُس کا بیاں لطف اور پیار کا
وہ الفاظ میٹھے وہ پیاری صدا
سبھی آن کر گونجتے تھے وہاں
اکیلی کُٹی میں وہ تھی اب جہاں
نظر آتی پشتینی املاک تھی
ندی کی صدا کان میں تھی بھری
ندی وہ پُرانی محل وہ بڑے
کہ خواب و خیال اب تھے سب ہو گئے

حصۂ چہارم

قمر نے کہ جس کا بدلنا ہے کام
کئے بارہ دورے تھے اپنے تمام
کہ ناگاہ اُس ہُو کے میدان میں
صدا شور کی آئی کچھ کان میں
کوئی شخص آیا تھا بہرِ شکار
وہاں اُسنے نعرے کئے تین بار
وہ آتا تھا گھوڑا اُڑاتا ہُوا
ہرن آگے زخمی تھا اک دوڑتا
تلاشیں لگاتا کھلے بن میں واں
تھیں اُلجھی ہوئیں پاکہ شاخیں جہاں

چلا آیا دلدل میں تھک کر غریب — یہاں سے جزیرے کے پہنچا قریب
شکاری کے کتّے تھے پیچھے لگے — چلے آتے تھے زور سے بھونکتے
یہ نظّارہ وہ پارسا کر نظر — ہوئی خوف سے زرد اور دوڑ کر
کٹی میں ہوئی اپنی جا کر نہاں — کہ دیکھے نہ اسکو کوئی شخص واں
وہ زخمی ہرن ہانپتا دوڑتا — اُلجھ کر وہیں جھاڑیوں میں گرا

ہُوا تھا نظر سے نہ اوجھل شکار — شکاری بھی جھٹ پہنچا دلدل کے پار
اور آ کر بجایا بگل اُس نے واں — کہ مرنے کا تھا وہ ہرن کے نشاں
اب اپنے دل پاک پر رکھ یقیں — کٹی سے نکل آئی وہ مہ جبیں

لگی کہنے میں بھی ہوں زخمی ہرن — پڑا ہے بُرا پیچھے چرخ کہن
عیاں وضع سے ہے تمہاری یہی — کہ تم مرد ہو۔ تیغ کے ہو دھنی
مصیبت زدہ ہوں میں عورت کی ذات — سنوگے نہ کم قدر سے میری بات
وہ ہے میری رہنے کی جا اور وہاں — میں شاید کہ رہتی نظر سے نہاں
نہ معلوم ہوتی حقیقت مری — نہ تم دیکھتے میری صورت کبھی
یہی کہتی ہیں یا کہ با چشم تر — بہت عجز سے اور بہت کانپ کر
کہ جو حال ہے آج تم پر کھلا — چھپانا اسے اور نہ دینا ہوا
ولیکن خدا کو جو جھکتا ہے سر — اُسے کیا جھکاؤں یہاں خاک پر
یہی التجا ہے۔ توجہ کرو — ذرا حال پر میرے انصاف ہو
ملی جب سے رہنے کو یہ کوٹھڑی — جدا جب سے گھر بار سے میں ہوئی
نہیں کرتی جاڑے کا میں کچھ گلا — جو گرمی کے بدلے یہاں ہے ملا

نہ مجھ کو شکایت خدا ہے گواہ | کہ کیسا ہے ڈر۔ کیسی تکلیف آہ
سبب کیا ہر اک تت کیسے بازو ہیں نرم | رکھے تاکہ معصوم عصمت کو گرم
بس اس شست میں ہو سکو چھوڑ کر | خوشی سے تھی آئی نہ تھا مجھ کو ڈر
پھرے تاکہ نیکی نہ بے گھر ہوئی | پھرے تا نہ عصمت مکاں ڈھونڈھتی
میں دلشاد ہوں نار رشیا اگر | رہے قائم اپنے اُسی فسق پر
گزارہی کروں یاں بسر زندگی | بس ایسی ہرن نے ہے جس طرح کی
رہوں یا کہ مانند اُس بھیڑ کے | کہ اُترے نہ جو قلۂ کوہ سے

کہا اُس نے کیا تم وہی ہو وہی | وہ بیٹی فرانسیس ماں باپ کی
کہ اذکا جس کے نکل جانے کے | ہر اک لب پہ نزدیک اور دور تھے
نہ جو ڈھونڈھنے سے کسی کو ملی | پٹختا رہا سر شہنشاہ بھی
تمہارا اور اسے بی بی یہ حال ہو | کہ اس کوٹھڑی میں تم آ کر رہو
کرو دور جنگل میں یوں آ کے باس | اور ان موٹے کپڑوں کا رکھو لباس

مگر رحم و حسرت ہوئی جلد دور | اور اُس کے دلِ پاک کا پاک نور
نظر آیا یوں چہرہ و وضع سے | نہ ہوں بیچ میں جیسے پردے پڑے
وہ فوراً ہی سو دل سے عاشق ہوا | ہجوم امیدوں نے دل پر کیا
ہوئی مشتعل عشق کی پاک آگ | خوشی سے لگا رونے کھا دل پہ لاگ
گھڑی بھر میں یوں عشق پیدا ہوا | کہ برسوں سے تھا اُس پہ شیدا ہوا

لگا کہنے ہے یہ عطیہ بڑا | نہیں کام یہ اتفاقات کا

خدا چاہتا ہے رہائی تری　　مرے ہاتھ میں اُسکی کنجی ہے دی
نہیں زار سا گرچہ دنیا میں آج　　کوئی زود رنج اور ضدی مزاج
یقیں ہے کہ ہو اُس کا غصہ فرد　　سفارش اگر کیتھرائن کی ہو
سُنا ہے کہ بیگم ہے یہ نیک ذات　　فرشتوں کی سی اُس میں سب ہیں صفات
دل اُس کا ہے دریائے لطف و عطا　　کرے گی تمہارا بھلا ہی بھلا
اگر میری کوشش پہ چھوڑو یہ کام　　تو پاس اُسکے جاتا ہوں میں لا کلام
وہ ہونے سے منظور جب کر چکی　　تو ٹھیرائی جلد اُسنے چلد پنے کی
مگر پوچھتی وہ رہی گھر کا حال　　سوالوں پہ کرتی رہی بس سوال

—◆—

قدم تیز تھا اور امید اور تیز　　چلی ساتھ خواہش کے کرتی گریز
نظر تیسرے دن ہی آنے لگے　　چمکتے مکاں موسکو کے اُسے
یہاں آن کر التجا اُس نے کی　　شہنشاہ کے چوٹ دل پر لگی
کہ مفرور بیکس پہ کیسا ستم　　ہُوا مجھ سے - لیکن اُسی دم قلم
لکھے عہدِ مضبوط بھیجے اُسے　　وہ اقرارِ واثق کہ شاہوں کے تھے

—◆—

بڑے انقلابوں کی بھتی وہ گھڑی　　(تعجب ہُوا بڑھ کے گر غم کبھی
خوشی بڑھ کے گر ڈر ہے پیدا ہُوا　　کسی شئے بے اصل و بے بود کا)
تو تھی وہ گھڑی جبکہ ماں باپ نے　　جو ردتے سمجھ کر تھے مردہ اُسے
پھر اکلوتی بیٹی کو گھر میں وہاں　　یہ دیکھا کہ انگنائی میں ہے جہاں

—◆—

محبت سے دل میں حسینہ کے بھی　　بدل جلد احسانمندی گئی

عروسی کے کپڑے کئے زیب تن | چلے چرچ کو دونوں دولھا دلھن
امیرِ شکاری تھا دولھا بنا | دلھن آپ تھی پاک دل پارسا

ہر اک شخص کو موسکو میں خوشی | بہت ہی ہوئی دل میں اِس بیاہ کی
ملی کینتھرائن کو بھی یہ جزا | جہیز اُن کا خود زار نے دے دیا
زمین پر بکھیرے تھے لوگوں نے گُل | امیرانہ تھا ٹھاٹھ دعوت کا کُل
رئیس اور امیر آئے اُسمیں سبھی | وہ دایہ بھی اور اُس کا خاوند بھی
ہوئی زار کی اُن پہ یہ تھی نظر | کسی سے نہ تھی اُنکی نیچے نظر
نہ پوچھو کہ تھی اُن کو کیسی خوشی | ہر اک شخص نے اُن کی کیا قدر کی

جذبہ و متانت

Wordswoth's 'Laodamia'.

سحر اُٹھی ہوں میں آگنی میں آہتی دی ہے | برت رکھے ہیں بہت گو مری امید تھی خام

نوٹ۔ جنگ ٹرائے میں جو سورمے یونان سے چڑھ کر گئے تھے۔ اُنہیں میں صوبہ تھسلی کا راجہ پروٹسلیس بھی تھا۔ پیشینگوئی یہ تھی کہ جو شخص اول سرزمین دشمن پر جا کودیگا وہ مارا جائیگا لیکن اس محب وطن نے اپنے ملک کے بہادروں پر حرف نہ آنے دیا۔ سب سے پہلے ساحل دشمن پر جا کودا۔ اِسے اپنی رانی لیوڈیمیا سے عشق کامل تھا۔ رانی کا خیال بار بار ستاتا تھا۔ لیکن ادائے فرض خودغرضانہ محبت پر غالب ہوا۔ رانی بھی اُسکی عاشق زار تھی مگر دل پر قابو نہ ہونیکے باعث سخت بیقرار تھی۔ ورڈزورتھ نے اس نظم میں ان دونوں کے عشق کا مقابلہ کیا ہے۔ یہ نظم اس شاعر کی اعلیٰ ترین نظموں میں سے شمار ہوتی ہے ✦

دعا بھی راتوں کو یہ دیوتاؤں سے کی ہے | کہ دیکھوں شوہرِ مقتول کو میں تشنہ کام

دکھا مجھے مرے شوہر کو ہاں دکھا اے دیو
یہی ہے پھر تری درگاہ میں دعا اے دیو

یہ کہہ کے صدقِ محبت و صدقِ نیت سے | اُٹھایا ہاتھ پری چہرہ نے برائے دُعا
مثالِ مہر جو پردے سے ابر کے نکلے | ضیا سے رُخ ہے منور اور اُسکی آنکھیں وا

کشادہ سینہ ہے دل میں دھڑک۔ تنا قامت
کھڑی ہوئی ہے بنی انتظار کی مورت

مقام خوف ہے یا رب یہ کیا نظر آیا | خوشی سے خوف وہ بدلا ہے کیا ادھو ہو ہو
خود اُس کے شوہرِ کشتہ نے جلوہ فرمایا | وہ جیتا جاگتا آتا ہے پاس اور اُس کو

وہاں لئے چلے آتے ہیں دیو نارو جی
نگاہ کی غلطی تو نہیں۔ وہی ہے وہی

کیا کلام جو نارو نے اور اپنا عصا | لگایا جسم پہ اُسکے تو خوف ہو گیا دور
کہا کہ دشنو نے مقبول کی ہے تیری دعا | یہ دیکھ آیا ہے شوہر ترا بجسمِ حضور

ترے ہی پاس وہ ٹھیریگا تین گھنٹے آج
عطیہ لے یہ۔ اِسے دیکھ آنکھ بھر کے آج

بڑے ہی چاؤ سے دلدادہ اُسکی وہ رانی | بڑھی اور آہ بڑھی پھر اور اُس سے جا لپٹی
ولے یہ کوششِ بے سود پھل تھی کیا لائی | بغل میں صورتِ بے جسم کب بھلا آئی

جدا جدا ہوئے شوہر کے جسم کے اعضا
ملے جو پھر تو اُسے سامنے کھڑا پایا

کہا یہ پھر مرے سرتاج چل دئے نارد | دکھائی شکل تو کچھ بول دل ہو خوش میرا
یہ ہے محل ترا۔ یہ تخت ہے۔ یہ ہے مسند | تو منہ سے بول کہ گھر بار شاد ہو تیرا

الم کعبے کو مرے تیرے دم سے برکت ہو
نہ یہ کہ آیا ہے تو یاں مجھے ڈرانے کو

وہ بولا ہوتی ہے مقبول کب دُعا آدمی
کہ میں ڈراؤں تجھے یا کہ چھل کروں رانی

میں گو پریت ہوں لیکن یہاں نہیں آیا
یہاں جو آیا میں پھل ہے یہ تیری عصمت کا

پھل اِس کا بھی ہو کہ اعمال تھے مرے بھی پاک
جفا کی حد نہیں گر ہے نکوئے بے باک

سُنی تھی تو نے بھی یہ پیش گوئیِ ڈلفی
جو جا کے کودیگا واں پر مجھے نہ پروا تھی

کہ جاں ٹرائے میں دیگا وہ پہلا یونانی
بڑا ہو کام تو لازم بڑی ہے قربانی

میں جاں پہ کھیل گیا سب سے پہلے جا کودا
نتیجہ یہ ہُوا دشمن نے مجھ کو مار دیا

وہ بولی ہیروں کا سرتاج تو تھا بڑھ چڑھ کر
ہزاروں ہیروں کا دل جب تھا دغدغے کا گھر

تری دلیری تھی بے مثل میں کروں کیا غم
تو جا کے کود پڑا بیدھڑک ستم ہے ستم

ملا وہاں تجھے کیا۔ خیر۔ اب تو ہے اس جا
زیادہ تر مرے دل سے صلاح کار مرا

ہر ایک کام کا امکاں تھا تجھ سے سخت سے سخت
یہاں جو کھینچ کے لایا ہے تجھ کو میرا بخت

تو پُر ارادہ تھا پر نرم ہیر لیک بھلا
خطر نہیں تجھے اب قبر کی عداوت کا

چمکتے بال ہیں اور لب میں ہے وہی خوبی
جب اُنکے دم سے معطر ہوا تھی تھسلی کی

نہیں پریت تو سایہ نہیں ہے تو واللہ
اسی پلنگ پہ بیٹھ اور مجھ کو دے بوسہ

مرے قریب تو آ جیتے جاگتے ہیرو
دلہن دوبارہ تری آج سمجھوں اپنے کو

یہ سُنکے دشمنوں کے ماتھے پہ تین بل آئے

اور ایک لحظہ میں راجہ کے لب تھے مُردے کے

کہا یہ راجہ نے لے وقت میرا ختم ہوا
فنا بھی جلد ہیں ہوتے ہیں جسلد گو پیدا

دلے نہ رنج ہے زیبا تجھے مری رانی
یہی ہے خاصّۂ جذبہائے شہوانی

یہ سب ہیں قبر میں خاک اور فقط یہاں باقی
ہے بس سرورِ مسکن درنج عظمےٰ ہی

تو اِن کو روک نہیں جذبہ بہلے دل اچھے
کہ ہو محبتِ صادق نہ یہ کہ رُک نہ سکے

پسند ازل سے ہے یہ بات دیوتاؤں کو
عُموق دلوں میں ہے لازم نہ یہ کہ طوفاں ہو

فرد خوشی کا یہ طوفاں کر اور کم مہلت
مری جو ختم ہو۔ تو تجھ کو ہو نہ کچھ کلفت

خدا کا رحم و کرم ہم پہ ہے بہت اب بھی
کہ مہر وماہ کی انساں کی اور جادو کی

زیادہ اور ہو وہ۔ کیونکہ عشق ہے وہ شے
نہیں وہ قوت و طاقت جو زورِ عشق میں ہے

اگرچہ ساتھ محبت کے ہے لگی تکلیف
اور اُسکے رہنے کی جا ہے دل اناث ضعیف

"اگر تو جاتا ہے میں بھی چلی" وہ بولا "خموش"
وہ رنگ مُردے کا اُسکے لبوں سے تھا روپوش

ذرا جو دیکھا تو تسکیں بھی اور خوشی بھی ہوئی
تمام صورت و شکل اور وضع ایسی تھی

کہ بعدیل تھا حسن ایسا کچھ اُداسی سے
خوشی بھی اُسمیں تھی آثار بھی تفکر کے

اب اُس نے عشق و محبت کا تذکرہ چھیڑا
کہا نہ خوف کا کھٹکا ہے واں نہ جھگڑے کا

زمین پاک بہشتی ہیں جو ہے حصۂ دل
نہ کچھ تفکرِ ماضی نہ فکرِ مستقبل

وہاں کمال متانت سے کارہائے عظیم
نظام پاتے ہیں بارائے مستقیم و سلیم

یہاں حسین ہے جو چیز واں حسین تر ہے
خلا وسیع تریں اور ہوا معنبر ہے
وہاں لطافت دریا میں لطف ہے کچھ اور
وہاں کے کھیتوں میں رنگوں کے کچھ عجیب ہیں طور

جہاں میں خوب سے بھی خوب جو ہو روشن دن
وہاں کے دن سے نہیں ہے مقابلہ ممکن

وہاں ہے دخل اُسی کا کہ نیک کام کرے
جنہیں کہ شوق بدی سے ہے یا کہ عشرت سے
بُرا نتیجہ بُروں کا ہی میں نے دیکھا ہے
جنہوں نے وقت کو بیہودہ پن میں کھویا ہے

انہیں بجائے خوشی روز رنج ہے تازہ
کچھ اشک گرم کا اُن کے نہیں ہے اندازہ

مرے ہی سامنے لشکر کے نوجواں سردار
سپاہیانہ مشاغل سے رکھتے تھے سروکار
بمقتضائے مذاقِ طبیعتِ عالی
بڑے سے خیمے میں یا جنگ کی کونسل تھی

ہمارے بیڑے کا بندر میں جبکہ لنگر تھا
یہی تھا کام ہر اک سرغنہ و راجہ کا

چلی جو باد موافق رواں ہوئے ہم سب
بڑھا وہ سب سے ہزاروں میں ایک بھی گراب
میں پیشگوئی کے تھا فکر میں سمندر پر
مرا جہاز ہی ہاں پیشرو ہو اور رہبر

لگے کنارۂ ملک عدو مری کشتی
ہر اک سے پہلے ۔ نہیں گو امید جینے کی

تری طرف سے قلق مجھ کو بار بار ہوا
ترا خیال طبیعت میں بار بار آیا
کہ جاں پہ کھیلا تو پیاری جدا ہوئی مجھ سے
اور اس خوشی کا جو وابستہ تھی یہاں تجھ سے

وہ گشت کرنا بہم وہ ندی وہ باغ و بہار
وہ ناتمام محل اور وہ شہر اور بازار

نہ مقتضا تھا حمیت کا میری طعن سنے
عدو سے یہ ۔ کہ ہے دیکھو تو کیا بڑا لشکر

دلے نہیں کوئی ایسا کہ جان پر کھیلے — کیا خیال یہ بے عزّتی کا دل سے بدر

خیال تیرا بھی پھر آیا پہ یہی ٹھانی
بڑا ہے کام تو لازم بڑی ہے قربانی

میں ایسا سخت ہوں تو نرم ایسی عشق ترا — اگرچہ سچّا ہے - دل پر ترا نہیں قابو
مرے فراق میں کر صبر - سُن یہ قول مرا — ملیگی آن کے خلدِ بریں میں مجھ سے تُو

ملاءِ اعلیٰ میں سب کو ہے تجھ سے ہمدردی
مگر ہو عشق میں تیرے ذرا متانت بھی

مجاز بامِ حقیقت کی ہے بجا سیڑھی — خدا نے عشق سی نعمت ہمیں جو کی ہے عطا
اور اسمیں زور جو بخشا یہی ہے مطلب بھی — اسی لئے اسے درجہ ملا ہے جذبے کا

کہ دل سے دور ہو اسطرح سب انانیت
خودی کے بند میں ہو بند خواب کی صورت

یہ سن کے چیخ اُٹھی وہ کہ آ گئے نا رد — کمال غم تھا کہ مجھ سے جدا ہُوا خاوند
مگر گزر گئے گھنٹے - جو سال بھی بیحد — وہ ہوتے تو بھی تھا کم وقت خوشنود دلبند

وہ چُپ چپاتے چلا تیز تیز سوئے در
بہشت کو کہ نہیں واں ہیں دن کے آٹھ پہر

اثر نصیحت شوہر کا دل پہ رانی کے — ہُوا نہ کچھ وہ اسی طرح بیقرار رہی
وہی تھا جوش طبیعت میں اور وہی جذبے — اُسے وہ دیکھتی حسرت سے باربار رہی

در محل سے وہ راجہ اُدھر گیا باھر
اِدھر وہ رانی بھی در پہ ہی گر پڑی مرکر

وہ برخلافِ نصیحت جو خودکشی سے مری — تو چونکہ جُرم ارادی تھا دیوتاؤں نے
جنہیں کہ عدل اور انصاف ہی کی عادت تھی — سزا یہ دی کہ یہیں اپنے دن کرے پورے

نہ پاس جائے اُن ازواج کے کہ خوش خوش جو
چنیں سدا چمنِ بے خزاں میں پھولوں کو

کوئل

Logan's 'Cuckoo'.

حبذا اے مہمانِ گلستاں
ہے سجاتا ابر تیرا آشیاں
مرحبا قاصد ہے تو برسات کا
خیر مقدم میں چمن ہے خوش نوا

سنتا ہے ہر شخص تیری بھی صدا
ہے ستارہ کوئی تیرا رہنما
مُورجن ایّام میں لاتا ہے آم
وقت بتلاتا ہے جو تجھ کو مدام

میری کوئل میری مہمانِ عزیز
راگ سا میٹھا بہت اور طرفہ چیز
تیرے دم سے خوشنما ہے برشگال
کیا ہی تیرا زمزمہ ہے بے مثال

چھوٹا بچّہ مدرسے جاتا ہوا
چونکتا ہے سن کے تیرا زمزمہ
ٹھیرتا ہے پھول چنتے جب کبھی
نقل کرتا ہے تری آواز کی

ہوتی ہے آغاز جب رُت آم کی
ہم سے کہتی ہے کہ برسات آگئی
سال کے سال آکے تو باغوں میں یاں
چہچہا کر اور گا کر ہر زماں

سبز عشرت خانہ ہے تیرا مدام
دل ربا ؤ دلفزا مطلع ترا

سال میں تیرے نہیں جاڑے کا نام
راگ میں تیرے نہیں غم کی صدا

میں بھی اُڑ سکتا جو کوئل کی مثال
جاتے خوش خوش کیا ہی ہم پر مارتے

سیرِ دنیا کرتے دونوں آئے سال
ہم قدم اور ہم سفر برسات کے

تمہید شہر آشوب

Jhonson's 'Vanity of Human Wishes'.

کرو امشاہدے کی ذرا چشم دوربیں
انساں کو دیکھ غور سے پیرو سے تا بہ چیں

پُر فکر سعی اور تگ و دو کے ڈھنگ دیکھ
شہرونمیں زندگی کے نظارونکے رنگ دیکھ

پھر کہہ کہ کس طرح سے یہاں خوف اور رجا
پھر کہہ کہ کیسے خواہش و نفرت جدا جدا

تیرِ خفی پہ بودنی و گشتنی کے سب
دام فریب اپنا بچھاتے ہیں روز و شب

حیراں تو ہے بہت مگر انساں غرور سے
رہبر بغیر چلنے کو یہ صعب راستے

جس غولِ پُر فریب سے ملتا ہے راہ میں
رہبر سمجھ کے اس کو خیالِ تباہ میں

کرتا ہے جذبِ نفع و دفع ضرر کے چاؤ
نفع و ضرر اگرچہ خیالی ہیں سب پلاؤ

رہبر کسی کی عقل بھی ہے پاؤ گے یہ کم
جابر کا جبر لیجے کہ عاجز کی چشمِ نم

قومیں تباہ ہوتی ہیں دنیا میں روز و شب
اپنی ہی دل پسند تجاویز کے سبب

جب احمقوں کی مانتی ہیں سن کے بات کو
اُس قوم سے قصاص لو اِس قوم سے لڑو

ہیں خواہشونکے ساتھ تقاضانے لگائے خاک
کسی ہنر ہوں جو ہر طبعی ہوں یا ہزار

جرات ہیں سورماؤں کی ہیں گرمیاں بہت
ہتھکنڈے سب ہیں دستِ قضا کے ہیں آشکار
منہ اس کا بند کرتا ہے الزامِ افترا
دانا کو سورما کو جسے دیکھئے یہاں
زر کی وبائے عام سے دنیا تباہ ہے
قاتل اِدھر ہے بندۂ زر بہرِ کسبِ زر
منصف اُدھر ہے بندۂ زر زر کے واسطے

تقریر میں فصیحوں کی شیرینیاں بہت
پوشیدہ ان گلوبنیں ہیں کیا تیز تیز خار
آگ اُسکی قبلِ وقت اُسے دیتی ہے جلا
ہے قتلِ عام زر کا شہید ایک اک جواں
جُرم و گنہ سے دفترِ عالم سیاہ ہے
تلوار کھینچتا ہے سرِ بے گناہ پر
قانون توڑتا ہے معانی نہیں نئے

پر راستی و حفظ زر و مال میں کہاں
دولت کے ساتھ بڑھتے ہیں اُلٹے خطر یہاں

تیتری

Wordsworth's 'Butterfly'.

کھڑا میں آدھ گھڑی سے تجھے ہوں دیکھ رہا
لٹک رہی ہے تو اس زرد پھول میں اس جا
خبر نہیں مجھے پر۔ بی بی تیتری ! اس کی
کہ تُو ہے نیند میں یا جاگتی ہے اور کھاتی
تُو ایسی بے حرکت ہے کہ بحرِ منجمد بستہ
کسی نے بے حرکت یوں کبھی نہ دیکھا ہو
خوشی کے پھر ترے ساماں ہیں کیا اہا ہا ہا

تجھے جب آ کے درختوں میں ڈھونڈھ لیگی ہوا
اور آ کے تجھ سے کہیگی - کہ باہر آؤ اُڑو

یہ باغچہ متعلق ہمارے ہے گھر کے
درخت میرے ہیں اور پھول میری خواہر کے
یہاں تو آن کے ستائے - جب تھکیں بازو
سمجھ کے اس کو بس اپنا ہی گھر - یہاں رہ تو
ہمارے پاس تو آیا کر اور نہ ڈر ہم سے
ہمارے پاس تو شاخوں پہ آ کے بیٹھ یہاں
کرینگے دھوپ کی بات اور ذکر راگوں کے
اور اُن بہاروں کے دن کے جو اُن جب ہم تھے
وہ دن خوشی کے وہ بچپن کے جو تھے اتنے بڑے
کہ اب کے بیس دن اور جب کا ایک ہے یکساں

تازیانۂ عیاشی

Macket's 'William and Margaret'.

سماں ڈرکا ہے اور وقتِ خموشی	سحر جبکہ ہے رات سے آ کے ملتی
اور اُس وقت چپکے سے آ ایک بھتنی	کھڑی ہوتی عیاش کے پائنتی ہے

رُخ اُس کا ہے ہو جیسے صبح دسمبر
اور اولے سے ہیں ہاتھ ٹھنڈے سے اُس
لپیٹے ہوئے منہ پہ بادل کی چادر
کہ بچھڑے ہوئے اُس کا کالا کفن میں

یہی ہوگی ہر روے زیبا کی صورت
یہی ہوگا شاہوں کا بھی تختِ راحت
گزر جائیگی عمر کی جب کہ مدّت
اُتارنے گی جب موت تاجِ مرصّع

یہ عورت تھی مانند غنچے کے بالکل
ابھی رُخ پہ کھلنے کو آیا ہی تھا گُل
پئے صاف شبنم کے جو قطرۂ مُل
بس ایسا کہ ہو جیسے غنچہ شگفتہ

کہ کیڑا لگا وہ محبت کا اِس کو
ہُوا زرد سارا گُلِ روے نیکو
جوانی ہی میں چڑ گیا جسم کو جو
اور آخر پڑا وقت سے پہلے مرنا

کہا۔ اُٹھ۔ ہے معشوقہ تیری بلاتی
سُن اب رحم ہی سے کہ کیا ہے سُناتی
کہ جو قبر سے نصف شبکو ہے آتی
محبت ہے تو۔ تُو نے ناس اُس کا کھویا

یہ ہے وہ اندھیرا اُڑانا سماں جب
نکلتے مزاروں سے مُردے بھی ہیں اب
زباں یافتہ بھوت شکوے کریں سب
کریں تا کہ عشاقِ فاسق سے شکوہ

ذرا سوچ عیّاش اپنی خطا تُو
مجھے پھیر دے میرا الٹر پنا تُو
وہ قولِ شکستہ وہ عہدِ وفا تُو
مجھے پھیر دے میری عصمت وہ پہلی

کیا تُو نے کیوں مجھ سے اقرارِ الفت
تو کس طرح کہتا تھا ہیں خوبصورت
نباہا نہیں جب وہ عہدِ محبت
وہ آنکھیں جنہیں تُو نے رونیکو چھوڑا

حسیں کیوں مرے رُخ کو تُو نے کہا تھا
لیا تُو نے ناحق دلِ باکرہ تھا
حسیں تھی تو کیوں ترک مجھکو کیا تھا
جب اس دل کو کرکے شکستہ ہی چھوڑا

مرے لب کو کیوں تُو نے شیریں بتایا
یقیں کیوں تری جھوٹی باتوں کا آیا
گلابی سے جب اُسکو پیلا بنایا
صد افسوس مجھ نوجواں ناسمجھ کو

وہ چہرہ نہیں آہ اب خوبصورت
ہے بے نور اب موت سے چشمِ حسرت
نہیں آہ لب کی وہ اب سُرخ رنگت
غرض ایک شئے میں نہیں حُسن باقی

جلیں اب مرے بھوکے کیڑے ہیں یکسر
اسی طرح افسوس تا صبحِ محشر
کفن کی ہے اب اوڑھنے کو یہ چادر
میری آئیں سردی میں گزرینگی تنہا

وہ سُن مُرغ بولا یہ کہتا ہے چلدے
کبھی تو مگر بے وفا دیکھ آ کے
ہمیشہ کو بس یہ سلام آخری لے
مزار اپنی معشوقۂ باوفا کا

پرند اب ہوئے نغمہ خواں اور سحر واں
تھا عیّاش زرد اور جسم اُسکا لرزاں
ہوئی اشعۂ سُرخ کے ساتھ خنداں
اُٹھا اور بس چینخا واں سے بھاگا

گیا دوڑتا سوئے شہرِ خموشاں
جہاں وہ حسینہ تھی مدفونِ بیجاں

گرا جا کے اک قطعۂ سبز پرواں
جہاں جسم تھا اُسکا نظروں سے مخفی

یہاں تین بار اُسکو آکر پکارا
یہاں تین ہی بار وہ خوب رویا

اور آخر کو مُنہ قبر پر رکھ کے اپنا
نہ بولا وہ پھر کچھ وہیں جان دے دی

گڈریا اور فلسفی

Gay's 'Shepherd and Philosopher.'

تھا شہر سے دُور اِک گڈریا
فکرِ زر و مال سے معرّا

پیری نے مَنڈھی تھی سر پہ چاندی
دانائی تجربے نے دی تھی

گرمی جاڑے چرا تا گلّا
اور لاکے کھڑک میں بند کرتا

محنت میں تھی عمر خوش گزرتی
تھی حرص و حسد نہ دل پہ طاری

دانائی و نیکوئی میں ہر جا
شہرہ تھا دُور دُور اُس کا

اک لائق فلسفی کہ جس نے
اخلاق کے قاعدے کُتب سے

سیکھے تھے شہرہ سُن کے آیا
جس جا تھا غریب خانہ اُسکا

اور اُس کے خیال کی رسائی
واں آن کے اسطرح سے جانچی

یہ علم کہاں سے تُو نے پایا
راتوں کو چراغ کب جلایا

یونان اور روم کی کتب پر
اور چھاپنے میں فلسفے کے دفتر
سمجھا ہے تو مطلب فلاطوں؟
اور اُس کا ادق ہر ایک مضموں
سقراط نے تیرے دل کو مانجھا؟
یا تو رسِ سرو کی تہ کو پہنچا
یا جیسے کہ بولی سبیس دانا
تقدیر کے ہاتھ سے تھا پہنچا
یوں ہی تُو نے بھی دیکھے امصار
اور اُن کی رسوم و شرع و اطوار

یہ بولا چپا سے وہ گڈریا
رہبر و رہِ علم کا نہ میں تھا
میں نے نہیں غیر ملک ناپے
انساں کو سمجھنے کی غرض سے
دیکھوں تا اُسکے سب قوانین
اُس کے ہنر اور اُس کے آئین
انسان ہے وہ دغا کا پتلا
دھوکا کھا جائے چشمِ بینا
میں دیکھ کے ہاں کسی کو کیا لوں
معلوم نہیں کہ میں ہی کیا ہوں
جو کچھ کہ مجھے ہے آتا جاتا
نیچر سے ہے مینے اس کو سیکھا
یہ سارے اصول زندگی کے
یہ نفرتِ دائمی بدی سے

زنبور کی روز کی مشقت
سکھلاتی ہے میرے دل کو محنت
اور دیکھ کے مور کا ذخیرہ
آگے کا ہے مجھ کو فکر ہوتا
کتا مرا جو کہ ہے وفادار
بھڑکاتا ہے دل میں شکر کی نار
دم اُس کی وفا کا ہوں میں بھرتا
تقلید ہوں نوکری میں کرتا
بیوی سے ہو اُنس اور وہ ہو ایک
سکھلاتا ہے یہ کبوتر نیک
ہیں یہ جو پرند اُڑتے پھرتے
ماں باپ کا فرض ہیں سکھاتے
بچوں کو ہوا لگے نہ ٹھنڈی
مادہ ہے دبا کے اُن کو بیٹھی

بیچاری ماتا کی ماری — کیسی کرتی ہے غمگساری
دانے کی تلاش میں ہر اک نر — اُڑتا پھرتا ہے سخت مضطر

نیچر ہی سے سیکھی ہے یہ عادت — سیکھا ہے تمسخر و حقارت
زیبا ہے یہ کب متین بن کے — بڑھ کر کوئی گفتگو میں بولے
دانا کی بھی شکل یہ کہیں ہے — اُلّو اُلّو ہے گو متیں ہے
دیتا ہوں لگام میں زباں کو — بک بک ہے فضول جو بہت ہو
بک بک کرتی ہے بس پریشاں — کوّے کی ہے کون سنتا کاں کاں
آؤں چپ چپ نہ مجھ سے یہ ہو — لیجاؤں جھپٹ کسی کے حق کو
خونخوار کا ہے عدو زمانا — جائیگا جہاں پڑے گا سوٹا
چیلیں ہیں کہ بھیڑئے یہاں ہیں — مردود ہی ہیں جہاں جہاں ہیں
کیا یاں نہیں سبکو سخت نفرت — سانپوں اور بچھوؤں سے حضرت
لیکن بغض و حسد کا کاٹا — زہریلا ہے ان سے بھی زیادہ
اس طرح جہان کی ہر اک شے — دیتی سوچے سے اک سبق ہے

بولا یہ حکیم تو ہے سچا — سچا ہے یہ تو نے نام پایا
نیکی ہے تری یہی بتاتی — دانائی تری یہی سکھاتی
اہلِ تصنیف کے قلم کا — رہبر اکثر ہے کبر ہوتا
یوں ہوتی کتب میں ہے تصنّع — اور یوں انسان کی تتبّع
قدرت کے پڑھو گر قوانین — سیکھو سچّے اصول و آئین
کافی ہیں یہی بلا کتب کے — انساں کو چلائیں سیدھے رستے

دانا اور نیک اُسے بنائیں — اخلاق کے قاعدے سکھائیں

بادشاہت دل

Dyer's 'Contentment'.

مرا دل ہے میرے لئے بادشاہت
کہ اس سے نہیں بڑھ کے کوئی بھی نعمت
وہ خوشیاں ہیں ہر وقت اس میں ہویدا
جو اس دارِ فانی میں ہوتی ہے پیدا

نہیں گو مرے پاس ساماں بہت ہے
نہیں پہ بھی- دل اُس کا خواہاں بہت ہے

نہ شاہانہ شوکت نہ انبار زر کے
نہ شیریں سخن جو کہ خوش دل کو کردے
نہ جس سے لڑائی کو جیتیں وہ طاقت
نہ دیکھا کرے جسکو خلقت وہ صورت

میں ان میں سے بندہ نہیں ایک کا بھی
سبب کیا کہ سب کچھ ہے بس میرا دل ہی

میں پاتا ہوں افراط سے سیر سب کو
مرا تجربہ ہے کہ اونچے گئے جو
جو چڑھتے ہیں جلدی وہ گرتے ہیں جلدی
انہیں کو ہے ہوتا مصائب کا ڈر بھی

کماتے ہیں محنت سے رکھتے ہیں ڈر سے
مرا دل ہے بیزار ایسے خطر سے

رہوں صبر سے قول میرا یہی ہے
نہیں عزّ و دولت میں کوشش مری ہے
بس اتنے کا خواہاں ہوں کافی ہو جو کچھ
مرا دل ہے دیتا مجھے جو نہ ہو کچھ

میں اسطرح یوں خوش ہوں جوں شاہِ عادل

کہ صبر اس پہ کرتا ہوں دیتا ہے جو دل

بہت پاس ہے تو بھی ہیں بعض طامع — مرے پاس تھوڑا ہے اُس پر ہوں صابر
ہیں تھوڑے ہی پر ہوں امیر اور قانع — وہ مفلس ہیں گرچہ ہیں زر دار جابر

گدا وہ ہیں فیاض۔ ہیں خوش وہ مضطر
وہ طامع ہیں قانع۔ غنی ہیں وہ بے زر

نہ اوروں کے نقصان پر میں ہوں ہنستا — نہ اوروں کے ہے نفع پر رشک مجھ کو
مجھے غوطے دیتی نہیں موج دنیا — ہمیشہ مرا حال یکساں نہ کیوں ہو

خوشامد نہ یاروں کی نے خوفِ دشمن،
نہ جینے سے خطرہ نہ کچھ خوفِ مُردن

خوشی کا ہے پیمانہ بعضوں کا شہوت — اور اندازۂ عقل بس کبر اُن کا
بھروسہ ہے اِن کا فقط اِن کی دولت — دغا پر ہنر ختم ہے اُن کا سارا

مرا تو یہی مال ہے اور خزانہ
کہ آسودگی کا ہو دل میں ٹھکانہ

جو مل بھی سکے اس میں ہے سعی و محنت — زیادہ کا ہرگز میں خواہاں نہیں ہوں
چڑھائی سے نفرت ہے میداں سے الفت — میں طوفانِ دنیا میں ساحل نشیں ہوں

سدا سچے بے سود پر میں ہوں ہنستا
لیا ہے اِدھر اور اُدھر جس نے کھویا

سکوں اور آسودگی میری دولت — پنہ گاہ میری دلِ صاف میرا
کسی کو نہ کرتا ہوں خوش دیکے رشوت — نہ ہوں میں جرائم دغا سے بڑھاتا

میں اسطرح جیتا ہوں یوں ہی مروں گا
سدا خوش رہا ہوں سدا خوش رہوں گا